المملكة العربية السعودية
وزارة التعليم العالي
جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية
عمادة البحث العلمي

سعودی عرب میں عدالتی تنظیم
اسلامی شریعت اور عدالتی اقتدار کی روشنی میں

تالیف
ڈاکٹر سعود بن سعد آل دریب

ترجمہ
ڈاکٹر سمیر عبد الحمید ابراہیم

نظر ثانی
ڈاکٹر محمد اقبال الندوی

۱۴۱۷ھ — ۱۹۹۶ء

المملكة العربية السعودية
وزارة التعليم العالي
جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية
عمادة البحث العلمي

سعودی عرب میں عدالتی تنظیم
اسلامی شریعت اور عدالتی اقتدار کی روشنی میں

تألیف
ڈاکٹر سعود بن سعد آل دریب

ترجمہ
ڈاکٹر سمیر عبد الحمید ابراہیم

نظر ثانی
ڈاکٹر محمد اقبال الندوی

أشرفت على طباعته ونشره الإدارة العامة للثقافة والنشر بالجامعة

۱۴۱۷ھ — ۱۹۹۶ء

ⓒ جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية ، ١٤١٧هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر.
آل دريب ، سعود بن سعد
التنظيم القضائي في المملكة العربية السعودية في ضوء الشريعة الإسلامية ونظام السلطة القضائية / سعود سعد آل دريب، ترجمة سمير عبدالحميد إبراهيم.- الرياض.
٣٤٤ص ؛ ١٧ × ٢٤ سم.
ردمك ٢ - ١٨٣ - ٠٤ - ٩٩٦٠
(النص باللغة الأردية)
١ - السعودية - القضاء الشرعي ٢ - السعودية - المحاكم الشرعية
أ - إبراهيم، سمير عبدالحميد (مترجم) ب- العنوان.
ديوي ٢٥٧،٥٥٣١ ١٧/٠١٤٦

رقم الإيداع : ١٧/٠١٤٦
ردمك : ٢ - ١٨٣ - ٠٤ - ٩٩٦٠

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

پیش لفظ

از

معالی الدکتور عبداللہ بن یوسف الشبل
چانسلر امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبعد۔

امت مسلمہ دین و شریعت میں امتیازی حیثیت کی حامل بن کر نمودار ہوئی' اس کے اسی امتیاز نے اسکو میانہ روی اور راہ اعتدال پر باقی رکھا اور اقوام عالم کے درمیان بہترین امت بنا کر پیش کیا اس لیے کہ یہ امت پاکیزہ عدالت پر مبنی عدل وانصاف کی پاسبان ہے۔

اور سعودی عرب کا نظام عدل بھی اسلامی شریعت کی تنفیذ و تطبیق کا قابل تقلید نمونہ اور مثالی مظہر سمجھا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا امن وامان برقرار ہے اور وہ استقرار وپائے داری' خوش حالی اور اطمینان وسکون کے اعتبار سے مرکزی مقام پر فائز ہے۔

سعودی عدالت کے ایک فاضل استاذ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی' موصوف کی خواہش تھی کہ بڑے پیمانے پر امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی سے اس کتاب کی نشرواشاعت ہو یونیورسٹی نے بھی اپنی ثقافتی ذمہ داری کے احساس گران قدر علمی کارناموں سے پیش از پیش افادیت کے جذبے اور اردو معاشرے کی شدت احتیاج وطلب کے پیش نظر اس کتاب کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور یونیورسٹی کے (عمادہ البحث العلمی) علمی تحقیقی ادارے نے اپنے تحقیقی پروگراموں کے تحت اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا۔

مصنف نے اپنی اس کتاب میں جس کا عنوان التنظيم القضائي في المملكة العربية السعودية في ضوء الشريعة الإسلامية ونظام السلطـــــة القضائية. یعنی سعودی عرب میں عدالتی

تنظیم اسلامی شریعت اور عدالتی اقتدار کی روشنی میں۔ اسلامی شریعت کی انفرادیت اور عظمت اور اسکی تنفیذو تطبیق کے سلسلے میں مملکت سعودی عرب کی مخلصانہ و عادلانہ کدو کاوش اور لگن کی وضاحت کی۔

امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی اس کتاب کی اشاعت کرتے ہوئے امید کرتی ہے کہ انشاء اللہ اردو قارئین کو اس کتاب کا زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہوگا اور ہم اس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش بھی ہوں گے جو علم اور اس کے طلبہ کی خدمت کے طور پر فرمان روائے معظم خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کی جانب سے ہمارے ذمہ ہے۔

واللہ من وراء القصد

عبداللہ بن یوسف الشبل

چانسلر'امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی

پیش لفظ

(از مترجم)

میرے لئے یہ باعث فخر ہے کہ امام محمد بن سعود و اسلامک یونیورسٹی نے التنظيم القضائي في المملكة العربية السعودية في ضوء الشريعة الإسلامية ونظام السلطة القضائية.

کا اردو ترجمہ میرے سپرد کیا۔ یہ کتاب یعنی سعودی عرب میں عدالتی تنظیم اسلامی شریعت اور عدالتی اقتدار کی روشنی میں ڈاکٹر سعود بن سعد آل دریب کی اہم تصنیف ہے۔ ڈاکٹر صاحب سعودی عرب کی نہایت اہم شخصیت ہیں، وہ بڑے عالم اور محقق ہیں گذشتہ ایک عرصے سے "معهد القضاء العالي" اور "كلية الملك فهد الامنيه" کے پروفیسر ہیں۔ محترم ڈاکٹر سعود آل دریب کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ زیر نظر کتاب التنظيم القضائي في المملكة العربية السعودية في ضوء الشريعة الإسلامية ونظام السلطة القضائية نہ صرف ان کی اہم تالیف ہے بلکہ آجکل امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی، كلية الملك فهد الامنية اور چند اور تعلیمی اداروں کے نصاب میں داخل ہے۔

یہ کتاب جس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے اس بات کی مستحق ہے کہ اسے اردو قارئین اور اردو کے محققین اور طلبائے قانون کے مطالعہ کے لئے پیش کیا جائے خاص طور پر آجکل پاکستان کے عدالتی نظام میں شریعت کے مطابق اصلاحات کی کوشش کی جا رہی ہیں۔ یہ بھی ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ برعظیم میں عدالتوں میں تو آغاز سے ہی اردو میں کاروائیاں عمل میں لائی جاتی تھیں۔ آجکل اردو زبان پاکستان کی قومی زبان ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت کو زیادہ شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر سعود آل دریب کی کتاب کا ترجمہ کوئی آسان کام نہ تھا، ترجمہ کرنے سے پہلے میں نے اکثر

شریعت اسلام اور قانون کی مختلف کتابوں کا جائزہ لیا جو اردو زبان میں لکھی گئی ہیں۔(۱) اس کے ساتھ کئی مختلف قانونی لغات کے حصول کی کوشش بھی کی گئی تھی' جن کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی' اس کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ اور بعض فقہی کتابوں کے اردو تراجم' پاکستان اور ہندوستان کے کتب خانوں سے بعض دوستوں اور کرم فرماؤں کی عنایت سے حاصل کئے گئے۔ اور اس طرح ترجمہ کا کام شروع ہوا اور بعونہ تعالیٰ وفضلہ ایک عرصے کے بعد اختتام کو پہنچا۔

ترجمہ میں کوشش کی گئی ہے کہ انداز سادہ اور سلیس ہو۔ میری یہی کوشش ہمیشہ رہی ہے کہ ترجمہ اصل "متن" سے قریب تر ہو' اس کے ساتھ ساتھ ترجمے کی نظر ثانی کا بھی اہتمام کیا گیا تاکہ ترجمہ بہتر انداز میں اردو قارئین کے سامنے پیش کیا جاسکے چنانچہ ترجمے کی نظر ثانی کے لئے یونیورسٹی کی طرف سے پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال ندوی کو معین کیا گیا۔ اس طرح موصوف نے ترجمے کی نظر ثانی کی اور ان کے ہاتھوں پر یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

میں ڈاکٹر محمد اقبال ندوی کا ترجمہ کی اصلاح اور نظر ثانی کے سلسلے میں تعاون کا بے حد شکر گزار ہوں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ میری اس کوشش کو کامیاب فرمائے اور قارئین سے امید ہے کہ میرے ترجمے کی لغزشوں اور علمی کوتاہیوں سے درگزر فرمائیں گے۔

واللہ المستعان

مترجم

سمیر عبد الحمید ابراھیم

---

(۱) مثال کے طور پر "فلسفہ شریعت اسلام مرتبہ ملک ارشاد احمد۔ اصول قانون از چوہدری محمد حسین۔ آئین پاکستان مع تاریخ آئین پاکستان از ملک ارشاد احمد۔ قانون مزارعین از ملک ارشاد احمد۔ قانون بین الاقوام مرتبہ محمد اقبال خان اور شرح مجموعہ تعزیرات پاکستان از انعام الحق میاں وغیرہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ از مصنف

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے۔ اللہ ہی حاکم ہے جو حق و سچ بات بیان کرتا ہے۔ اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور اللہ جس بات کا حکم کردے تو پھر اس میں پس و پیش کرنے والا کوئی نہیں اور وہی سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نے اپنے رسولوں کو واضح و روشن ہدایت دے کر بھیجا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ و سلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کو ختم کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دین حق اور واضح دلائل کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان پر نازل کی گئی وحی کی تبلیغ اور لوگوں کے لئے صاف کھول کر بیان کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند کیا۔ اور لوگوں کو بھی یہی حکم دیا کہ اپنے تمام معاملے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی طرف لے جائیں۔ اور جس بات میں انہیں اختلاف ہو جائے وہ اس کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کریں تاکہ جس انصاف پر زمین و آسمان قائم ہیں، اسی پر لوگ بھی قائم ہوں۔

اللہ جل شانہ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ جس نے واجبات حکام کو واضح کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا۟ ٱلْأَمَـٰنَـٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُوا۟ بِٱلْعَدْلِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِۦٓ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ﴾ [النسآء : ۵۸]

مسلمانو اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔

رعایا پر حکام کی اطاعت و فرمانبرداری کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَـٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴾ [النسآء : ٥٩]

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقہ کار ہے اور حقیقت کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا :

﴿ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا۟ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴾ [النور : ٥١]

ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ رسول ان کے مقدمہ کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

امابعد . . .

قضاء : یعنی عدل و انصاف کے معیار کے مطابق مقدمے کا فیصلہ دینا جو آغاز تاریخ سے لے کر اس تہذیب یافتہ دور تک ہر معاشرہ میں ایک بنیادی اور اہم مسئلہ رہا ہے اور اس طرح جو کچھ اس

میں ہے' قیامت تک رہے گا یہاں تک کہ سب اللہ کی طرف لوٹ جائیں گے۔

مقدمہ کے صحیح فیصلے کا انسانی زندگی کے ہر پہلو سے بہت ہی گہرا تعلق ہے جہاں یہ انسانوں کی جان و مال و عزت و آزادی کے تحفظ کے لئے ضروری ہے' وہیں دوسری طرف یہ رسولوں کی سنت کی پیروی بھی ہے۔ اور ہر حکومت کے اہم فرائض میں اقامت عدل بھی شامل ہے۔ تاکہ وہ ان جھگڑوں کو حل کرے جو افراد اور جماعتوں کے درمیان پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان متاثرہ افراد کے حقوق کی حفاظت کرے جو اس لڑائی جھگڑے میں نشانہ بنتے ہیں۔

ایک ایسی قضاء' ایسا انصاف پر مبنی نظام عدالت کسی بھی حکومت کے لئے ایک بنیادی ستون کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاکہ اس کی عظیم طاقت کے سبب ہر فرد اپنی جان و مال اور عزت کے محفوظ ہونے کا اطمینان رکھے اور لوگ حق و انصاف کے سامنے برابر ہوں۔ اور ان میں طاقت ور اس وقت تک کمزور ہو جب تک کہ اس سے حق نہ لے لیا جائے اور کمزور طاقت ور ہو یہاں تک کہ اسے اس کا حق دے دلایا جائے۔ اس لئے انصاف کا تقاضہ ہے کہ عدالتوں کی حسن تنظیم' مقدمات کی درجہ بندی اور عدلیہ با اختیار ہو اور ہر شخص آسانی سے انصاف پا سکے۔

اس تصنیف کی غرض و غایت

۱۔ اسلامی شریعت اور فقہ اسلامی نظری قانون کے ساتھ ساتھ ایک قابل عمل عدالتی نظام بھی دیتے ہیں جو ہر انسانی وضع کردہ عدالتی قوانین سے بہت بلند و بالا ہوں' بلکہ شریعت اسلامیہ کو اس میدان میں اولیت کا اور ہر زمان و مکان کے لئے قابل عمل ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

۲۔ سعودی حکومت کا ایک اہم ستون عدالتی دائرہ اختیار ہے جس کی تشریح سے عدالتی قوت اور اقتدار کا باہمی تعلق سامنے آتا ہے اور جس کے تاریخی تنظیمی اور قانونی مطالعہ سے ہمیں اہم پہلوؤں کی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ حکومت سعودیہ میں عدل کی خاص باتیں اور انسان کے بنائے ہوئے نظام کی خوبیاں اور ان دونوں خوبیوں میں وجہ مطابقت بشمول ان خصائص اور خوبیوں کے جو شروع اسلام میں قضاء و عدل میں تھیں ان سے آگاہی ہوتی ہے۔

۴۔ اسی طرح مزید عدالتوں کے وجود میں آنے سے آگاہی اور عدالتوں کے دائرہ اختیار پر اثر انداز ہونا اور اس پہلو سے شریعت اسلامیہ کی طرف سے تنبیہی ہدایات اور تنظیمی امور کا جائزہ لینا اس کتاب کا ایک اہم پہلو ہے۔

اس کتاب کی تکمیل کے لئے میں ایک عرصہ تک سرگرداں رہا۔ اس دوران اس کی تحقیق اور اس کے مواد تک رسائی' اس کی تنظیم و ترتیب اور نتائج کے متعلق سوچتا رہا۔ فقہا اور قضاۃ کا انداز یہ رہا ہے کہ وہ عنوانوں کو کتاب یا باب میں تقسیم کرتے ہیں اور پھر ذیلی عنوانات دیتے ہیں۔ اسی طرح میں نے بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ اور اس تحقیقی تصنیف کو باب وار مرتب کیا ہے اور ہر باب کے تحت کئی کئی فصلیں ہیں اور خاتمہ کی فصل کے تحت مباحث و مطالب کے نتائج کو جمع کیا گیا ہے۔

پہلی اور دوسری فصل میں میں نے مملکت کے دور اول کے عدالتی نظام' اور جدید عدالتی نظام کے بارے میں گفتگو کی ہے اور پھر اس ضمن میں جو مباحث آئے ہیں ان میں قاضیوں کی خود مختاری اور ان کی ملازمت کی ضمانت ان کے فرائض و مقدمات کی درجہ بندی' ہر نوعیت کا دائرہ اختصاص اور اختیار کا ذکر ہے۔

تیسری فصل میں مملکت میں دوسری عدالتی کمیٹیوں اور عدالتی محکموں کا ذکر ہے۔ مثلاً تجارتی تنازعات' دھوکہ دہی کے انسداد' تجارتی سندات کی کمیٹیاں' کسٹم کے امور کی سوسائٹیاں اور لیبر لاء کے تحت مقدمات کی سنوائی کی عدالتیں۔ یہ تمام کمیٹیاں متعین امور کے لئے مختص ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ فوج سے وابستہ محکموں کے لئے جو فوج کی داخلی عدالتیں ہیں اور پھر امر بالمعروف والی مجالس

ہیں جن کا عدالتی کردار بھی ہے' ان سب کو اس فصل میں رکھا گیا ہے۔

چوتھی فصل میں حکومت سعودیہ میں نظام قضاء کے بارے میں گفتگو کی ہے۔

پانچویں فصل کو میں نے مملکت میں پھیلے عدالتی نظام (نظام قضاء) کے اصول و قواعد اور اس کی اساس پیدا کرنے کے لئے خاص کیا ہے اور وہ اصول و قواعد بیان کئے ہیں جو احکام شریعت کی پابندی' اور عدلیہ کی آزادی کے متعلق ہیں نیز صوبائی اور مقامی نظام عدالت اور وحدت عدالت' مقدمات کی درجہ بندی' ایک یا زیادہ قاضیوں کی تقرری کا ضابطہ' زبانی دعووں کے قاعدے یا اصول اور مفت انصاف کے قاعدے یا اصول بھی درج کئے ہیں۔

خاتمہ میں اس ریسرچ کے نتائج کا خلاصہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے مقصد میں حق پر ہونے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے میں مدد کی درخواست کرتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ انہ سمیع قریب مجیب الدعوات۔

ڈاکٹر سعود بن سعد آل دریب

تمہید

اس تمہید میں قیام حکومت ' مملکت کے قیام کے وقت عرب اور اسلامی ممالک کی سیاسی صورت حال ' اور اس کے ساتھ اقوام اسلام میں سعودی عرب کی قدرومنزلت کے بارے میں ہم روشنی ڈالیں گے۔

عرب اور اسلامی ممالک کی سیاسی صورت حال

۱۹۱۴ء بمطابق ۱۳۳۳ ہجری میں جب پہلی جنگ عظیم چھڑی تو عرب اور اسلامی ممالک کی صورت حال حسب ذیل تھی۔

۱- نجد و احساء پر امام عبدالعزیز آل سعود کی حکومت تھی۔

۲- اشراف دولت عثمانیہ کے نام سے حجاز پر حکمرانی کر رہے تھے۔

۳- آل رشید ترکوں کے حلیف بنے حائل اور جبل شمر کے حکمران بنے ہوئے تھے۔

۴- آل ادریس اور آل عائض حکومت عثمانیہ کے ماتحت رہ کر عسیر کے شمالی و جنوبی حصوں پر قابض تھے۔

۵- آل حمید الدین یمن پر حکمرانی کر رہے تھے اور اپنے آپ کو آزاد مانتے تھے۔ اس لئے عثمانیوں کے ساتھ ان کی کشمکش جاری رہتی تھی۔

۶- عراق و شام ' حکومت عثمانیہ کے براہ راست زیر اثر تھے۔

۷- ہندوستان ' موجودہ پاکستان اور بنگلہ دیش کا علاقہ اور خلیجی عرب ریاستیں حکومت برطانیہ کے زیر تسلط تھیں۔

۸- وسط ایشیا کے ممالک اسلامیہ پر روس نے تسلط جما رکھا تھا۔

۹- مصر اور سوڈان پر برطانیہ نے فوج کشی کر کے ان کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اور وہاں کی حکومتیں آزاد نہیں تھیں۔ اور نہر سویز پر برطانیہ کا براہ راست کنٹرول تھا۔

۱۰- شام، لبنان اور کئی افریقی ممالک پر فرانس کا تسلط تھا۔

۱۱- جرمنی بھی عرب ممالک میں اپنے اثرات مستحکم کرنا چاہتا تھا اور برلن سے بغداد بلکہ کویت تک ریلوے لائن کی تعمیر اسی خواہش کا مظہر تھی۔(۱)

حکومت سعودیہ اور سعودی عرب کا معرض وجود میں آنا

بیسویں صدی کے آغاز میں شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود رحمہ اللہ نے (پیدائش ۱۲۹۳ھ - ۱۸۷۹ء وفات ۱۳۷۳ھ - ۱۹۵۴ء) سن ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۲ء) کو شہر ریاض (جو ان کے آباؤ اجداد کا دار السلطنت تھا) کو آزاد کرانے کے بعد حکومت سعودیہ کی بنیاد ڈالی۔

شروع میں مملکت کو یہ نام نہ دیا گیا تھا۔ جب اس کے بانی نے بقایا وہ حصے اس میں مدغم کر دئیے جو آج مملکت کی حدود میں ہیں تو پھر اس کو موجودہ نام دیا گیا۔ سن ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) میں آل رشید سے امارت نجد واپس لی اور سن ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۲ء) میں سلطنت عسیر کو اس میں شامل کر لیا۔ اس وقت شریف حسین کے دور حکومت میں نجدیوں کے لئے حج کی اجازت نہ تھی۔(۲) اس رکاوٹ کے پانچ سال گذرنے کے بعد اخوان نے (۳) ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء میں اپنی کانفرنس میں سلطان

۱- احمد عسہ معجزہ فوق الرمال (ریت کے اوپر معجزہ) ص ۶۶ - ۶۷ طبع دوم

۲- دیکھئے حسین بن غنام روضہ الافکار والافہام - طبع القاہرہ ۱۳۶۸ھ

۳- لفظ اخوان اصطلاحاً ایک نام تھا جس کا اطلاق ان قبائل عرب پر ہوتا تھا۔ جو صحراء عرب میں منتقل ہوئے رہتے تھے۔ پھر ملک عبدالعزیز نے ہجر میں ان کی سکونت کا اہتمام کیا۔ اس طرح وہ بدوی اور خانہ بدوشی کی زندگی ترک کر کے پر سکون زندگی کی طرف آگئے۔ زراعت کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم اور عقیدہ اسلامیہ کے مسائل میں گہری نظر رکھنے لگے اور اخوان کہلائے۔ اور ساتھ ساتھ ایک ایسا لشکر بن گئے جو ہر وقت علم توحید کی سربلندی کے لئے میدان جنگ میں کود جانے کے لئے تیار رہتا تھا۔ ان کا شعار تھا انا اخو من اطاع اللہ (ہم اللہ کی اطاعت کرنے والے کے بھائی ہیں)

عبدالعزیز کے روبرو اس پابندی پر صدائے احتجاج بلند کی۔ سلطان عبدالعزیز نے انہیں حقیقت حال سمجھانے کی کوشش کی مگروہ بیک زبان ہو کر چلا اٹھے اور کہا حجاز کی طرف چلو' حجاز کی طرف چلو۔ پھر واقعی حجاز کی طرف جاتے ہوئے بغیر کسی دشواری کے طائف پر قابض ہو گئے اور ۷ اربیع الاول ۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو مکہ المکرمہ میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ اس کے بعد نجد و احساء کے صوبے حجاز اور پھر عسیر کے شمالی اور جنوبی حصے سلطان عبدالعزیز کے زیر اثر آ گئے۔ اور چونکہ سلطان عبدالعزیز اور تمام اہالیان اقالیم کے درمیان ایسے دینی 'لسانی اور دیگر مشترک عوامل موجود تھے جس کی وجہ سے یہ تمام صوبے ایک شخص سلطان عبدالعزیز کی قیادت میں متحد ہو گئے۔ جب کہ اس سے قبل جزیزہ عرب کے مختلف قبیلوں کی ریاستیں تھیں یا ایسی حکومتیں تھیں جو سلطنت عثمانیہ کے زیر اثر تھیں۔

پس اہل نجد و حجاز اور دوسرے صوبوں نے قبائلی طرز حکومت کو چھوڑ کر ایک متحد حکومت کے قیام کی غرض سے سلطان عبدالعزیز آل سعود کی ان شرطوں پر بیعت کی کہ حکومت کی اصل بنیاد شریعت اسلامیہ کو حاصل ہو گی (ا) اور حکومت کسی قبیلہ میں امتیاز روا نہ رکھے گی۔ اور حاکم و رعایا کے درمیان امتیاز نہ ہو گا۔ پس اسی کے فضل و برکت سے وہ ایک حکومت کے تحت اکٹھے ہوئے اور سلطان عبدالعزیز ان کے حکمران بنے اور وہ قبائلی نظام جس میں انتشار تھا' دوریاں تھیں' تقسیم تھی' وہ ایک مستحکم 'پرامن اور منظم حکومت میں تبدیل ہو گیا۔

شاہ عبدالعزیز ملک میں امن و امان قائم کرنے اور انتظامی امور کو مستحکم کرنے' خصوصا دار الحکومت ریاض میں حکومتی انتظام کرنے میں مصروف رہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں صوبوں کے لئے امراء مقرر کئے۔ یہ امراء اپنے صوبائی معاملات میں پورے اختیارات رکھتے تھے جب کہ فوجی اور خارجی معاملات مرکزی حکومت کے زیر اختیار تھے۔ اس طرح آغاز ہی سے نظام عدل فوجی و سیاسی حدود کار کا تعین کر دیا گیا۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ سن ۱۳۵۰ ہجری بمطابق ۱۹۳۴ء میں تمام علاقوں کی یکجائی کے بعد اس حکومت کو المملکہ العربیہ السعودیہ کا نام دیا گیا۔

ا۔ جریدہ ام القری۔ العدد الاول ۱۵ ۵ ۱۳۴۳ھ۔ ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۹۲۴ء

اقوام عالم کے نزدیک حکومت سعودیہ کی قدر و منزلت

امت مسلمہ عرب و غیر عرب اقوام کے نزدیک حکومت سعودیہ کو ایک بلند مقام حاصل ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے دو روحانی مرکز مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اس مملکت میں واقع ہیں۔ اس کے علاوہ اسے تہذیبی اور جغرافیائی لحاظ سے بھی قدیم تمدن میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے شمال میں عراق و شام اور جنوب میں یمن و عمان ہیں۔ تجارتی تعلقات کی وجہ سے ان علاقوں سے مملکت کا قدیم تعلق رہا ہے۔ پھر اس جزیرہ عرب کے مسلمان تاجروں نے اپنے تجارتی سفروں کے دوران اسلامی تعلیمات کو جنوب مشرقی ایشیاء اور جنوب مشرقی افریقہ میں منتقل کیا اور ان علاقوں میں ریاستوں کے قیام کا ذریعہ بنے اور ان کا رشتہ اس جزیرہ سے جوڑا۔ اس طرح مملکت سعودیہ کا جغرافیائی محل و قوع قدرتی رکاوٹوں کے نہ ہونے کے باعث وہ براعظم ایشیا' یورپ اور افریقہ سے اس طرح جڑا ہے کہ اسے بحیرہ احمر کے ذریعے بیرونی دنیا سے تعلق پیدا کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ نہر سویز اور بحیرہ روم کے ذریعے جنوبی یورپ اور مغربی عرب تک رسائی حاصل ہوئی۔ خلیج عرب سے نکل کر بحیرہ ہند میں داخل ہونے اور جنوب مشرقی ایشیاء کے ممالک سے رابطہ کا موقعہ ملا۔ اس طرح تمام معاملات میں تطبیق شریعت کے لحاظ سے مملکت کو عالم اسلام میں منفرد مقام حاصل ہے۔ سول civil معاملات میں تجارتی خلاف ورزیوں میں اور شخصی قانون میں بھی تطبیق شریعت کے باعث اسے جداگانہ مقام حاصل ہے۔ پھر اسی اسلام کی بالادستی کا اثر ہے کہ مملکت میں امن و امان قائم ہے جو ترقی یافتہ ممالک میں بھی مفقود ہے۔

زمانہ قدیم سے لے کر عہد سعودی تک قضاء کا تاریخی لمحہ

آدم علیہ السلام کے دنیا میں آباد ہونے کے بعد روئے زمین پر جو پہلا مقدمہ اللہ عزو جل کی عدالت میں پیش کیا گیا وہ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کے درمیان پیش آیا تھا۔ مفسرین اس قصہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ حواء علیہا السلام کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی کا جوڑا پیدا ہوتا

تھا اور یہ لڑکی اپنے جڑواں بھائی کے لئے حلال نہ ہوتی بلکہ بعد کے پیدا ہونے والے لڑکے سے اس کا نکاح جائز ہوتا۔ تو جس لڑکی سے قابیل کی شادی ہونے والی تھی وہ ہابیل کی ہونے والی بیوی سے حسن و جمال میں کم تر تھی۔ یہ سب قابیل کے غصہ کا سبب بن گیا۔ پھر ان دونوں نے اپنا مسئلہ اللہ عزو جل کی خدمت میں پیش کیا۔ دونوں نے قربانی پیش کی۔ ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی جب کہ قابیل کی قربانی کو نامنظور کیا گیا۔ اللہ رب العزت اس کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔

﴿ وَٱتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَأَ ٱبۡنَيۡ ءَادَمَ بِٱلۡحَقِّ إِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانٗا فَتُقُبِّلَ مِنۡ أَحَدِهِمَا وَلَمۡ يُتَقَبَّلۡ مِنَ ٱلۡأٓخَرِ قَالَ لَأَقۡتُلَنَّكَۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ ٱللَّهُ مِنَ ٱلۡمُتَّقِينَ﴾ [المائدۃ: ۲۷]

اور ذرا انہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بے کم و کاست سنا دو۔ جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔ اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا۔ اس نے جواب دیا اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔

علوم انسانی (انتھروپولوجی) کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان کی ابتدائی زندگی میں جھگڑوں اور تنازعات کا حل یا تو طرفین کی باہمی رضامندی سے کیا جاتا تھا یا بعض افراد کی وساطت سے یا پھر انتقام کے طریقہ کو اپنا کر مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی جاتی۔ حاکم قبیلہ ہی مقدمہ کا قاضی ہوتا اور اسی کا حکم نافذ ہوتا۔ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی پرانی تہذیبیں نظام قضاء کی جداگانہ حیثیت سے روشناس ہو چکی تھیں۔ آہستہ آہستہ رونما ہونے والا یہ نظام دھیرے دھیرے ہی آگے کی طرف بڑھتا ہوا واضح شکل میں سامنے آیا ہے۔

فراعنہ مصر کے زمانہ میں فرعون خود کو خدا کہلواتا تھا۔ تمام قسم کے اختیارات مثلاً جنگ ' دینی امور اور عدل و انصاف گویا کہ ہر چیز اس پر موقوف تھی اس کا قصر کبیریا باب عالی مرکزی اداروں کا کانفرنس روم (Conference Room) تھا۔ ہر مسئلہ کا حتمی فیصلہ وہیں طے پاتا۔ ظلم و ناانصافی پر نظر

رکھی جاتی اور مختلف امور کے احکام صادر کیئے جاتے مگر کوئی مستقل نظام قضاء نہ تھا۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا یہاں تک کہ فراعنہ کے نویں خاندان (9th dynisty) کے زمانہ میں اعلیٰ افسروں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو بہت سے امور پر نگران تھی جس میں بعض قضائی امور بھی تھے۔(۱)

مصر کے لوگ قرائن و آثار سے فیصلے کیا کرتے تھے جس طرح کہ یوسف علیہ السلام کی قمیض کے پھٹنے سے وہ قرینہ حاصل ہوا جس کو قرآن حکیم نے یوں بیان فرمایا :

﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَآ إِن كَانَ قَمِيصُهُۥ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ ٱلْكَـٰذِبِينَ ۞ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُۥ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ ٱلصَّـٰدِقِينَ ۞ فَلَمَّا رَءَا قَمِيصَهُۥ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُۥ مِن كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴾ [یوسف : ۲۶-۲۸].

اس عورت کے کنبہ والوں میں سے ہی ایک شخص نے (قرینے کی) شہادت پیش کی کہ "اگر یوسف کا قمیض آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے اور اگر اس کا قمیض پیچھے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچا"۔ جب شوہر نے دیکھا کہ یوسف کا قمیض پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اس نے کہا "یہ تم عورتوں کی چالاکیاں ہیں۔ واقعی بڑے غضب کی ہوتی ہیں تمہاری چالیں۔"

اس زمانہ کے مقدمات میں سے جن کو قرآن نے بیان کیا ہے وہ بادشاہ کے ناپ تول (صواع الملک) یا پانی پینے کے برتن (السقایہ) کے متعلق مقدمہ ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ ٱلسِّقَايَةَ فِى رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا ٱلْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَـٰرِقُونَ ۝ قَالُوا۟ وَأَقْبَلُوا۟ عَلَيْهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ ۝ قَالُوا۟ نَفْقِدُ صُوَاعَ ٱلْمَلِكِ وَلِمَن جَآءَ بِهِۦ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا۠ بِهِۦ زَعِيمٌ ۝ قَالُوا۟ تَٱللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُم مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا كُنَّا

۱۔ دیکھئے احمد صادق تاریخ مصر الاجتماعی صفحہ ۵۳

سَـٰرِقِينَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا۟ فَمَا جَزَٰٓؤُهُۥٓ إِن كُنتُمْ كَـٰذِبِينَ ﴿٧٤﴾ قَالُوا۟ جَزَٰٓؤُهُۥ مَن وُجِدَ فِى رَحْلِهِۦ فَهُوَ
جَزَٰٓؤُهُۥ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلظَّـٰلِمِينَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ أَخِيهِ ثُمَّ ٱسْتَخْرَجَهَا مِن وِعَآءِ
أَخِيهِ ۚ كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِى دِينِ ٱلْمَلِكِ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ ۚ نَرْفَعُ
دَرَجَـٰتٍ مَّن نَّشَآءُ ۗ وَفَوْقَ كُلِّ ذِى عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾ ۞ قَالُوٓا۟ إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُۥ
مِن قَبْلُ ۚ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِى نَفْسِهِۦ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ أَنتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۖ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا
تَصِفُونَ ﴿٧٧﴾ قَالُوا۟ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلْعَزِيزُ إِنَّ لَهُۥٓ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُۥٓ ۖ إِنَّا نَرَىٰكَ مِنَ
ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿٧٨﴾ قَالَ مَعَاذَ ٱللَّهِ أَن نَّأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا مَتَـٰعَنَا عِندَهُۥٓ إِنَّآ إِذًا
لَّظَـٰلِمُونَ ﴿٧٩﴾ [یوسف: ٧٠-٧٩]

”جب یوسف ان بھائیوں کا سامان لدوانے لگا تو اس نے اپنے بھائی کے سامان میں اپنا پیالہ رکھ دیا۔ پھر ایک پکارنے والے نے پکارا کہ اے قافلے والو! تم لوگ تو چور ہو۔ انہوں نے پلٹ کر پوچھا۔ تمہاری کیا چیز کھو گئی ہے سرکاری ملازموں نے کہا ”بادشاہ کا پیمانہ ہم کو نہیں ملتا جو شخص لا کر دے گا اس کے لئے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ ہے اور اس کا میں ذمہ لیتا ہوں“۔ ان بھائیوں نے کہا۔ ”خدا کی قسم تم لوگ خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں اور ہم چوریاں کرنے والے لوگ نہیں ہیں“۔ انہوں نے کہا ”اچھا‘ اگر تمہاری بات جھوٹی نکلی تو چور کی کیا سزا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کی سزا جس کے سامان میں سے چیز نکلے وہ آپ ہی اپنی سزا میں رکھ لیا جائے۔ ہمارے ہاں تو ایسے ظالموں کو سزا دینے کا یہی طریقہ ہے۔ تب یوسف نے اپنے بھائی سے پہلے ان کی خرجیوں کی تلاشی لینی شروع کی پھر اپنے بھائی کی خرجی سے گم شدہ چیز برآمد کر لی۔ اس طرح ہم نے یوسف کی تائید اپنی تدبیر سے کی۔ اس کا یہ کام نہ تھا کہ بادشاہ کے دین (یعنی مصر کے شاہی قانون) میں اپنے بھائی کو پکڑتا

الا یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے۔ ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کردیتے ہیں۔ اور ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔

ان بھائیوں نے کہا۔ یہ چوری کرے تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ اس سے پہلے اس کا بھائی (یوسف) بھی چوری کرچکا ہے۔ یوسف ان کی یہ بات سن کر پی گیا' حقیقت ان پر نہ کھولی۔ بس (زیر لب) اتنا ہی کہہ کر رہ گیا کہ " بڑے ہی برے ہو تم لوگ۔ (میرے منہ درمنہ مجھ پر) جو الزام تم لگا رہے ہو اس کی حقیقت خدا خوب جانتا ہے۔

انہوں نے کہا اے سردار ذی اقتدار (عزیز) اس کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے۔ اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے ہم آپ کو بڑا ہی نیک نفس انسان پاتے ہیں۔ یوسف نے کہا پناہ بخدا دوسرے کسی شخص کو ہم کیسے رکھ سکتے ہیں جس کے پاس سے ہم نے اپنا مال پایا ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے کو رکھیں گے تو ہم ظالم ہوں گے۔"

سرزمین رافدین (دجلہ و فرات) یعنی عراق میں ۳۲۰۰ قبل مسیح تک قبائلی تمدن مصری تہذیب کے ھم زمانہ رہا تھا۔ اس وقت عراق میں حمورابی کی حکومت تھی جو اپنے قوانین و عقائد کی وجہ سے بہت مشہور ہوا۔ اسے کاہن بھی کہا جاتا ہے اور وہ پہلا فرمانروا ہے جو قانون ساز اور قاضی تھا۔ جس نے خود قانون جاری کیا اور کبھی کبھی دوسرے قاضیوں سے بھی مدد طلب کرتا رہتا تھا۔ ان کو ہیکل (عبادت گاہوں) اور شہروں میں متعین کرتا تھا جو ملک میں قانون سازی میں ایک دوسرے کی معاونت کرتے تھے۔

تل مردیخ شام میں سلطنت ابیلا سن ۲۲۰۰ قبل از مسیح میں بلحاظ عظمت و ترقی نقطہ عروج پر تھی۔ اس حکومت میں بڑے بلند مرتبت عقل و دانش والے لوگ شامل تھے۔ جنہیں قضاہ (قاضیوں) کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔

اس صدی کے ساتویں دھے کے آغاز میں جو کتبے اور تحریریں دریافت ہوئی ہیں وہ امیر عورتوں کے مہراور مجرموں کو لازمی سزا دینے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ جیسے کسی کو ہاتھ سے مارا جائے تو سزا کے طور پر پانچ بکری کے بچے جرمانہ ادا کرے۔

ہتھیار استعمال کر کے گزند پہنچانے والے کے لئے پچاس چوپائے بطور سزا مقرر تھی۔ پھر ایسے بھی قانون تھے جو ناجائز جنسی تعلقات کی سزا کے لئے وضع کئے گئے تھے۔ اس کی سزا عورت کے شادی شدہ یا کنواری ہونے کی صورت میں مختلف تھی۔ نیز ڈاکے اور زنا کی سزا سنگسار کرنا بھی تھی۔

شہر صور (فینیقی حکومت) کے آثار قدیمہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کی عدلیہ میں سینیئر افراد اور قاضی کی ایک مجلس قائم تھی جس میں قاضی دو دو کی ایک بنچ کی صورت میں فیصلہ کرتے تھے۔ اور دونوں کو "الصافطان" کہا جاتا تھا۔

پھر جب ہم قدیم یونانی تہذیب و تمدن کی طرف آتے ہیں جن کا دور علوم انسانی اور سوسائٹی کی نشوونما میں ایک زرخیز و بھرپور دور تصور کیا جاتا ہے۔ کیونکہ فلسفہ ادب سیاست اور قانون میں اس دور کو جو اولیت حاصل رہی ہے اس کا آج تک اعتراف کیا جاتا ہے۔

حکومت کے معرض وجود میں آنے سے پہلے کے مرحلے اور قبائلی معاشرہ کے زوال اور اس کی جگہ ایک منظم سلطنت سے قطع نظر پانچویں صدی قبل از مسیح میں قوانین پتھروں کے ستونوں پر لکھے جانے لگے تاکہ وہ سب کے لئے عام ہوں۔ "ایتھنز" ایک ماہر قانون کے مطابق ان مکتوبہ قوانین کی وجہ سے کم تر رعایا بھی بلحاظ مساوات انصاف کی نظروں میں خواہ اس کے مقابل کوئی کتنا ہی بااثر کیوں نہ ہو ایک مضبوط عزت و وقار والی ہو گئی تھی۔ شروع میں یعنی "مدینہ اولی" کے زمانے میں دعوے "ارکون" (رئیس اعلیٰ) کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ پانچ دن کے اندر اندر مقدمہ کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ مقدمات میں اس بات کو روا رکھا گیا ہے کہ اگر کوئی فیصلہ سے مطمئن نہیں ہوتا یا فیصلہ اس کے خلاف ہوا تو وہ اپنے دعوے کو دوبارہ ہائی کورٹ میں پیش کر سکتا ہے۔ جو عام بازار کے قریب سب کے

سامنے قائم ہوتی تھی۔(۱) تاہم بعد میں اس نظام میں کئی تبدیلیاں پیش آئیں جن کو بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔

اسی طرح یونان کے نقش قدم پر چلنے والی سلطنت روم میں بھی قانون کی تدوین اور نفاذ کے طریقوں میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ مختصراً ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ جب سے سلطنت روم وجود میں آئی تو قضا کی قوت کو قائم رکھنے کے لئے قاضی کو سلطنت کا ایک ایسا باا ثر حصہ بنا دیا گیا کہ وہ اپنی طاقت کا استعمال کسی مداخلت کے بغیر کر سکتا تھا۔

مجلس قومی یا سینٹ اس کو خصوصی اختیارات دے کر اس کے لئے وہ قوانین وضع کرتی جو وہ قاضی اس سے طلب کرتا اور انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اس کو فیصلے میں مکمل آزادی تھی اس کو کسی بھی نوعیت کی سزا کا حق تھا۔ وہ تاحیات قاضی رہتا۔ اس کو معزول کرنا یا اس کے خلاف مقدمہ کرنا آسان نہ تھا۔(۲)

ان اختیارات کے ساتھ رومی قاضی خداؤں کا نمائندہ بھی ہوتا تھا۔ اور لوگوں کی قربانیوں کو خداؤں تک لے جانے کا ذریعہ شمار ہوتا تھا۔ وہ ان کے لئے دعائیں کرتا۔ اور نئے معابد کا افتتاح کرتا۔ تہواروں کو منظم کرتا اور قسمت کا حال بتاتا تھا۔ فال نکال کر معبودوں کی رضامندی دریافت کرتا تھا۔ اس طرح رومی قاضی اپنے علاقہ کا بادشاہ مانا جاتا تھا۔

رومن جمہوریہ کے زمانے میں قاضیوں کے متعدد منصب تھے اور جب شہنشاہ آگستین نے جمہوری حکومت کا خاتمہ کر کے ایک مطلق العنان حکومت کی بنا ڈالی۔ پھر اس کا قانون سازی اور عدلیہ پر بڑا اثر پڑا۔ اور نظام قضاء ایک قابل نفرت شکل اختیار کر گیا۔ رشوت و ظلم کا دور دورہ ہو گیا۔ قاضی سرسری سماعت سے حتمی فیصلہ صادر کر دیتا اور وہ رشوت براہ راست لے لیتا یا اپنے محکمے کے کسی ملازم کے ذریعے وصول کرتا۔(۳)

۱۔ ارسطو کی کتاب نظام الاثینین' ترجمہ طہ حسین.

۲۔ تاریخ الحضارات العامہ (۳-۱۳۰) از میشل کردزیہ اور دوسرے مصنفین ترجمہ داغر اور دوسرے مترجمین.

۳۔ اضمحلال وانہیار الابراطوریہ الرومانیہ از جیبون ترجمہ احمد نجیب زکی ط قاہرۃ.

یونانیوں اور رومیوں کو صدیوں یہ اندازہ نہ تھا کہ عدل کیا ہے اور نظام عدالت کیا ہوتا ہے وہ تو بس یہ دیکھتے تھے کہ ظالمانہ نظام میں اگر کہیں داد رسی ہے تو وہ ان ہی کے متعین کردہ طبقے کے اندر ہے اور ان ہی کے قانون کے مطابق ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے تورات و انجیل نازل فرمائی اور یہود و نصاریٰ کو حکم دیا گیا کہ اپنے فیصلے ان کے مطابق کریں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ﴾

[المائدة : ٤٤]

”ہم نے توراۃ نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی، سارے نبی جو مسلم تھے اسی کے مطابق ان یہودیوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے اور اس طرح ربانی اور احبار بھی (اسی پر فیصلے کا مدار رکھتے تھے) کیونکہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے۔“

اور فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ ٱلْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فِيهِ ۚ﴾ [المائدة : ٤٧]

”اہل انجیل اس قانون کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے۔“

قضاء کے متعلق مرحلہ وار تاریخ کو ختم کرنے سے پہلے کاشت کاری اور بھیڑ بکریوں کے اس مقدمہ کی طرف اشارہ مناسب ہو گا۔ جس کا فیصلہ پہلے داود علیہ السلام نے کیا اور پھر دوسری مرتبہ سلیمان علیہ السلام نے اس مقدمہ کا ذکر قرآن میں یوں ہے :

﴿ وَدَاوُۥدَ وَسُلَيْمَٰنَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِى ٱلْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ ٱلْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَٰهِدِينَ ﴿٧٨﴾ فَفَهَّمْنَٰهَا سُلَيْمَٰنَ ۚ وَكُلًّا ءَاتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ﴾ [الأنبياء : ٧٨-٧٩]

"داؤد و سلیمان دونوں ایک کھیت کے مقدمے میں فیصلہ کر رہے تھے۔ جس میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں پھیل گئی تھیں اور ہم ان کی عدالت خود دیکھ رہے تھے اس وقت ہم نے صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔ حالانکہ حکم اور علم ہم نے دونوں کو عطا کیا تھا۔"

دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے انفرادی اجتہاد سے ایک آزاد فیصلہ کیا۔ فرمان باری تعالیٰ: "اذ یحکمان" سے یہ مطلب نکالنا صحیح نہ ہو گا کہ ان دونوں نے مل کر فیصلہ کیا۔ جیسا کہ "ففھمناھا سلیمان" کا ظاہر اس طرف اشارہ کر رہا ہے۔ سمجھنے والا درحقیقت اللہ ہی کے سمجھانے سے سمجھتا ہے۔

اس تاریخی جائزے کے اختتام میں ہم اس فیصلے کا ذکر کرتے ہیں جو حضرت داؤد علیہ السلام نے ان دونوں فریقوں کے درمیان کیا تھا جس میں سے ایک کے ۹۹ دنبے تھے اور دوسرے کے پاس ایک دنبہ۔ قرآن میں یہ مقدمہ یوں آیا ہے۔

﴿ ۞ وَهَلْ أَتَىٰكَ نَبَؤُا۟ ٱلْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا۟ ٱلْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾ إِذْ دَخَلُوا۟ عَلَىٰ دَاوُۥدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ۖ قَالُوا۟ لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَٱحْكُم بَيْنَنَا بِٱلْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَٱهْدِنَآ إِلَىٰ سَوَآءِ ٱلصِّرَٰطِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ هَٰذَآ أَخِى لَهُۥ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِىَ نَعْجَةٌ وَٰحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِى فِى ٱلْخِطَابِ ﴿٢٣﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِۦ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلْخُلَطَآءِ لَيَبْغِى بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُۥدُ أَنَّمَا فَتَنَّٰهُ فَٱسْتَغْفَرَ رَبَّهُۥ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ﴿٢٤﴾ فَغَفَرْنَا لَهُۥ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُۥ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَـَٔابٍ ﴿٢٥﴾ يَٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلْنَٰكَ خَلِيفَةً فِى ٱلْأَرْضِ فَٱحْكُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ ٱلْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا نَسُوا۟ يَوْمَ ٱلْحِسَابِ ﴿٢٦﴾ ﴾ [ص : ۲۱-۲۶]

"پھر کیا تمہیں کچھ خبر پہنچی ہے ان مقدمہ والوں کی جو دیوار چڑھ کر اس کے بالا خانے میں گھس آئے تھے؟ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر گھبرا

گیا۔ انہوں نے کہا "ڈریئے نہیں ہم دو فریق مقدمہ ہیں جس میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ آپ ہمارے درمیان ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے۔ بے انصافی نہ کیجئے اور ہمیں راہ راست بتایئے۔ یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہی دنبی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ یہ ایک دنبی بھی میرے حوالے کر دو اور اس نے گفتگو میں مجھے دبا لیا"۔ داؤد نے جواب دیا۔ اس شخص نے اپنی دنبیوں کے ساتھ تیری دنبی ملا لینے کا مطالبہ کر کے یقیناً تجھ پر ظلم کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں۔ بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے اور عمل صالح کرتے ہیں اور ایسے لوگ کم ہی ہیں۔

(یہ بات کہتے کہتے) داؤد سمجھ گیا کہ یہ تو ہم نے دراصل اس کی آزمائش کی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گیا۔ اور رجوع کر لیا۔ تب ہم نے اس کا وہ قصور معاف کیا اور یقیناً ہمارے ہاں اس کے لئے تقرب کا مقام اور بہتر انجام ہے۔ (ہم نے اس سے کہا) اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کر اور خواہش نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں یقیناً ان کے لئے سخت سزا ہے کہ وہ یوم آخرت کو بھول گئے۔"

اب ہم عربوں کے اس زمانہ جاہلیت کا ذکر کرتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی وقفہ کا زمانہ شمار ہوتا ہے۔ اور جس کو "فترۃ" کہا جاتا ہے۔ اہل عرب

زمانہ جاہلیت میں اپنی مشکلات و اختلافات کے حل کے لئے بہت سے مصالحتی طریقے اپنائے ہوئے تھے۔ مثلاً کچھ نجومیوں کے پاس جاتے تھے۔ یہ نجومی فراست و قرائن سے حالات کا پتہ معلوم کرتے تھے۔ ان میں سے ایک اکثم بن صیفی بہت مشہور ہوا تھا اور کچھ عرب اپنے مقدمات کاہنوں کی طرف لے جاتے تھے ان کا خیال تھا کہ ان کاہنوں کا جنات سے تعلق ہے جیسے کہ سطیح الذئبی جو سطیح کاہن کے نام سے مشہور تھا۔

لیکن اکثر اوقات قبیلہ کے سردار سے ہی رجوع کیا جاتا تھا۔ وہ قبیلہ کے رسم و رواج کے مطابق فیصلہ کر دیتا یا پھر ایران و روم کے پڑوس کے رہنے والوں نے ان قوموں سے کچھ اصول سیکھ لئے تھے اور ان کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ اسی طرح کچھ عرب یہود و نصاری سے فیصلہ لیا کرتے تھے۔ حالانکہ خود ان کی کتابیں اللہ کے حکم کے ساتھ انسانی کلام کا مجموعہ بن چکی تھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں نہ کوئی مرتب قانون تھا نہ باقاعدہ عدالتی نظام۔ مقدمات تو بے شمار تھے۔ اور طرح طرح کے تھے مگر با اختیار اور ماہر قاضی تھے نہ ہی کوئی ایسی حکومت تھی جو ان فیصلوں پر عمل در آمد کراتی۔ ہاں قضاء کی مثالیں کہیں کہیں ملتی ہیں جیسے حلف الفضول کا واقعہ جس کا اثر مکہ تک محدود تھا۔ اور جو بعثت سے کچھ ہی عرصہ قبل پیش آیا تھا۔ عام طور سے اہل عرب کے نزدیک قضاء کا مطلب اپنی پسند کا حاکم مقرر کرنا تھا کہ قاضی مخالفین سے رضامندی طلب کرتا تھا اور ان کی مرضی پر موقوف تھا کہ اسے مان لیں یا انکار کر دیں۔

اسلام میں نظام قضاء

جب ظہور اسلام ہوا تو اس نے جس طرح عام زندگی میں کتاب و سنت کی اتباع کا مطالبہ کیا اسی طرح مقدمے کے فریقین اور قاضی کو مقدمات کے فیصلوں میں اللہ کے حکم کا پابند کیا۔ قضاء کا نظام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنے فیصلوں سے خود قاضی بن کر قائم کیا اور قضاء کے کام کو معاونین کے ذریعہ پھیلایا۔ اور حاکم کے لئے بھی یہی قاعدہ وضع کیا کہ وہ خود فیصلہ کرے یا قاضی

کرے۔ قضاء کے لئے ضمانات کو وضع کیا۔ یہ طے کیا کہ قاضی کو چاہئے کہ وہ ذاتی رائے یا اپنی خواہشات کے مطابق فیصلہ نہ دے۔ فیصلہ کے مقدمہ کے تمام مراحل پر پوری نظر رکھے۔ مخالفین کو اپنے حق کو ثابت کرنے اور دلیل پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔ اور اسی طرح قاضی کو بھی حقیقت حال کی چھان بین کا حتی المقدور موقعہ فراہم کیا جائے۔ اسلامی حکومت کے آغاز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم قضاء کا عمل بنفس نفیس سرانجام دیتے تھے یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سونپ دیتے تھے۔ جیسے حضرت علی بن ابی طالب ' معاذ بن جبل اور ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہم کو یمن کی طرف منصب قضاء پر متعین کر کے روانہ کیا۔ یہ امر خلفائے راشدین کے زمانہ مبارک تک ایسے ہی چلتا رہا اور نظام قضاء خلافت کی ذمہ داریوں میں شمار کیا گیا اور دار الخلافت میں خلیفہ ہی لوگوں کے مقدموں کا فیصلہ کرتا تھا۔ اسی طرح اور دوسرے امراء اپنے اپنے شہروں میں یہ عمل بھی سرانجام دیتے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب کہ شہر بہت پھیل گئے تھے اس لئے قاضیوں کو مستقلا اس منصب کے لئے متعین کیا جانے لگا۔ مثال کے طور پر مدینہ منورہ میں ابوالدرداء ' کوفہ میں قاضی شریح کو اور بصرہ میں ابوموسی اشعری کو قاضی مقرر کیا گیا۔

اسی طرح خلیفہ یا امیر کے منصب کے ساتھ ساتھ قضاء کے لئے بھی باقاعدہ اشخاص کے متعین کرنے کا عمل اس دور میں شروع تو ہو گیا تھا مگر یہ نظم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اپنی پوری شکل میں سامنے آیا۔ قضاء کا طریقہ کار وہی رہا جو خلفاء راشدین کے دور میں تھا۔ یعنی احکام کو براہ راست کتاب و سنت سے اخذ کیا جاتا تھا۔ قاضی کتاب و سنت کے علاوہ علماء کے اقوال ' اجماع پر اعتماد کرتا تھا۔ کیونکہ اس وقت تک فقہی مذاہب ظاہر نہیں ہوئے تھے۔

عباسی خلیفہ ہارون الرشید وہ پہلا مسلم حکمران ہے جس نے قضاء کی تنظیم کو وزارت عدل کے منصب کے تحت ایجاد کیا۔ جس کا رواج اور ملکوں میں بھی تھا۔ ہارون الرشید خود ہی قاضیوں کا تقرر کرتا اور ان کے معاملات پر نظر رکھتا۔ اور ابو یوسف کو قاضی بنا کر انہیں قاضی القضاۃ

(Chief Justice) کا لقب دیا اور قاضیوں کے تمام امور ان کے سپرد کر دیئے۔ جن کو وہ براہ راست دیکھتے تھے۔ نظام حکومت میں جو کمزوری اور بگاڑ آیا اس سے نظام قضاء بھی' بری طرح متاثر ہوا۔ جس کا بنیادی سبب نئی نئی خود مختار ریاستوں کا قیام اور الگ الگ فقہی مسالک سے وابستگی تھی۔

عالم اسلامی کا دائرہ جتنا ہی وسیع ہوا اسی طرح قضاء کا نظام بھی پھیلتا گیا اور شریعت اسلامیہ کی تنفیذ کا ذریعہ بنتا رہا۔ مگر جب تاتاری فتنے نے عالم اسلام کا رخ کیا اور عسکری لحاظ سے ملک کو تہ و بالا کر دیا تو اس کا اثر شریعت کی قانونی بالا دستی پر بھی پڑا اور چنگیز خان کے دور کی مرتب کتاب "الیاسہ" (Alyasa) سے رہنمائی لی جانے لگی جو مختلف مذاہب کی تعلیمات سے اپنی پسند کا انتخاب تھا۔ جب علماء نے یہ دیکھا تو انہوں نے بہت شدت سے اس کا انکار کیا۔ مملوک خاندان شراکسہ Sharakesa کا مصر پر غلبہ ہوا اور حکومت میں ان لوگوں کی اکثریت ہوئی تو انہوں نے شریعت کے ساتھ تاتاری قوانین پر فیصلے کرنے شروع کر دیئے۔

مورخین کا کہنا ہے کہ مصریوں نے (الیاسہ) کا لفظ بدل دیا اور اس کے شروع میں (س) لگا دیا۔ اس طرح (الیاسہ) سے (سیاسہ) بن گیا اور جس مجموعہ کو چنگیز خان نے برقرار رکھا تھا' اس کو سیاست کا نام دے دیا اور یہ اسلامی شریعت کے احکام کی پہلی مرتبہ بے حرمتی کی کوشش تھی۔ جب عثمانیوں نے مصر فتح کیا تو احکام شریعت پر عمل دوبارہ شروع ہوا لیکن جیسے ہی سلطنت عثمانیہ کمزور ہوئی معاملہ پھر پہلی حالت پر لوٹ گیا۔ ایسے راستے نکالے گئے جن سے کچھ لوگ شریعت کی تعمیر سے بچتے اور شریعت اسلامیہ پر ضرب لگتی اور جس کا اثر نظام قضاء پر بھی پڑا۔ یہاں تک کہ اس میں خود ساختہ قوانین کا بھی عمل دخل ہو گیا۔ تیرھویں صدی ہجری سلطنت عثمانیہ کا آخری زمانہ تھا اس وقت تک قضاء میں غیر اسلامی قوانین اس حد تک داخل ہو چکے تھے کہ سزا کا قانون فرانسیسی قانون سے ماخوذ تھا جو کہ شرعی حدود سے بالکل مختلف تھا۔

اموی اور عباسی خلافت کے زمانے اور خلافت عثمانیہ کے شروع میں شرعی قاضی ہی عام طور پر

عام عدالتوں کی تشکیل دیا کرتے تھے۔ پھر حکومت کی کمزوری 'غیر ملکی دخل اندازی اور با اثر طبقات کی رعایت کرتے ہوئے سفارتی کورٹس بنائی گئیں جو بعد میں عرب ممالک میں ملے جلے قانون کی عدالتوں میں تبدیل کر دی گئیں۔ پھر انیسویں صدی عیسوی میں سلطنت عثمانیہ نے اپنے صادر کردہ قوانین کی اجراء کے لئے محاکم نظامیہ (لیگل کورٹس) بنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ سن ۱۸۴۰ء میں تعزیری امور اراضی اور حد بندی کے مقدمات کو قضاء شرعی یعنی شرعی عدالتوں سے الگ کر دیا گیا۔ پھر باقی تمام شہری اور تجارتی امور کے مقدمات کو بھی الگ کر دیا گیا۔ اس طرح شرعی قضاء کا دائرہ عمل مسلمانوں کے شخصی امور اسلامی (۱) تک رہ گیا۔ جب کہ غیر مسلموں کے لئے ان کے شخصی قانون کے مقدمات چرچ کے زیر انتظام عدالتیں سنتی تھیں۔

تیرھویں صدی ہجری کے وسط میں ایک اور سنگین موڑ آیا کہ جب عرب ممالک بلکہ تمام عالم اسلام میں قضاء کے جدید دور کا آغاز ہوا جس میں حدود شرعیہ کے احکام کو معطل کر دیا گیا اور خود انسان کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ کیا جانے لگا۔

یہ باعث مسرت ہے کہ اس وقت عالم اسلام میں اسلامی بیداری کی لہر ابھر رہی ہے۔ وہ اپنے اوراق کی ترتیب کو لوٹا رہا ہے۔ خاص طور پر تشریعات اور فکری و دینی انقلاب کی طرف قدم اٹھ رہے ہیں اور پھر سے اسلام کی طرف واپسی کی تدبیریں ہو رہی ہیں۔ اور اس کا اثر اسلامی قانون کی طرف واپسی میں بھی ظاہری طور پر سامنے آ رہا ہے۔ جس سے امت کی دینی وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے اور اسی طرح سے یہ امت اپنی سیاسی آزادی کے ساتھ فکری آزادی حاصل کر سکتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بیشتر اسلامی ملکوں میں یہ کام ابھی ابتدائی شکل میں ہے اور ابھی قانون سازی کے

۱۔ یہ ایک جدید اصطلاح ہے جس کا اطلاق نکاح و طلاق کے احکام سے ہے اور پھر ان سے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں جیسے۔ خرچہ بچے کی پرورش اور عدت و میراث وغیرہ اور اس کے علاوہ تمام امور جو انسان کی پرائیویٹ زندگی سے متعلق ہیں اور اس کے دوسروں سے تعلقات کے متعلق ہیں۔

اولین مرحلے میں کمیٹیاں بنائی گئیں ہیں جو موجودہ قوانین کو اسلامی شریعت کے مطابق بنانے کا جائزہ لیں گی اور نئے قوانین اس طرح تجویز کریں گی کہ وہ اسلام سے متصادم نہ ہوں۔ عرب ممالک کی سطح پر یہ کام عرب لیگ کا شعبہ قانون انجام دینے کے لئے تمام عرب ممالک کے لئے یکساں مالی قوانین کی تیاری میں لگا ہوا ہے جو شریعت سے ہم آہنگ ہوں اور اسلام کے مقاصد کے مطابق ہوں۔ اسی طرح عرب وزرائے عدل کی طرف سے ایسی کمیٹیاں تشکیل دی گئی ہیں جو عرب ممالک کے قوانین کو شریعت کے مطابق بنانے میں حصہ لیں گی۔

بہرحال ضروری بات یہ ہے کہ یہ کوششیں اسلام کے وضع کردہ اصول اجتہاد کے اندر رہ کر ہوں تاکہ کتاب و سنت کی روح کے مطابق موجودہ حالات میں نئے انداز سے قانونی دفعات تیار کی جا سکیں۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ یہ کوششیں اسلام کی صحیح خدمت نہ کر سکیں گی۔

پہلا باب

مملکت کے زمانہ آغاز میں قضائی تنظیم

مملکت سعودیہ کے قیام سے ہی شاہ عبدالعزیز نے قضائی نظام میں دلچسپی لی اور شخصی احوال' سول(civil)اور فوجداری اور اس کے تحت سب امور کو شامل کر کے شریعت اسلامیہ کے اصول کو نافذ کیا۔ حکومت نے مختلف نوعیت کی مرحلہ وار عدالتیں قائم کیں اور اپنے فرمانوں کے ذریعہ عدالتوں کی تشکیل اور ان کے طریقہ کار کو مرتب کیا۔ جن کی خصوصیات اور قانونی دائرہ کار اور تنظیم سازی کے اسلوب پر ہم اگلی بحث میں تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔

صوبہ حجاز (مغربی علاقہ) صوبہ عسیر اور مشرقی ساحلی علاقے میں نظام قضاء

خلافت عثمانیہ نے تیرھویں صدی ہجری میں جو انتظامی اور عدالتی اصلاحات کی تھیں اور جن کو بیشتر ملکوں میں نافذ کیا تھا وہ جزیرہ عرب میں مکمل طور سے نافذ نہ کی گئی تھیں اور بلاد مقدسہ میں سابقہ نظام ہی بحال رہا۔

قاضی حضرات آزاد تھے کہ مذاہب اربعہ میں سی کسی ایک کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔(ا) حجاز میں ان دنوں شافعی مذہب بڑا مذہب تھا اور سلطنت عثمانیہ کا سرکاری مذہب حنفی تھا۔ اور چیف جسٹس یعنی قاضی القضاۃ بھی حنفی ہوتا تھا۔ البتہ اس کے نائب و مددگار چاروں مذاہب سے لئے جاتے تھے۔ قاضی القضاۃ کا تقرر عثمانی سلطنت کے فرمان سے عمل میں آتا۔ اور اسی طرح دیگر صوبوں کے قاضی بھی سلطان (عثمانی) کے حکم سے متعین کئے جاتے' بعض دوسرے قاضیوں کو قاضی القضاۃ خود متعین کرتا تھا۔

ا۔ خیرالدین الزرکلی۔ شبہ الجزیرہ فی عہد الملک عبد العزیز صفحہ ۲/۴۳۲
اور دیکھئے فواد حمزہ۔ البلاد السعودیہ صفحہ ۱۹۶

شاہ عبدالعزیز کی حکومت کے ابتدائی دور میں نظام قضاء کی صورت حال

حجاز اور سرزمین عسیر و احساء میں نظام قضاء ترقی یافتہ تھا۔ عدالتوں کے طریقہ کار اور مقدمات کی کارروائیوں میں عثمانی نظام قضاء کا یہاں بہت گہرا اثر ہوا تھا۔ مگر عدالتی کارروائیاں عام طور پر طویل اور آہستہ ہوتی تھیں۔ پھر اس پر مزید اس کے بعض محافظین کے ضمیروں کی کمزوری اس کو متاثر کرتی تھی۔ باب عالی کی طرف سے عثمانی خلافت میں یہ مقرر کیا گیا تھا کہ چیف جسٹس حکم کے لئے ایک مدت متعین کرے گا اور خود مکہ آ کر عدلیہ کی نگرانی کرے گا۔ تاکہ نظام عدالت خود مختار رہے اور حکومتی اثر سے متاثر نہ ہو اور قاضی کے فیصلوں میں کسی امیر کا عمل دخل نہ ہو مگر یہ مقصد عظیم کم ہی حاصل ہو سکا اور اکثر قاضی شریف مکہ کے ہاتھوں میں آلہ کار بن کر رہ گئے بلکہ اکثر فیصلوں سے قبل قاضی کو تحفے تحائف بھیجے جاتے تھے۔(۱)

دوسری جانب قبائلی نظام بھی چل رہا تھا۔ قبائلی لوگ اپنے علاقوں میں اپنے اسی سابقہ نظام اور رسم و رواج پر عمل کرتے تھے جو ان کے یہاں چلے آ رہے تھے۔ چنانچہ جب شریف حسین نے خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کی تو اس نے تمام عثمانی قوانین کو کالعدم قرار دے دیا اور جو قبائلی نظام چلا آ رہا تھا۔ اسی کو بنیاد مان کر بدؤں کے معاملات کو اس کی روشنی میں حل کرنا شروع کر دیا۔

اسی طرح شاہ عبدالعزیز کی حکومت کے ابتدائی دور میں نظام قضاء کی صورت حال کچھ یوں تھی۔

۱۔ نظام عدلیہ عثمانی نظام قضاء سے بہت گہرا اثر لے چکا تھا۔ شہروں میں حنفی مذہب کو باقی مذاہب پر فوقیت حاصل تھی۔ جب کہ غیر شہری علاقوں میں شافعی مسلک کا اثر تھا۔

۲۔ قضاء کا طریقہ کار قبائلی طرز پر تھا۔

۳۔ اور اس کے نتیجے میں عدلیہ میں دائرہ کار کی تحدید اور ایک دوسرے سے مختلف فیصلوں کا مسئلہ پیدا ہوا یا یہ ہوا کہ فریق کسی قاضی مذہب کے پیرو قاضی سے فیصلہ چاہتے تو اس کی وجہ سے فیصلے اس

۱۔ حافظ وھبہ جزیرۃ العرب فی القرن العشرین ۱۰۱۔۱۰۶

وقت تک ملتوی رہتے جب تک کہ عدلیہ سے توثیق نہ ہوتی۔ لہٰذا شاہ عبدالعزیز نے ضروری سمجھا کہ وہ ایک یکساں نظام عدل و انصاف قائم کریں جو اسلام کے اصولوں پر مبنی ہو اور سب کے لئے قابل قبول بھی ہو۔ مگر حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ موجودہ نظام کو یک لخت ختم نہ کیا جائے اس لئے اس پر نظر ثانی کا کام اس مجلس شوریٰ (المجلس الاھلی) کے سپرد کر دیا گیا جو ۱۳۴۴ ہجری میں مکہ المکرمہ میں قائم کی گئی تھی۔ اس کے بارے میں فرمان جاری کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ عدالتوں کے نظام میں غور و فکر اس مجلس کے دائرہ اختیارات میں ہے۔ اور مجلس کا کام نظام محاکم کو ایک ایسی شکل میں مرتب کرنا ہے جو عدل و انصاف کو ادا کرنے کی ضمانت دے اور شرعی احکام کی ایسی تطبیق ہو کہ ذاتی خواہشات کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہے۔(۱)

حجاز میں جو کچھ ہو رہا تھا اس پر عالم اسلام کی گہری نظر تھی اور اس کا اندیشہ تھا کہ فوری تبدیلی کا سخت عالمی رد عمل ہو گا۔ اس کو سامنے رکھتے ہوئے بھی بتدریج اصلاح کا اقدام ضروری تھا۔(۲) داخلی سطح پر معاملہ یہ تھا کہ ملک کے اندر اس وقت دو بالکل مختلف نقطۂ نظر سامنے آ رہے تھے۔ اہل حجاز کے دلوں میں اس نظام عدل نے اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں اور شہروں میں سکونت پذیر اس نظام کے عادی تھے اس لئے وہ اس کو باقی رکھنے کے حامی تھے۔ جب کہ دوسری طرف شاہ عبدالعزیز کے اخوان کہلانے والے پیرو کاروں کا مطالبہ تھا کہ عام عدالتی تنظیموں کو کالعدم قرار دیا جائے۔ اور اس میں کسی مصلحت کی قطعاً پروانہ کی جائے۔ یہ اندرونی رد عمل بیرونی رد عمل سے بہت اہم تھا۔

عالم اسلام تو صرف ایک رد عمل ظاہر کر سکتا تھا مگر کسی عملی اقدام کی حالت میں نہ تھا کیونکہ وہ خود اس پوزیشن میں نہ تھا کہ وہ خواہش سے زیادہ کچھ کر سکے۔ مغربی تسلط نے اس کو معطل کر رکھا تھا جب کہ اخوان کو ناراض کرنے سے ملکی کاموں پر اثر پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ اس اندرونی رد عمل کو مد نظر

۱۔ ام القری نمبر ۱۶۳۲ ا ۱۳۴۴ ہجری بمطابق ۸-۸-۱۹۲۵

۲۔ سلیم التنظیم القضائی فی المملکہ۔ صہ ۵

رکھتے ہوئے شاہ عبدالعزیز نے خود فیصلہ کرنے کی بجائے اسے علماء کی مجلس کے حوالے کر دیا۔ علماء نے ۸ شعبان ۱۳۴۵ ہجری بمطابق ۱۱ فروری ۱۹۲۷ کو ایک فتوے کے ذریعے یہ فیصلہ دیا (۱) کہ حجاز میں عام مروجہ قانون میں سے صرف وہ احکام باقی رکھے جائیں جو شریعت سے ثابت ہیں۔ اس طرح اخوان کی سخت مخالفت کے باوجود وہی نظام حسب سابق چلتا رہا کیونکہ اس میں خلاف شریعت عنصر تھا ہی نہیں۔ یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ ہم ان قوانین میں فرق کرتے ہیں جو مصالح مرسلہ پر قائم ہوتے ہیں یعنی جن کے بارے میں شریعت میں کوئی نص نہ تھی اور جن کی کتاب و سنت یا اجماع سے کوئی ایسی دلیل موجود نہ تھی جو اس مسئلہ کے جواز میں یا مخالفت میں ہو مگر شریعت کی عام روح اس کے حق میں ہو۔ ان قوانین کو خلاف اسلام نہیں کہا جائے گا۔ جب کہ وہ قوانین جو خلاف شریعت ہوں تو انہیں شریعت سے تجاوز سمجھا جائے گا' پہلے کا تعلق شرعی سیاست سے ہے جب کہ دوسرا کتاب و سنت کے مخالف ہے۔ پہلا قانون محض مصلحتی امور سے وابستہ ہے جس کے لئے ایک اصطلاح ہے اور جس کا شرعی سیاست کے احکام سے پتہ لگایا جا سکتا ہے جب کہ دوسرا شرعی احکام سے خروج ہے۔

پہلی قسم کا تعلق معاشرہ کی فلاح و بہبود کے قواعد عامہ سے ہے (۲) اور اسی طرح وہ عدالتی احکام جو کسی موضوع سے متعلق یا زمانہ کے اعتبار سے ہوں یا نظام عدالت سے متعلق ہوں یا قضاء کو درجوں میں متعین کرنے یا مثال کے طور پر قاضی حضرات کو کسی پرانے مقدمہ کی سماعت سے روکنے سے متعلق ہوں جس کو بعد کے فقہاء "سابقہ طے شدہ مسائل" کے نام سے یاد کرتے ہیں یا وہ کارروائیاں جن کا تعلق خاص حقوق سے ہو۔ مثلاً غیر منقول جائداد کا قانون جو ملک میں بیرونی لوگوں کے حق ملکیت کو ممنوع قرار دیتا ہے یا مثال کے طور پر غیر منقولہ جائداد کی رجسٹریشن کے ضابطے یہ

۱۔ حافظ وہبہ جزیرہ العرب فی القرن العشرین صہ ۳۰۰

۲۔ مصطفیٰ احمد الزرقاء 'المدخل الفقہی العام ۱-۱۰۱

سب امور تنظیمی و اصلاحی مقاصد کے لئے تھے اور ایسے بے شمار امور سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان سے ہر دور میں واسطہ رہتا ہے اور ان امور میں مصلحت کی پاسداری خلاف شرع نہیں ہے۔ (۱)

رہے وہ قوانین جو شریعت اسلامیہ کے بالکل متعارض تھے تو ایسے قوانین کا مطلق وجود نہ تھا کیونکہ مکہ مکرمہ نزول وحی کی جگہ تھی اور اسلام اس کی گود میں پلا تھا۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہاں کے عدالتی نظام میں اسلام کے خلاف کوئی قانون رواج پا سکتا۔

اس لئے وہاں کے نظام عدالت کے تمام قوانین شریعت کے مطابق اور صحیح بنیادوں پر بنے تھے۔ جنہیں شریعت اسلامیہ سے لیا گیا تھا۔ ہم آغاز گفتگو میں اس طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ دوسرا شاہ عبدالعزیز کیسے اجازت دے سکتے تھے کہ قرآن و سنت کو چھوڑ کر دوسرے اصولوں پر قوانین بنے ہوں اور وہ اس پر عمل کرنے دیں۔ وہ تو ایسے مرد مومن تھے کہ انہوں نے ام القری اور اس کے ارد گرد بسنے والوں کے لئے اپنے پہلے منشور میں یہ بات تاکید سے واضح کر دی تھی کہ قرآن و سنت کے براہ راست احکام یا قیاس و اجماع سے استنباط ہونے والے قوانین ہی قانون سازی کا سرچشمہ ہوں گے۔ (۲)

مکہ مکرمہ کی عدلیہ کے لئے صادر ایک فرمان عالی نمبر ۱۱۲۶ بتاریخ ۷ ر ۲ ر ۱۲ ر ۱۳۴۵ ہجری میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے۔ جس کی عبارت درج ذیل ہے:۔

عہد عثمانی کے جائداد سے متعلق قوانین پر عمل درآمد جاری ہے کیونکہ ابھی تک ہم نے ان کو نہ تو کالعدم قرار دیا ہے نہ ان کی جگہ نئے قوانین وضع کئے ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کے ذریعہ قضاء کے

۱۔ ابن القیم اعلام الموقعین ۴۔۲۷۳۔۴۷۳ اور الطرق الحکمیہ ۱۲۔ ۱۵

۲۔ ام القری ۱۵۔۵۔۱۳۴۳ ہجری بمطابق ۱۲۔۱۲۔ ۱۹۲۴ء

محکمہ کے علم میں یہ بات لانا چاہیں گے کہ وہ غیر ملکیوں کو جائداد کی فروخت نہ ہونے دیں اور ایسے جاری معاملات کو یہیں پر روک دیں۔ جن معاملات پر پہلے ہی فیصلہ دیا جا چکا ہے وہ پوری تفصیلات کے ساتھ ہمارے سامنے لائے جائیں کہ وہ زمین کہاں ہے اس کے مالکان کا نام کیا ہے۔ کب اس کو خالی کیا گیا تو ہم ان کے بارے میں الگ سے طے کریں گے۔

عدالتوں میں جو قوانین وضع کئے گئے تھے وہ شریعت کے مطابق تھے۔ شاہ عبدالعزیز نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا تھا کہ شرعی عدالت کسی متعین مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند نہیں بلکہ اس کا فیصلہ مناسب رائے پر ہو گا۔ کسی مذہب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس موضوع کے بارے میں ایک اور موقع پر انھوں نے کہا ہم کسی ایک مذہب کے پابند نہیں ہیں۔ جس مذہب کے لئے مضبوط دلیل مل جائے تو ہم اس کی طرف رجوع کریں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ ہاں اگر ان مذاہب میں کوئی مضبوط دلیل نہیں ملتی تو پھر ہم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے قول کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ آپ دیکھ لیں عقیدہ طحاویہ نامی کتاب اور اس کی شرح حنفی عالم کی لکھی ہے۔ اور تفسیر ابن کثیر جس کو لکھنے والا شافعی ہے اور ہم ان تمام کتابوں کو بغیر تعصب کے پڑھتے ہیں۔(۱)

۱۔ ام القریٰ نمبر ۴۸۴ ۸-۱۲-۱۳۵۲ ہجری بمطابق ۴۴-۴-۱۹۳۴ء

پہلا موضوع

عدالتی نظام کی تشکیل اور عدالتوں کے دائرہ اختیار کی حد بندی

شاہ عبدالعزیز نے عدلیہ کو اس کے حال پر رہنے دیا تھا۔ اور سوائے مکہ کے قاضیوں کے تعین کی عارضی تشکیل کے کچھ صادر نہ فرمایا۔ شروع ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۶ء میں صرف ایک فرمان جاری کیا تھا۔ جس کا مقصد مکہ میں قاضیوں کی عارضی تشکیل تھا اور اصل توجہ اس پر تھی کہ ایسا عدالتی نظام سامنے لایا جائے جو مملکت کے لئے یکساں طور پر نافذ ہو اور مملکت کی تمام عدالتیں اس نظام کے تحت ہوں۔ چنانچہ اس سلسلے کا پہلا قدم اس وقت اٹھایا گیا جب ۶ صفر ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۳ اگست ۱۹۲۷ء کو عدالتوں کی تشکیل کے سلسلہ میں ایک شاہی فرمان جاری ہوا جس میں حجاز کی عدالتوں کو تین درجوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

اول : فوری امور کی عدالتیں۔ سمری کورٹس

دوم : عدالت عالیہ۔ ہائی کورٹ اور اس سے وابستہ عدالتیں۔ یہ دونوں "محاکم عامہ" کے نام سے موسوم ہیں۔

سوم : محکمہ اپیل یا سابقہ فیصلوں پر نظر ثانی کی عدالت (محکمہ نقض و ابرام) شاہی فرمان کے مطابق ان عدالتوں کے دائرہ کار میں یہ امور شامل ہیں۔

مکہ مکرمہ کی عدالتیں

الف : پہلی سماعت کی عدالت ایک جج پر مشتمل ہو گی۔ اس کے دائرہ اختیار میں ان مقدمات کی سماعت تھی جو مجرمانہ زیادتیوں تعزیرات اور ان حدود کے متعلق ہوتے تھے۔ جن میں کسی عضو کا کاٹنا یا قتل کرنا تھا۔ اسی طرح وہ ان مالی مقدموں کو لے سکتی تھی جن کی مالیت تیس پاؤنڈ سے زیادہ نہ ہو۔

بعد میں یہ رقم تین سو ریال کی گئی۔ اس کے احکام پر نظر ثانی کو اس وقت تک قبول نہ کیا جائے گا جب تک کہ وہ نص شرعی یا اجماع کے مخالف نہ ہو۔ پھر اسی قانون کو مزید بہتر بنایا گیا۔ اور فوری امور کی عدالتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مقدمے میں ہارے فریق کے عدم اطمینان کی صورت میں اپنے جاری کردہ فیصلہ کو اس کمیٹی میں بھیجے جو عدالتی فیصلوں کی نگرانی کے لئے قائم ہے۔

ب : **فوری امور کی عدالت - درجہ دوم** : یہ بھی ایک ہی جج کے تحت کام کرتی ہے۔ جو امور بدوؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ عدالت ان پر غور و فکر کرے گی۔ اس کا دائرہ اختیار بھی پہلی فوری امور۔ درجہ اول کی عدالتوں کی طرح ہوتا ہے۔ ہاں غیر منقولہ جائیداد کے مقدمات اس کے دائرے میں نہ آتے تھے۔ کیونکہ عدالت عالیہ ہی ان کی سماعت کر سکتی تھی۔

ج : **عدالت عالیہ یا ہائی کورٹ** : یہ تین ججوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک ان کا سربراہ ہوتا ہے وہ مقدمات جو فوری نوعیت کی عدالتوں کے دائرہ کار سے باہر ہوتے ہیں یہ عدالت ان کی سماعت کرتی ہے۔ یہ جائیداد و مال کے وہ مقدمات ہوتے ہیں جن کی مالیت تین سو ریال سے زائد ہوتی ہے۔ فوجداری مقدمات فوری نوعیت کی عدالت کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔ اسی طرح پرسنل لا کے مسائل ' شادی اور طلاق کے مقدمات سرپرست کی تقرری اور وقف وغیرہ کی رجسٹریشن اس میں شامل ہے۔ دعووٰں کو ججوں پر بانٹ دیا جاتا ہے تاکہ ہر ایک انفرادی طور پر اس میں سوچ بچار کرے۔ پھر اس کے حکم صادر کرنے سے قبل سب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ عام مقدمات میں فیصلہ اتفاق سے یا اکثریت سے ہوتا ہے جب کہ قطع ید' قتل ' رجم کے مقدمات میں عدالت کی جیوری کا شروع سے موجود رہنا ضروری ہے۔

جدہ اور مدینہ منورہ کی عدالتیں

الف۔ **سرسری سماعت کی عدالت** : فوری نوعیت کی یہ عدالت ان دونوں شہروں (یعنی جدہ و مدینہ)

کے لئے ایک ایک قاضی پر مشتمل ہو گی۔ اس کے وہی اختیارات ہوں گے جو مکہ کی درجہ اول اور درجہ دوم کو حاصل تھے۔

ب - شرعی عدالت عالیہ (شرعی ہائی کورٹ) : اس کے لئے بھی ان دونوں شہروں (جدہ و مدینہ) میں ایک ایک قاضی اور اس کا نائب مقرر ہو گا۔ یہ ان دعووں میں فیصلہ کریں گے جو فوری نوعیت کی عدالت کے دائرہ عمل سے خارج ہوں گے۔ مگر جو مقدمات "تجارتی کونسل" کے دائرہ عمل میں ہوں گے وہ اس سے مستثنیٰ تصور کئے جائیں گے۔

اس کے فیصلے ملک کے قاضی اعلیٰ کی منظوری کے بعد ہی نافذ کئے جائیں گے اور وہ مقدمات جس میں قطع ید قتل یا رجم کا فیصلہ ہو رہا ہو وہ چیف جسٹس اور محکمہ برائے اپیل و نظرثانی کے سامنے پیش ہوں گے۔ پھر سن ۱۳۴۷ھ میں صادر فرمان شاہی کے ذریعے ایک تبدیلی کی گئی۔ جس کے مطابق متعین قاضی کا ہر حکم فوری نافذ العمل ہو جائے گا۔ سوائے سرکاری محکموں کے خلاف زیادتی قتل، قطع ید اور رجم کے مقدمات کے کہ ان پر منظوری ضروری ہو گی۔ اور باقی تمام مضافات میں ایک ہی قاضی تمام معاملات کو سرانجام دے گا۔ اور شاہی فرمان کے مطابق مضافات یہ ہیں:۔

-ینبع، طائف الوجہ، املج اور لیث اور ان جیسے باقی مضافات بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں۔

چہارم۔۔ محکمہ برائے نگرانی عدالتی امور

یہ ایک رئیس معاون اور تین ججوں سے تشکیل پاتا ہے۔ جن کو شاہ عبدالعزیز بڑے علماء میں سے انتخاب کرتے تھے، اس وقت مکہ المکرمہ شاہ کے نائب کی قیام گاہ تھا اور یہ حجاز کا سب سے اہم شہر بھی ہے۔ لہٰذا محکمہ کا دفتر یہیں قائم کیا گیا۔ اس محکمے کے اختیارات بہت وسیع ہیں۔ یہ ان تفصیلات اور احکام کی نظرثانی کرتا جن سے محکوم علیہ مطمئن نہ ہوتا ہو اور حدود (قطع ید، قتل اور رجم) کے فیصلے نیز وہ تعزیرات جنہیں مکہ کی عدالتوں نے صادر کیا ہو اور اسی طرح باقی محاکم کی طرف

سے قطع ید اور قتل وغیرہ کے فیصلوں کی چھان بین کرنا۔ ان کی تائید کی صورت میں صادر شدہ فیصلے کو قطعی حکم کا درجہ حاصل ہو جاتا اور اگر ان میں نظر ثانی کی گنجائش ہوتی تو انہیں واپس انہیں محاکم کی طرف لوٹا دیا جاتا تاکہ وہ عدالت مقدمہ کا پھر سے جائزہ لے۔ شاہی فرمان کے مطابق یہ محکمہ اعتراض کی صورت میں دلائل پیش کرے گا۔ اور اگر اس کا حکم اکثریت سے صادر ہوا ہے تو پھر مخالف آراء کا اندراج بھی ضرور کیا جائے گا۔

یہ محکمہ ان کے علاوہ ان مندرجہ ذیل امور کو بھی سرانجام دے گا۔

ا۔ عدالتوں کی تنظیمی نگرانی اور ان کی جانچ پڑتال کرنا۔

جیوری کا سربراہ اپنے منصب کے لحاظ سے حکومت اور عدالتوں کے درمیان رابطے کی کڑی کی مانند ہوتا ہے۔

ب : ان مسائل میں فتویٰ دینا جن کو شرعی عدالتوں میں نظر ثانی کے لئے نہیں بھیجا جاتا۔

ج : تعلیم اور نصابی کتابوں کی نگرانی اور ان کو شرعی تعلیم کے ساتھ مربوط کرنے پر نظر رکھنا۔

د : امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اداروں کی نگرانی کرنا تاکہ وہ اپنی شرعی حیثیت سے تجاوز نہ کریں۔

محکمہ برائے نگرانی امور عدالت کو اس وقت (۱۳۵۷ھ بمطابق ۱۹۳۸ء) ہیئہ التدقیقات الشرعیہ (شرعی چھان بین کا بورڈ) کا نام دیا گیا تھا۔ اور اس کی تشکیل یوں قرار پائی کہ ان میں ایک رئیس القضاۃ (سربراہ) اور اس بورڈ کے چار دوسرے نمائندے ہوں گے' اس کے اختیارات میں قاضیوں کے محاسبے کے ساتھ ساتھ احکام کی چھان بین بھی ہوگی۔

پنجم۔ تجارتی کونسل

ان عدالتوں کے علاوہ کچھ اور ایسی خصوصی عدالتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ جنہیں تجارتی کونسل کہا جاتا ہے۔ سن ۱۳۴۵ھ بمطابق ۱۹۲۶ء کو جدہ میں اسی ایک کونسل کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس کا کام

ان مقدمات کو سننا اور ان پر غور و فکر کرنا تھا جو تاجروں کے درمیان پیش آتے ہیں۔ نیز ایسے تجارتی و بحری معاملات جن میں جلد فیصلہ درکار ہوتا ہے۔ اس کے دائرے میں آتے ہیں۔ اس مجلس کی تشکیل ایک سربراہ اور چھ دوسرے نمائندوں سے ہوتی ہے۔ آدھے نمائندے اعزازی ہوتے اور آدھے ایسے لوگوں سے منتخب کیے جاتے جنہیں تجارتی معاملات سے مکمل آگاہی حاصل ہوتی اور جو دین داری عزت و شرف اور استقامت میں مشہور ہوتے اور ایک رکن جو شرعی امور کا ماہر ہو ان کے ساتھ ضرور رکھا جاتا۔ ان سب کو شاہ عبدالعزیز دو سال کی مدت کے لئے نامزد فرماتے۔ تیس سال سے زیادہ عمر کے اشخاص کی دو سال کی مدت گذرنے کے بعد تجدید یا دوبارہ نامزدگی بھی کی جا سکتی تھی۔ کونسل کے فیصلوں کو اکثریت سے منظور کر لیا جاتا۔ اور فیصلے کی تاریخ سے تیس دن کے اندر اس کے خلاف اپیل کی جا سکتی تھی۔

اس نظام کے مطابق "اپیل" کو "عارضی طور پر" بادشاہ کے نائب عام کے واسطے سے اور دوسرے علاقوں میں محکموں کے واسطے سے مجلس شوری کو پیش کیا جاتا۔

ششم۔ مجلس ادارہ ینبع

ینبع میں بندرگاہ ہونے کے باعث ایک مجلس (تجارتی کونسل) وہاں بھی وجود میں آئی تھی۔ جو قاضی شہر مشیر برائے مالی امور اور امیر علاقہ کے تحت چند ممبروں پر مشتمل تھی۔ اور تجارتی کونسل کے تمام معاملات کو بجا لائی تھی۔ اس کے احکام کے خلاف اپیل جدہ کی تجارتی کونسل میں کی جا سکتی تھی۔

تجارتی کونسل جدہ اور ینبع کا اب کوئی عدالتی کردار قابل ذکر نہیں ہے کیونکہ انہیں ان اداروں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ جنہیں آج کل محکمہ برائے انسداد تجارتی تنازعات (هيئات حسم المنازعات التجاريه) کا نام دیا گیا ہے۔ ہم ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں اس کا ذکر کریں گے۔

ہم اس سے یہ نتیجہ حاصل کرتے ہیں کہ نظام سعودی نے جو کچھ اس میدان میں حاصل کیا وہ

کچھ یوں ہے:۔

پہلا نظام قضاء کی تیاری کے لئے قاضیوں کا نظام اپنایا۔

دوسرا فیصلہ اکثریت رائے یا اتفاق رائے سے کرنے کا اصول۔

تیسرا ایسے افراد کا تقرر جنہیں نائبین قاضی کہا گیا ہے۔

چوتھا عدالتوں کی تعین و درجہ بندی اور اشخاص کی قابلیت کی حد بندی۔

پانچواں خصوصی عدالت کے نظام کا اختیار کرنا۔

چھٹا محکمہ اعلیٰ (Supreme court) میں اپیل کرنا۔

ہم ان امور کو ان کی مناسب جگہ پر پیش کریں گے۔ اس بات کے اختتام پر اس امر کا جاننا باقی رہ گیا ہے کہ یہ تشکیل منطقہ حجاز کے ساتھ خاص ہے۔ جیسے کہ ظاہر ہے پھر اس کے بعد تمام منطقہائے مملکت بشمول احساء کے اس نظام کے پابند کر دیئے گئے۔ سوائے منطقہ وسطی کے یعنی نجد اور اس کے ملحقہ علاقوں کے کہ ان کا نظام قضاء انفرادی انداز میں بغیر تنظیمی تشکیل کے ایک لمبے عرصے تک چلتا رہا اس کی اس امتیازی حیثیت پر ہم آگے روشنی ڈالیں گے۔

عدالتی فیصلے میں فقہ کی بنیادی کتابوں سے رہنمائی

۶ صفر ۱۳۴۶ھ میں جو فرمان جاری ہوا تھا وہ نظام قضاء کی یکسانیت کے سلسلے میں تھا۔ اس کے بعد ایک اہم قدم وہ قرار داد تھی جس کو عدالتی امور کی نگران کونسل نے بتاریخ ۷ر ار ۱۳۴۷ھ (نمبر ۳) میں پیش کیا جس پر ۲۴ر ۳ر ۱۳۴۷ھ میں ہی منظوری حاصل ہوگئی۔ اس قرار داد کے متن کے مطابق تمام عدالتوں کے فیصلے امام احمد بن حنبل کے مسلک کے فتوؤں کے مطابق ہوں گے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ فقہی مسائل میں جو سہولت اس مذہب میں ہے اور ہر مسئلہ کے بعد اس مذہب کے فقہاء رائے کے حق میں دلائل کا التزام جس طرح کرتے ہیں اس کی وجہ سے اس مذہب پر عمل کرنا راجح ہے۔ اس قرار داد میں بنیادی حوالہ کی ان کتابوں کا تعین بھی کر دیا گیا ہے' جن کی طرف جج حضرات فیصلوں میں رجوع کر سکیں گے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس قرار داد نے بوقت حاجت دوسرے مذاہب کی طرف رجوع کو خارج از امکان نہیں قرار دیا ہے۔ خاص طور سے اس وقت جب امام احمد بن حنبل کے مسلک کے مطابق فتوی بہبودئی عام کے خلاف ہو رہا ہو اور مشقت کی طرف لے جا سکتا ہو۔

یہ پہلو ایک اور موقع پر مزید مضبوطی اختیار کر لیتا ہے جب کہ دو سال بعد ایک شاہی فرمان جاری ہوا' (۱) جو اعضائے محکمہ کے بلانے سے متعلق تھا۔ اس میں صراحت سے کہا گیا تھا کہ جو احکام مذہب امام احمد بن حنبل کی کتب میں موجود ہیں ان پر بغیر ارکان محکمہ کی میٹنگ کی ضرورت نہیں ہے۔ ان پر میٹنگ کئے بغیر عمل کیا جائے گا۔ اگر کوئی نص ان کتب میں نہیں ملتی ہے اور اجتہاد سے کسی رائے پر پہنچنا ہے تو پھر ان مذکورہ ارکان کی میٹنگ سے اجتہادی فیصلہ انجام پائے گا۔ فقہ حنبلی کے جن مصادر کا ذکر قرارداد محکمہ برائے نگرانی امور عدالت میں آیا ہے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ مجموعہ النظم ص ۱۱ طبع مصر

ا۔ شرح منتہی الارادات '(متن از شیخ فتوحی متوفی ۹۷۲ھ) اور اس کی شرح از شیخ منصور بہوتی حنبلی متوفی ۱۰۵۱ھ۔

ب۔ شرح الاقناع 'کشاف القناع عن متن الاقناع' متن از شیخ موسی حجاوی متوفی ۹۴۸ھ اور اس کی شرح از بہوتی۔

جن مسائل پر ان دو شرحوں کا اتفاق ہے یا ان میں سے ایک میں مسئلہ کا ذکر ہے تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ ان دونوں کے اختلاف کی صورت میں (منتہی الارادات) کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اور اگر یہ دونوں مذکورہ شرحیں محکمہ میں نہ ہوں تو پھر۔

ا۔ شرح الزاد (زاد المستقنع مختصر المقنع از حجاوی' اور اس کی شرح الروض المربع از بہوتی سے مدد لی جائے گی۔

ب۔ شرح الدلیل '(دلیل الطالب لنیل المطالب از شیخ مرعی بن یوسف المقدسی الحنبلی' متوفی ۱۰۳۴ھ) نیز اس کی شرح منار السبیل از شیخ ابراہیم بن محمد الضویان متوفی ۱۳۵۳ھ۔ تو اگر جج ان مذکورہ شروح میں زیر بحث مسئلہ میں نص نہیں پاتا ہے تو پھر ان کتب میں تلاش کرے گا جو ان سے زیادہ مبسوط ہیں اور راجح قول کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

ان چار کتابوں کے علاوہ دوسری ان دو اور کتابوں سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ المغنی لموفق الدین عبداللہ بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ

۲۔ الشرح الکبیر جس کا نام الشافی شرح المقنع فی الفقہ الحنبلی 'از عبدالرحمن بن قدامہ' متوفی ۶۸۲ھ ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ حنبلی مذہب کو جو فوقیت دی گئی ہے یہ کوئی کلی ترجیح نہیں کہ ہر حال

میں دی جائے' یہ تو اولا - یہ صرف معاملات تک محدود ہے۔ عبادات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔(1)

ثانیا: پھر معاملات میں بھی استثناء ات موجود ہیں۔ فرمان عالی نمبر(۵) ر ۹ ر ۳ بتاریخ ۱۳ ر ۷ ر ۱۳۵۳ ہجری اور اس کی ذیلی قرار داد نمبر(۵) ر ۹ ر ۴ تاریخ ۲۶ ر ۷ ر ۱۳۵۳ھ کے مطابق جو احکام آب پاشی کھجور کے کرایہ پر لینے ' میراث اور اوقاف سے تعلق رکھتے ہیں۔

جس شہر میں ان سے متعلق دعوی کیا جائے گا اسی شہر کے لوگوں کے مسلک کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ چاہے وہ حنفی ہوں' شافعی ہوں یا کوئی اور ہوں۔

اسی طرح وہ معاملات جن میں اپیل نہ کی جا سکتی تھی ان میں بھی ممانعت سے قبل یہی اصول تھا۔ جیسے بیع وفا۔(۲)(ایک شخص نے سامان خریدا پھر بیچنے والے کو واپس کر دیا اور اس سے قیمت کم لی اور بعد میں اصل قیمت زیادہ ادا کرتا رہا)۔ اس کا جواز قاعدہ شرعی کے موافق ہے کہ عادت خود حوالہ ہے' فیصلہ کئے اور عرف سے ثابت ایسا ہے جیسے شرط سے مشروط ہو جاتا ہے۔

ثالثا : اور پھر مصلحت عمومی کا اعتبار تو کیا ہی جائے گا۔ جسے مراجع متعین کرنے کی قرار داد میں واضح کیا گیا ہے اور اس اساسی قاعدے سے یہ سہولت ملتی ہے کہ جج ہر مقدمے میں حالات ' ممکنہ تصدیقی ذرائع کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسب فیصلہ کو اختیار کرنے کے لئے اجتہاد کر سکتے ہیں۔ اس طرح قاضی کا ایک مذہب میں مقید ہو کر رہ جانا دور ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح سے کسی ایک مذہب کو متعین کرنے کی اختلافی بحث سے نکلا جا سکتا ہے۔

اس قرار داد کو ملک عبدالعزیز کی اہل علم کے سامنے کی گئی وضاحت کو سامنے رکھ کر سمجھنا چاہئے۔ جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ہم کسی بھی متعین مذہب کے پابند نہیں ہیں۔ جو بھی مسلک مضبوط دلیل سے ثابت ہو گا ہم اس کو لے لیں گے بصورت دیگر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول

۱۔ مجموعہ النظم صہ ۱۵-۱۶

۲۔ فواد حمزہ کی کتاب مملکت سعودیہ صہ ۱۹۷۔ بیع وفاء وہ بیع ہے جس میں بیچنے والا سامان واپس خرید لیتا ہے کم قیمت دیکر اور قیمت خریدنے والے کے ذمے قرض ہوتا ہے یہ بعد کے دور میں جائز کی گئی تھی اب ان کو ممنوع کیا گیا ہے۔

ہی قابل قبول ہو گا۔ چنانچہ موجودہ وقت تک عدالتوں میں اس پر عمل جاری ہے۔ اس قرار داد میں جو نئی چیز شامل ہے وہ بھی اس حد تک ہے کہ اس کے ذریعے ان حوالہ کی کتابوں کی طرف رہنمائی کر دی گئی ہے۔ جس کی عبارت آسان ہے اور جن میں دلیل کا اہتمام ہے۔ اور ان میں تمام اقوال کے درمیان اختلاف میں ترجیح کی تفصیل دی گئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ کسی فیصلے میں مذہبی مستند کتابوں میں بالکل رہنمائی نہ ہو تو کیسے مسئلہ کو حل تک لے جایا جائے گا۔ اس سے منسلک یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر سابقہ فیصلے سے اعراض کرنا ہو تو لازما متفقہ رائے کے ذرائع سے ہی ایسا کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ تنہا رائے کے مقابلے میں اجتماعی رائے ہی بہتر اور قرین صواب ہے۔

مالکی مذہب میں ایسے شورائی طریق اجتہاد کے اپنانے کی نظیر ملتی ہے۔ لوگوں کے عرف اور عملی مقاصد کی تبدیلی سے احکام کی تبدیلی آتی ہے۔ اسی کو سامنے رکھ کر مالکی مذہب میں اجتماعی اجتہاد سے نئے فیصلے کئے گئے ہیں۔ اور اس اصول کی بنیاد وہ اثر ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک سال میراث کی حصہ داری میں حقیقی بھائیوں کو والدہ کی طرف سے بھائیوں کے ساتھ ایک تہائی میں شریک نہ کرنے کا فیصلہ دیا اور پھر دوسرے سال ان کی حصہ داری میں شرکت کے حق میں فیصلہ دیا۔ ان سے کہا گیا پچھلے سال آپ نے ایسا فیصلہ نہیں کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا۔ ہاں پہلے وہ فیصلہ ہم نے یوں کیا تھا۔ اب یہ فیصلہ ایسے کر رہے ہیں۔

دوسرا موضوع

عدالتوں سے منسلک ادارے

کچھ دفاتر ایسے بھی ہیں جنہیں عام طور پر عدالتی ادارے تو نہیں کہا جا سکتا کیونکہ مقدمات کا فیصلہ ان کے دائرہ کار میں شامل نہیں ہے لیکن نظام قضاء کا جو ڈھانچہ ہے وہ اس میں آتے ہیں اور قضاء کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

رجسٹرار کاتب العدل اور سرکاری خزانہ (بیت المال) کے دفاتر

ا۔ رجسٹرار آفس

بعض جج حضرات نے گواہی کے لئے متعین اشخاص کا طریقہ کار وضع کیا۔ جن کا کام لوگوں کے مقدمات کے دوران جج کے روبرو گواہی دینا تھا ان کے سوائے کسی اور کی گواہی قبول نہ کی جاتی۔ علماء نے اس طریقہ کار پر تنقید کی اور ان گواہوں کی اہلیت کا بھی سوال اٹھایا گیا۔ (ان میں عدالتی گواہ شامل نہ تھے) ان گواہوں کا دائرہ بعض معاہدوں کی توثیق تک پھیلا ہوا تھا۔ انہیں "الشہو والعدول" کا نام دیا گیا۔ اور مختصراً عدول کہا جاتا (یعنی مقبول گواہ) بعض اسلامی ممالک میں تو ان کی حیثیت بہتر نمایاں ہے۔ ان کی درجہ بندی کی گئی تھی۔

ا۔ نمایاں ۲۔ غیر نمایاں۔ یہ اپنے اپنے دائرہ عمل رکھتے تھے اور اس سے پہچانے جاتے تھے اپنے لئے انہوں نے جگہیں مخصوص کر رکھی تھیں۔ یہ دکانوں میں کام کرتے تھے جس کے لئے مشرق و مغرب کی اپنی اپنی اصطلاحات تھیں۔ ان دوکانوں سے مراد بیٹھنے کی جگہ ہے۔ ان کا کام وہی تھا جس طرح کا آج کل محررین عدل کا کام ہے۔

ا۔ اسے عربی میں محررین عدل کہا جاتا ہے

عثمانیوں نے اس کام کی تنظیم کی اور کا تبین عدل کے نام سے وہ معاملات جن میں تجارت ' کمپنی ' خرید و فروخت کے معاہدے سمجھوتے اور وکالت نامے وغیرہ شامل ہیں ان کو ریکارڈ میں رکھنے کے لئے محررین عدل بنائے گئے۔ اس نام کے رکھنے کی اصل جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اللہ رب العزت کے اس قول سے لی گئی ہے۔

﴿ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِٱلْعَدْلِ ﴾ [البقرة : ٢٨٢]

اور جو تم میں لکھنے والا ہو اس کو چاہیئے کہ انصاف سے لکھے۔

اسی طرح عصر حاضر میں کا تبین عدل کے دفاتر ہمارے عدالتی نظم و نسق میں اجنبی نہیں ہیں۔ یہ تو پہلی اسلامی قانون سازی (التشریع الاسلامی) کے وقت سے موجود ہیں اور ان کی جڑیں اسلامی تاریخ عدل و انصاف میں بہت گہری ہیں۔

سعودی عرب میں محررین عدل کے دفاتر کا پہلا نظام شاہی فرمان (۴) مجریہ سن ۱۳۴۶ ہجری کے باب چہارم کے بموجب مقرر ہوا تھا۔ جس کے مطابق محررین عدل کے کام تجارتی معاملات مالی رسیدیں ' رجسٹریاں وکالت نامے وصیتیں لکھنا تھا۔ ان کو جائیداد کی رجسٹری لکھنی اس کی تصدیق کرنی ہوتی۔ مدت گذرنے پر قرض کی عدم ادائیگی کا نوٹس جاری کرنے کا کام بھی ان کے ذمے تھا مگر اوقاف کے امور اور طلاق کے معاملات ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں کیونکہ یہ عدالت کے دائرے میں آتے ہیں۔ جب کہ ہبہ کئے مال و جائیداد کی تحریر رہن کے کاغذات تیار کرنا اور اعتراضات لکھنا اس سے متعلق تھا۔

محررین عدل کے دفاتر کے بارے میں پہلا مکمل نظام ۲۶ صفر ۱۳۴۶ ہجری کو صادر ہوا۔ جس میں تیس آرٹیکل تھے۔ ۱۳۵۷ھ میں قضاء کی ذمہ داریوں کی مرکزیت کا نظام جاری ہوا جو آج کی اصطلاح میں عدالتی اختیار کا قانون کہلاتا ہے۔ مگر اس قانون کا بیشتر حصہ عدالت کے اندرونی معاملات اور قاضی صاحبان کے معاونین کے بارے میں بحث کرتا ہے۔

التنظيم القضائي م(٤)

اس قانون کے باب ششم میں محررین عدل کے لئے چند ضابطے مقرر کئے گئے ہیں۔ جو محررین عدل کی ذمہ داریوں طریقہ کار اور دوسرے کتابت عدل سے وابستہ افراد کے واجبات کے بارے میں ہیں جیسے محررین عدل کے معاون اور رجسٹرار و ٹائپسٹ وغیرہ کے بیان میں ہیں۔ اس کے بعد محررین عدل سے متعلق مستقل تنظیمی قانون ۱۳۶۲ھ میں جاری ہوا جو ۴۸ آرٹیکل پر مشتمل ہے۔ یہ مذکورہ نظام پہلے نظام سے زیادہ مفصل ہے۔

بعد میں نظام "مرکز مسئولیات القضاء" نظرثانی کے بعد ۲۴/۱/۱۳۷۲ ہجری میں صادر ہوا۔ اس کا باب نمبر۶ محررین عدل کے بارے میں ہے اور وہ پہلے نظام کی طرح ہے۔ مگر اس میں چند تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ جو یہاں قابل ذکر نہیں ہیں۔ یہ نظام آج کل محررین عدل کے سن ۱۳۶۴ھ والے نظام کے ساتھ ساتھ جاری و ساری ہے۔

اس منصب پر تعین کی شرائط کے سلسلے میں رقم م/۶۴ مورخہ ۱۴/۷/۱۳۹۵ ہجری کو ایک نظام عدالت جاری کیا گیا جس کے پانچویں باب کے مطابق محرر عدل وہ ہو گا جس میں دفعہ نمبر(۳۷) کے مطابق درج ذیل شرطیں پائی جانی ضروری ہیں۔

ا۔ شہریت کے لحاظ سے وہ سعودی ہو۔

ب۔ اچھے اطوار کا مالک ہو۔

ج۔ قضاء کی کامل اہلیت رکھتا ہو۔

د۔ حکومت کی کسی یونیورسٹی سے اسلامی شریعت میں ڈگری حاصل کی ہو یا ایسا ڈپلوما لیا ہو جو اس یونیورسٹی کی ڈگری کے برابر اور اس کے ساتھ ایک خاص امتحان میں کامیاب ہو جائے۔ بحالت ضرورت علم و معرفت میں شہرت کے حامل افراد کو بھی متعین کیا جا سکتا ہے۔ چاہے ان کے پاس مطلوبہ ڈگری نہ ہو۔

ھ۔ عمر۲۲ سال سے کم نہ ہو۔

و۔ کسی جرم میں ملوث نہ ہوا ہو یا کوئی ایسا جرم اس سے منسوب نہ ہوا ہو جو اس کی عزت و شرف میں مانع ہو یا عمومی ملازمت کے دوران اس کے خلاف تادیبی کارروائی کی گئی ہو چاہے بعد میں یہ کارروائی رد کر دی گئی ہو۔ اور یہی شرطیں ہیں جن کی حد بندی نظام مذکور نے منصب قضاء پر فائز ہونے والوں کے لئے کی تھیں۔ سوائے عمر کی شرط کے اس نسبت سے کہ جو شخص درجہ قاضی تمییز پر متعین کیا جاتا ہے اور جس کی حد عمر بیالیس سال مقرر کی گئی ہے۔ عہدہ قضاء پر فائز ہونے والے کے لئے جن معتبر شرائط کا ذکر فقہ کی کتابوں میں ہے اس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

اس نظام کی دفعہ نمبر۹۱ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کا تبین عدل کی اہلیت اس قرارداد سے متعین کی جائے گی جس کو وزارت عدل متفقہ طور پر طے کر کے صادر کرے گی۔ اسی طرح اس نظام میں اس کی صراحت ہے کہ کا تبین عدل پر بھی وہ تمام احکام لاگو ہوں گے جو سول سروسز کی طرف سے حکومتی ملازمین پر نافذ ہوتے ہیں۔

محررین عدل کے دفاتر کے محل وقوع کا تعین کرنا

۴ صفر ۱۳۴۶ ہجری کے شاہی فرمان کے مطابق مکہ المکرمہ ' جدہ اور مدینہ منورہ میں محررین عدل کی تشکیلات عمل میں آئیں۔ اس نص میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مضافاتی علاقوں میں محررین عدل کا کام قاضی صاحبان انجام دیں گے۔ پھر مذکورہ تین دفاتر میں کام کرنے والے محررین اولین کا تبین عدل کو سامنے رکھ کر نظام جاری کیا گیا تھا اس میں محررین عدل کے مزید نئے دفاتر کھولنے کی بات نہ تھی پھر مملکت میں خوشحالی کا دور شروع ہوا اور اس کی وجہ سے دیہی و شہری ترقیاتی کام و آبادکاری کا سلسلہ بڑھا تو چھوٹے بڑے شہروں میں اس نظام کو پھیلانے کی ضرورت محسوس ہوئی جس کے بعد جدید نظام قضاء صادر ہوا جس میں صراحت کی گئی کہ محررین عدل کے لئے نئے دفاتر کے محل وقوع کا تعین اس کے دفاتر کے دائرہ عمل کی حد بندی اور نئے (دیوان) عدل کے ادارے وزیر عدل کے حکم سے جاری ہوں گے اس کے بعد بہت سے ادارے معرض وجود میں آئے۔ اور آخری شمار

تک ان کی تعداد ۱۰۹ تک پہنچی تھی۔ جو مملکت کے تمام اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور ان کی کارکردگی کی حدبندی بھی کر دی گئی تھی جو غالب طور پر اس عدالت کے دائرہ اختیار سے تجاوز نہ کرے کہ جس کے ساتھ محررین عدل کا دفتر منسلک ہوتا ہے۔ پھر کتابت عدل کے دو حصے کر دیئے گئے۔ ان میں سے ایک جائیداد کی رجسٹری اور مالی امور جیسے رہن' ہبہ' خرید و فروخت کے لئے مخصوص کر دیا گیا اور دوسرا عام وکالت ناموں کی منظوری اور ایسے افراد کی توثیق کرنا جن کا تعلق جائیداد کے علاوہ دوسرے امور سے ہوتا۔

اسلامی تاریخ کے سابقہ ادوار میں اس تقسیم کی سند ہمیں اندلس وغیرہ مغربی عرب ممالک میں ملتی ہے جہاں وثیقہ نگاروں کی تقسیم اس طرح تھی کہ ایک مبرزین کہلاتے اور دوسرے غیر مبرزین ہوتے تو مبرزین (یعنی نمایاں) کا کام جائیداد کی خرید و فروخت' رفاہ عام ہبہ اور وصیتوں کے معاہدے تحریر کرنا تھا' جب کہ غیر مبرزین ان میں سے کوئی کام بھی انجام نہیں دیتے۔ ان کا کام صرف تجارتی معاملات کو لکھنا ہوتا۔ جیسے منقولہ اشیاء کی فروخت اور عمومی نوعیت کی وکالت نامے کی تیاری وغیرہ۔

محررین عدل کی جانب سے جاری کردہ کاغذات کی قانونی حیثیت

۱۳۴۶ھ کے نظام کی دفعہ نمبر (۲۸) اور کاتبین عدل کی بابت نظام مجریہ سن ۱۳۶۴ھ کی دفعہ ۱۹ کے درمیان معمولی الفاظ کی تبدیلی کے باوجود یہ واضح ہے کہ مالی وثیقے' وکالت نامے' وصیتوں کی توثیق اور معاہدوں کے کاغذات و رجسٹریاں اور عمومی دستاویز جو مملکت میں محررین عدل کی طرف سے صادر ہوتی ہیں۔ وہ تمام عدالتوں میں قانونی طور پر مستند ہیں۔ اور اس کے مضمون پر عمل درآمد کے لئے مزید کسی ثبوت یا توثیق کی ضرورت نہیں بس اس شرط کے لحاظ کے ساتھ کہ ان وثیقوں میں وارد تمام باتیں اور اس کے مشمولات شریعت کے موافق اور امام احمد بن حنبل کے راجح مسلک سے مطابقت رکھتی ہوں۔ اس کی وضاحت ان دو نظاموں کے درمیانی عرصہ میں جاری ایک شاہی فرمان نمبر ۱۳ار ار ۹ مورخہ ۷۲ر ۲ر ۱۳۵۲ ہجری میں ہے۔ جس میں کہا گیا تھا کہ محررین عدل کی جانب سے

جاری کردہ تمام وثیقوں پر محاکم شرعیہ اور دوسرے اداروں کو اعتراض کا اس وقت حق ہو گا جب اس میں کوئی بات نظام یا شریعت کے خلاف ہو۔(۱)

پھر سنہ ۱۳۱۵ھ میں ایک نیا نظام قضاء متعارف ہوا جس کی دفعہ نمبر۹۶ میں بھی یہی واضح کیا گیا ہے کہ جو تحریر محررین عدل کی جانب سے جاری کی جاتی ہے وہ قانونی اثبات شمار ہو گی اور اس میں اعتراض اس وقت جائز ہو گا جب اس اعتراض کی بنیاد شرعی اصول ہو یا اس میں جعلسازی پائی گئی ہو۔

محررین عدل اور عدالتوں کا باہمی تعلق و رابطہ

شرعی عدالت کے فرائض و اختیارات میں مرکزیت لانے کے نظام مجریہ سن ۱۳۵۷ھ کی دفعہ (۲۰۱) کے تحت (جو محررین عدل) سے متعلق چھٹے باب کی پہلی دفعہ ہے اس میں یہ واضح کر دیا گیا کہ محررین عدل کا دفتر شرعی عدالتوں کے دفاتر کے ساتھ منسلک ہو گا۔ اور جو اختیارات ان سے متعلق نظام میں ہیں وہ ان کے مطابق اپنا کام کریں گے۔ پھر ۱۳۷۲ھ میں مزید اصلاحات کے ساتھ جاری نظام کی دفعہ (۱۷۷) میں پھر اس کو مزید تاکید کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔ اس طرح حجاز میں شرعی محکموں کی حد بندی اور اختیارات کے سلسلے بھی جاری اس فرمان شاہی ۱۳۴۶ ہجری کے چوتھے باب کے فقرہ (ج) میں کیا گیا کہ جن مضافات میں محررین عدل نہیں وہاں شرعی قاضی ہی تحریر عدل کا منصب سر انجام دے گا۔ یہی بات اس نظام میں بھی شامل ہے۔ جو ۲۶ صفر ۱۳۴۶ھ کو جاری ہوا اور جو محررین عدل سے متعلق ہے اس کی دفعہ ۱۲ کی عبارت یہی ہے۔ اور پھر ۱۳۶۴ھ کے نظام کی دفعہ نمبر(۱۲) میں کہا گیا کہ جن شہروں میں محررین عدل کے خصوصی دفاتر قائم نہیں کئے گئے وہاں جج یا اس کا نائب یا مملکت کا چیف محرر (رئیس الکتاب) یہ فرض سرانجام دے گا۔ اور اس عبارت کو قاضی کے حدود و اختیارات میں مرکزیت لانے کے نظام کی دفعہ (۲۷۶) میں بھی باقی رکھا گیا ہے۔ سن ۱۳۷۲ھ میں

۱۔ مجموعہ النظم سابقہ حوالہ صفحہ ۱۴۶

اس نظام کو از سر نو شائع کیا گیا۔ اس میں دفعہ (۲۵۲) میں کہا گیا کہ محررین عدل کے دفتر جہاں نہیں ہیں وہاں ان کا کام قاضی شہر کے سپرد کر دیا جائے گا اور اس کا دائرہ عمل اور ذمہ داری محررین عدل جیسی ہو گی۔

پھر آخر میں دفعہ (۹۴) میں کہا گیا کہ ۱۴ر ۷ر ۱۳۹۵ھ کو نیا نظام قضاء صادر کیا گیا کہ اس میں جن شہروں میں محررین عدل کے دفاتر نہیں ہیں ان میں محرر عدل کے دفاتر کی ذمہ داری جج کے سپرد کی جائے گی۔ اس کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو محرر عدل کے ہیں نیز محرر عدل کی غیر حاضری کے دوران کوئی جج محرر عدل کے فرائض انجام دینے کے لئے اس کی جگہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

جب ہم عدالتوں اور محررین عدل کے باہمی تعلق کے پہلو پر غور کرتے ہیں تو ہمیں محررین عدل اور عدلیہ کے نظام میں خاصی مشابہت نظر آتی ہے۔ کیونکہ محرر عدل وہی کام کرتا ہے جو قضاء کے دائرے کے کام ہیں۔ جیسے قرضہ کے اقرار کی توثیق ' رہن ' منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کی فروخت و خرید کی رجسٹری ' وصیتوں کی تحریریں اور اس پر عمل در آمد کرنا اصلا عدالت کے ذمہ ہے۔

غرض قانونی اعتبار سے یہ ایک اہم منصب ہے جس کی حیثیت خود مختارانہ ہے۔ قانونی طور پر صادر کردہ دستاویز میں کسی مزید شہادت کے بغیر مستند ہیں بشرطیکہ ان میں مخالف شریعت بات نہ ہو۔ دلیل چاہے وہ کسی طرف سے ہو اس پر اثر انداز نہ ہو گی۔ اس کی خود مختاری کی سب سے بڑی دلیل اس کی عدم موجودگی میں اس کی جگہ پر ایک جج کا نائب مقرر کرنا اور محرر عدل کے دفتر نہ ہونے پر اس کے فرائض کی ادائیگی خود انجام دیتا ہے۔

چنانچہ اسی بنیاد پر وزارۃ عدل کا ایک منشور جاری ہوا (نمبر ۱۲۳ر ۱۲ر ت) مورخہ ۱۹ر ۵ر ۱۳۹۳ ہجری جس میں محررین عدل کے عدالتوں کے دفتری اور ملازمت کے تعلق سے کاروائی میں رہنمائی دی گئی ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ محررین عدل کے تحریری مراسلے معاملات کے تبادلے دوسرے سرکاری دفاتر کے ساتھ براہ راست بنیادوں پر ہوں گے۔(۱)

۱۔ الانظمہ واللوائح والمصطلحات (اصدار وزارہ العدل۔ ۱۴۰۰ ہجری الفصل الثانی الجزء الاول)

۲۔ بیت المال: زمانہ قدیم و جدید میں اس کی نظیر

بڑی عدالتوں کے ساتھ ایک ایسا محکمہ بھی پایا جاتا ہے جسے "بیت المال" کہا جاتا ہے۔ اس کے امور جو افسر انجام دیتا ہے اسے "مامور بیت المال" کا نام دیا گیا ہے۔ اس ادارہ کے دائرہ کار میں شہروں اور اس کے نواح میں وفات شدگان کا اندراج خواہ وہ اس علاقے کے ہوں یا آس پاس کے ہوں یا حجاج میں سے ہوں اور ان کے ترکہ کی نگرانی اگر میت کے وارث نہ ہوں یا وارثوں میں سے کوئی (قاصر) نابالغ ہو یا غائب ہو اور اس کا وکیل بھی نہ ہو تو یہ "مامور بیت المال" اس جائیداد کے تمام امور بجا لائے گا۔ مثلاً اگر ضرورت ہو تو جائیداد کو فروخت کرنے کا پکا تصفیہ کرے گا۔ حساب بیباق کرے گا اور تمام چیزوں کی فہرست بنا کر شرعی طریقہ سے اس کی تقسیم کرے گا۔ اور اس کے جائز وارثوں کو سونپے گا۔ قرضے اور دوسرے واجبات کی وصولی کرے گا وغیرہ وغیرہ۔ عدالت کی طرف سے اس کو ان تمام کاموں کا پابند کرنے کا حکم جاری ہوتے ہی وہ یہ تمام کام انجام دے گا۔ اس کے علاوہ یہ مامور بیت المال ان غیر حاضر لوگوں کے مال و متاع کی حفاظت کرے گا۔ جن کا کوئی وکیل نہیں' اور لاوارث و گمنام لوگ جن کا کوئی وصی نہ ہو وہ بھی اس کے ذمے ہوں گے۔ اس طرح یہ افسر انکے حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور جو کچھ اس کے دائرہ کار میں داخل ہے وہ بجا لاتا ہے۔

بیت المال کے معرض وجود میں آنے کی تاریخ ۴ صفر ۱۳۴۶ھ ہے۔ جب عدالتوں کی حد بندی کا فرمان جاری ہوا تھا۔ اس فرمان کی پانچویں فصل کے فقرہ (ب) کی عبارت یہ ہے کہ مکہ المکرمہ ' جدہ و مدینہ کی تمام عدالتوں میں بیت المال کے ادارے قائم کئے جائیں گے۔ اسی طرح فصل مذکور کے فقرہ (ج) کی عبارت میں اس کی متعین شکل کا ذکر ہے اور یہ کہ وہ عدالتی لحاظ سے عدالتوں کے ساتھ منسلک ہو گا اور جن مضافات میں بیت المال کا دفتر نہ ہو گا وہاں عدالت کا کاتب یہ کام اس طرح انجام دے گا جس طرح کہ نظام میں اس کی صراحت ہے۔

یہ منصب اس سے ملتا جلتا ہے جسے حکومت عثمانی کے مجریہ قانون ۴ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ میں یتیموں کے اموال کے سرپرست کے نام سے قائم کیا گیا تھا اور جس کے بعض احکام آج بھی شام میں نافذ العمل ہیں۔(۱)

اور اسی سے ملتا جلتا ایک منصب کویت میں ہے جس کا کام نابالغوں کے امور کی نگرانی ہے لیکن موازنہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا دائرہ عمل زیادہ وسیع ہے کیونکہ اس کی کارکردگی صرف یتیموں تک ہی محدود نہ تھی جس طرح قانون عثمانی میں ہے بلکہ اس کے دائرے میں وہ اشخاص بھی شامل تھے جو قانونی اعتبار سے خود مختار نہ تھے۔ خواہ ان کی کم اختیاری اس لئے ہے کہ ان کے باپ سرپرست دادا نہ ہوں یا خواہ وہ جنون' دماغی طور سے نقص یا بدحواسی کا شکار ہوں۔

پس اس نظام کے تحت ایک ادارہ قائم کیا گیا جو ان مذکورہ افراد کے وارثوں کی عدم موجودگی میں جب تک عدالت کوئی دوسرا وصی متعین نہیں کرتی یہ ادارہ ان کے لئے بمنزلہ وصی ہو گا۔ پھر اختیار و تصرف میں بھی یہ ادارہ زیادہ وسیع اختیارات رکھتا ہے۔ اس ادارہ کی مجلس انتظامیہ کو اموال میں حق تصرف بھی حاصل تھا کہ وہ اسے تجارت میں لگا کر اس سے نفع حاصل کرے تاکہ اسے زیر سرپرستی افراد میں تقسیم کر دیا جائے۔ اسی طرح تجارت' صنعت و حرفت کے معاملات طے کرنا اور نپٹانا نیز جائداد کی خرید و فروخت قرضوں کی وصولی اور لازمی شرائط کی پابندی کرتے ہوئے نافذ کرنا شامل ہے۔ بیت المال کے دائرہ عمل میں یہ تمام امور سوائے آخری فقرہ کے نہیں آتے ہیں۔ بیت المال کے ادارے اپنے عمل کے لحاظ سے مصری نظام میں مذکورہ "احتسابی کمیٹی" سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کمیٹیوں کی تنظیم ایک قانون کے تحت ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۵ء میں کی گئی تھی۔ وہ شمار ترکات اور حسابات کی جانچ پڑتال کے عمل بھی سرانجام دیتی تھی۔ تاہم ان اداروں کے اختیار میں وصی جماعت یا غیر حاضر افراد کی جانب سے وکلاء کا تعین شامل نہ تھا۔ کیونکہ اس کا اختیار صرف شرعی قاضی کو تھا۔

۱۔ مصطفیٰ الزرقاء' المدخل الفقہی العام ۲/ ۷۷۹-۷۹۱

تیسرا موضوع

منطقہ غربیہ میں عدلیہ کی سربراہی

ہم باآسانی صفحات تاریخ سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز جب سن ۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۹۲۴ء کو مکہ میں داخل ہوئے تو حجاز میں اس وقت جتنے بھی سرکاری دفاتر تھے ان میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی' اور ان میں عدلیہ کا ادارہ بھی تھا۔ اس کے تمام محکمے اپنے اپنے دائرہ عمل میں متعین رہ کر کام کر رہے تھے۔

ایک سال کے لگ بھگ یہ نظام اسی طرح جاری رہا یہاں تک کہ جب شاہ عبدالعزیز نے اپنے بیٹے فیصل کو حجاز میں اپنا نائب عام مقرر فرمایا تو تمام امور کی نگرانی ان کے ماتحت ہو گئی اور کچھ ایسے محکموں کے سربراہوں کا تعین ہوا جن کا تعلق براہ راست شاہ سے یا ان کے نائب سے تھا۔(۱)

چنانچہ ۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۹۲۴ میں متعین کردہ ان اداروں میں سے عدلیہ کا نگراں ادارہ بھی تھا۔(۲) تفصیلات سے جو نتیجہ ہم اخذ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ ایسا ادارہ تھا جس کا کام عدالتی معاملات کی نگرانی تھا۔ سعودی حکومت کے دور اول میں اسے ادارہ القضاء کا نام دیا گیا۔

اب یہ بات جان لینے کی ہے کہ کب اس ادارے کو قضاء کی سربراہی کا نام دیا گیا مجھے تو کوئی بھی چیز ایسی نہیں ملی جو صراحت کے ساتھ تعین کر سکے کہ یہ تبدیلی کب ہوئی۔ کتاب جزیرہ العرب فی القرن العشرین (جزیرہ عرب بیسویں صدی) میں بس اتنا ملتا ہے کہ ادارہ القضاء کو "رئاسہ القضاء" کہا گیا ہے۔ اس کتاب کے مولف اسلامی کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کانفرنس ملک عبدالعزیز کی دعوت پر ۱۳۴۴ھ میں مکہ میں منعقد ہوئی اور اس کا تذکرہ ہے کہ وہ اس وقت یعنی شیخ

۱۔ حافظ وھبہ جزیرہ العرب فی القرن العشرین صہ ۱۰۱

۲۔ ام القری شمارہ نمبر ۳ مورخہ ۲۹-۵-۱۳۴۳ھ

عبداللہ بن سلیمان بن بلیہد (سن وفات ۱۳۵۱ھ) ۱۳۴۴ھ میں عدلیہ کے سربراہ تھے۔ ایک دوسری جگہ ذکر ہے کہ وہ ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۸ء) میں شیخ عبداللہ بن حسن آل شیخ (متوفی ۱۳۷۸ھ) کے ہمراہ تفتیش کے لئے مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور شیخ کے متعلق لکھا کہ وہ نجد کے بڑے عالم اور قاضی اعلیٰ (رئیس القضاۃ) تھے۔ اس سے ہم بس یہ کہہ سکتے ہیں کہ عدلیہ کی سربراہی کا منصب ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۶ء میں مکہ المکرمہ میں عہدہ نائب عام کے قیام کے ساتھ ساتھ وجود میں آیا ہو گا۔ جو حکومت کی بنیادی تعلیمات کے مطابق معرض وجود میں آئی تھی۔ کیونکہ اس سے قبل حجاز میں شرعی امور انتظامی اعتبار سے براہ راست حجاز میں ملک کے نائب عام سے متعلق ہوتے تھے۔ پھر بعد میں بنیادی قوانین نے یہ ذمہ داری مجلس وکلاء کو دے دی۔ "مشاہیر علماء نجد وغیرھم" نامی کتاب کی عبارت سے بھی ہمارے اس اندازے کو تقویت ملتی ہے۔ کتاب کے مولف الشیخ عبداللہ بن بلیہد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب ملک عبدالعزیز حجاز میں وارد ہوئے اور حالات ان کے قابو میں آ گئے تو شیخ عبداللہ کو جو عدلیہ حائل سے وابستہ تھے۔ ان کو ۱۳۴۴ھ میں مکہ المکرمہ کا سربراہ عدالت متعین کیا گیا۔ شرعی عدالتوں کے طریقہ کار کے بارے میں جو شاہی فرمان نمبر (۳۱) مورخہ ۲۹ر۲ر۱۳۵۰ھ کو جاری ہوا تھا اس کی دفعہ نمبر ۳۲ کے مطابق رئاسہ القضاء یعنی "سربراہ قضاء" کے زیر نگرانی ایک کمیٹی عمل میں آ گئی تھی جو عدالتی احکام کا بغور جائزہ لیتی اور جس وقت ۱۹ر۸ر۱۳۵۰ھ بمطابق ۳۰۰ر۲ر۱۹۲۱ء کو مجلس وکلاء کا نظام جاری کیا گیا تو اس میں ان دفاتر کا ذکر کیا گیا۔(۱) ہے جو اس مجلس سے منسلک تھے۔ ان میں رئاسہ القضاء کا ذکر بھی شامل تھا۔

(رئاسہ القضاء) عدلیہ کے سربراہی ادارے کے فرائض

عدالتوں کی تشکیل سے متعلق ۴ صفر ۱۳۴۶ھ میں جاری فرمان میں یہ فیصلہ کر دیا گیا تھا کہ ایک

۱۔ حافظ وہبہ جزیرہ عرب طبع چہارم صہ ۱۳۴ اور ۲۸۲

ادارہ قائم کیا جائے گا جس کا کام عدالتوں کی تشکیل کی ساخت عدالتی نگرانی ہو گی اس کا پہلا نام عدالتی نگرانی کا بورڈ تھا۔ بعد میں اس کا نام شرعی جائزہ بورڈ دے دیا گیا۔ اس بورڈ کا مرکزی دفتر مکہ مکرمہ میں تھا۔ اس ادارے کی ذمہ داریوں سے ہم واقف ہوئے ہیں یعنی تمام محاکم کی نگرانی' ان کی تفتیش اور ان عدالتوں سے جاری ہونے والے احکام کا جائزہ لینا اور طے کرنا کہ وہ برقرار رکھے جائیں یا اور مقدمہ کو نظر ثانی کے لئے اس عدالت کے سپرد کرنا جس نے فیصلہ کیا تھا۔ یہ اصول اس ادارے کے سپرد تھے۔

پھر ۱۳۵۱ھ میں ایک ادارہ تفتیش کا قیام عمل میں آیا جو ایک انسپکٹر جنرل اور دو انسپکٹروں اور محرروں پر مشتمل تھا۔ جس کا کام عام عدالتوں اور عدلیہ کے محرروں کی اور بیت المال کی شرعی نقطہ نگاہ سے جانچ پڑتال پھر ان تمام معاملات کی ہفتہ وار رپورٹ تیار کر کے ایوان قاضیاں[1] کو پیش کرنا تھا۔

۱۳۵۷ھ میں شرعی عدلیہ کے واجبات کی مرکزیت کا نظام آیا جسے عدالتی نگرانی کے بورڈ کو عدالتی سربراہی ادارے سے منسلک کر دیا۔ قاضی اعلیٰ (چیف جسٹس) اور نگرانی بورڈ کے ارکان پر مشتمل یہ بورڈ قائم کیا گیا تھا۔ یہ بورڈ وقتاً فوقتاً عدالتوں کا دورہ کرتا اور پھر اس کی رپورٹ پیش کرتا اور تجاویز دیتا کہ عدالتی انتظامی امور کیسے بہتر کئے جائیں۔ اس تنظیمی کام کا ایک مظہر دیوان عام تھا جو قضاء کے سربراہی ادارے میں قائم کیا گیا تھا اور جس کا ایک شعبہ قاضیوں سے خاص تھا۔ اس طرح قضاء کی سربراہی کے ادارہ کو مرکزی دفتر کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہیں سے عدالتوں' محررین عدل' بیت المال عدالت کے تفتیشی محکمے ان کے اعمال و واجبات اور اختیارات اور اس کے افسران پر پوری طرح نگاہ رکھی جاتی ہے اور یہی ادارہ فتووں کی چھان بین' قاضیوں کی تقرری اور تبادلے اور تمام اقسام کے خلاف شکایتیں سننے والا اور تمام ملازمین پر کڑی نگاہ رکھنے والا ادارہ تھا اور اس کی طرف رجوع کیا جا سکتا تھا۔

---

۱ - یعنی رئاسہ القضاء

ابتداء عدالتوں کو رئاسہ القضاء ایوان عدالت کے ساتھ ملایا گیا تھا۔ مجلس وکلاء کا نظام جو بمطابق ۱۳۵۰ھ ۔۱۹۳۱ء کو جاری کیا گیا تھا اس کی عبارت کے مطابق عدالتوں کے رئاسہ القضاء کی طرف عدم رجوع کی صورت میں وزارت داخلہ کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ اور یہ ہدایت اس لئے دی گئی کیونکہ نائب عام کے محکمے کو وزارت داخلہ کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔

رہی بات عدالتی جائزہ کمیٹی (۱) کی تو یہ ادارہ اپیل کورٹ کا کام انجام دیتا تھا اور یہ ان احکام کی چھان بین کے لئے مخصوص تھا۔ جن کو محکوم علیا (ملزم) کے عدم اطمینان کی صورت میں رئاسہ القضاء (ایوان عدالت) کو پیش کیا جاتا تھا۔ اس طرح وہ احکام جن کی چھان بین کا حکم رئاسہ القضاء (دیوان عدالت) کی طرف سے دیا گیا تھا۔ جو بیت المال و صیوں ناظر وقف اور اس طرح کے دوسرے احکام تھے جن میں مدعا علیہ کے فیصلے پر اطمینان و عدم اطمینان سے فرق نہ پڑتا تھا۔ وہ بھی اس کمیٹی کے ذمے تھے ان کے علاوہ حد میں جسم کے کسی عضو کا کاٹنا یا قتل اور رجم کے احکامات کی چھان بین بھی یہی کمیٹی سرانجام دیتی تھی۔ یہی جائزہ کمیٹی ججوں کے مقدمات اور ان مقدمات کی شکایت کے خلاف چھان بین کرتی جو محررین عدل کی طرف سے جاری دستاویزات کی بھی چھان بین کرتی اسی طرح رئاسہ القضاء قدیم فقہاء اسلام کے نزدیک معروف و دیوان القضاء کی ایک ارتقائی شکل ہے۔ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ بغداد میں قاضی اعلیٰ کا دیوان موجود تھا جسے "دیوان القضاء" کے نام سے جانا جاتا تھا۔(۲)

۱۔ ھیئہ التد قیقات

۲۔ حسن ابراہیم تاریخ الاسلام السیاسی ۳۔۳۰۹

دوم ٗنجد اور اس سے وابستہ علاقوں میں نظام عدالت

جس عدالتی ڈھانچہ کے متعلق ہم بیان کر آئے ہیں وہ سوائے نجد اور اس کے صوبوں کے تمام ملک میں قائم تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سعودی حکومت سے قبل ہی حجاز نظام عدل و انصاف سے مستفید ہو چکا تھا اور پھر سعودی دور میں بھی وہ اس سے فائدہ اٹھاتا رہا۔ جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ جب کہ نجد اور اس کے گرد و نواح کسی سابق تنظیم سے واقف نہ تھے یہاں تک کہ سعودی دور کے اوائل تک بھی نجد اور اس کے ملحقات عدالتی تنظیم سے خالی رہے اور ایک طویل مدت تک وہاں عدالتی امور منظم نہ کیے جا سکے۔

صورتحال یہ تھی کہ نجد اور اس کے ملحقات میں نظام عدالت اس طرح چلتا تھا کہ بڑے شہروں میں قاضی (جج) حضرات انفرادی طور پر فریضہ انجام دیتے تھے' ہر شہر میں ایک ایک قاضی اور امیر (سربراہ ادارہ) ہوتا' قاضی مدعیان کے بیان سن کر شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے مقدمہ کا فیصلہ سنا دیتا اور اگر دونوں فریق اس فیصلہ سے راضی ہو جاتے تو بغیر کسی دقت و مشکل کے فیصلہ نافذ ہو جاتا اور اگر دونوں یا دونوں میں سے ایک اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتا تو پھر اس فیصلہ کو امیر کے سپرد کر دیا جاتا۔ جو اس کے نافذ کرنے کا ذمہ دار ہوتا۔ قاضی کی عدالت اس کا گھر یا مسجد یا جہاں بھی موقع مل جائے وہ ہوتا اور کبھی تو راستہ ہی میں چلتے چلتے فیصلہ سنا دیا جاتا۔ قاضی تمام مسائل روز مرہ کے وہ واقعات جو شہر اور اس کی اقامت گاہ کے اردگرد علاقوں میں پیش آتے ان پر نگاہ رکھتا تھا۔ مقدمات کی نوعیت کے لحاظ سے الگ الگ مخصوص عدالتوں کا نظام نہ تھا' اس قسم کی پہلی عدالت فوری فیصلہ کی عدالت (سمری کورٹ) کے نام سے ۱۳۲۹ھ میں قائم کی گئی۔ یہ حدود و اختیارات کی عدالت تھی جو حقوق سے متعلق مسائل اور مالی نزاع کے علاوہ کسی اور مقدمے کو سننے کی مجاز نہ تھی۔ قاضی مقدمات کے فیصلوں کے علاوہ پنجگانہ نماز کی امامت کرتا' جمعہ اور عیدین کے خطبے دیتا اور وعظ و نصیحت کرتا اور نکاح پڑھاتا اور ان مسائل میں فتوی دیتا جس میں کوئی فریق نہ ہوتے۔ ان کے علاوہ معاملات کی توثیق

(محررین عدل) اور بیت المال میں جمع شدہ ان رقوم و زکوۃ وغیرہ کی دیکھ بھال جو کم سن ورثاء کی ہوتیں اور جن کا شرعی مدت تک ان کا بیت المال میں رکھنا ضروری ہوتا۔ دستاویز وغیرہ یہ سب بھی قاضی کے فرائض میں شامل تھے۔

اس علاقے میں عدالتی کارروائی بڑی سادہ ہوتی' عدالتوں کی درجہ بندی نہ تھی نہ ہی کوئی وکیل تھا' اور نہ ہی مقدمات میں تحریری جواب درجواب ہوتے' ہر چیز زبانی انجام پاتی۔ یہاں تک کہ صادر فیصلوں کے خلاصے بھی جنہیں احکام کے اقرار نامے کہا جاتا ہے شاذ و نادر ہی تحریر کئے جاتے' فیصلہ اسی دن کیا بلکہ جب قاضی کے سامنے مقدمہ آتا تو طالب انصاف کے روبرو ہی فیصلہ کر دیا جاتا نہ تو کوئی اگلی تاریخ دی جاتی اور نہ ہی اس کے لئے بار بار نشست کی ضرورت پیش آتی۔

اھل نجد تمام کے تمام بلحاظ مسلک حنبلی تھے اس کے ساتھ ساتھ غالب اختیارات و ترجیحات میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید امام ابن القیم رحمہ اللہ کے اقوال کو قبول کرتے تھے۔ اور پھر ان دونوں بزرگوں کے بعد امام دعوت و تبلیغ الشیخ محمد بن عبدالوہاب ان کی اولاد پوتوں اور شاگردوں کے اقوال پر بھی عمل پیرا رہتے۔ نیز ہر وہ قول بخوشی قبول کر لیتے' چاہے کسی اور مذہب کا مگر جس کی دلیل قوی و مضبوط ہو۔ قاضی صاحبان کا تقرر و تعین شاہ عبدالعزیز کی جانب سے ہوتا جن کو وہ معزز اور عالم فاضل' اہل حق لوگوں سے منتخب فرماتے۔ ان کی تنخواہیں اور عطیات بیت المال سے مقرر کی جاتیں۔ یہ تقرریوں کا طریقہ کار اور اس کا براہ راست شاہ سے تعلق یونہی چلتا رہا یہاں تک کہ ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۹۵۴ء میں شاہ سعود بن عبدالعزیز کے عہد حکومت میں ایک شاہی فرمان کے ذریعہ مملکت کے مفتی عام شیخ محمد ابراہیم بن عبداللطیف آل شیخ (متوفی ۱۳۸۹ھ بمطابق ۱۹۶۹ء) جو مملکت سعودیہ میں ایک نہایت علم والی شخصیت تھے کو مملکت کے تمام علماء اور مسلمانوں کے لئے ایک مرجع کی حیثیت دی گئی اور اسی اعتبار سے وہ نجد کے قاضی حضرات کا بھی مرجع ہو گئے اس سے قبل وہ قاضی حضرات کی نامزدگی اور اس کے ذمہ دار تھے۔ اور ان سے قبل ان کے چچا شیخ عبداللہ بن

عبداللطیف (متوفی ۱۳۳۹ھ) اپنے زمانہ میں نجد کے قاضی حضرات کی نامزدگی کا ایسا ہی اختیار رکھتے تھے۔

عام طور سے قاضی حضرات نے شہروں اور اس کے گردو نواح کو اپنا مرکز بنا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ دوسروں کی نسبت فیصلوں کو بآسانی تسلیم کر لیتے تھے۔ مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق طے پاتے۔ قاضی جو کہہ دیتا دونوں فریق بلا تامل رضا مندی سے اس کو قبول کر لیتے یہاں تک کہ عدالتی فیصلہ ایسا آسان تھا جیسے فتویٰ صادر کرنا۔

رہے غیر شہری علاقے تو شاہ عبدالعزیز کے دور حکومت کے اوائل میں ان میں ایسا نظام عدالت رائج تھا۔ جس کو (عارفہ کا فیصلہ) کہا جاتا ہے۔ "عارفہ" ان کے نزدیک ایسا ہی تھا جس طرح شہریوں کے نزدیک قاضی' یہ عارفین اپنے علم و حکمت' دانائی میں ممتاز ہوتے' اور قبیلوں کے رسم و رواج سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ لہٰذا جھگڑوں کی صورت میں یہ قبائل انہیں کو حاکم و قاضی بناتے تھے۔

مگر نجد میں "عارفہ" کا نظام ختم کر کے ان کی جگہ ان اخوان نے سنبھالی جو طالب علم ہوتے تھے۔ ان کا تعین شاہ عبدالعزیز نے فرمایا تھا' جب کہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے شیخ عبداللہ بن عبداللطیف کو یہ اختیار سونپ دیا تھا کہ وہ اہل علم میں سے داعیان دین کو جسے چاہیں منتخب کر کے بادیہ عرب میں بھیج دیا کریں جو واجبات اسلام کی تعلیم بھی دیں اور ساتھ ہی جھگڑوں میں فیصلہ کی ضرورت پیش آئے تو انہیں سی رجوع کیا جائے۔ اس طرح ان کے ذمہ دین کی تعلیم دینا بھی تھا اور اس کے ساتھ اگر کوئی نزاع پیش آئے تو رسمی فیصلہ کرنا بھی ہوتا تھا۔

۱۔ الاوضاع الشرعیہ والقضائیہ فی الدولۃ السعودیہ

پہلا موضوع

وسطی' شرقی اور شمالی علاقوں میں (رئاسہ القضاء) قاضیوں کی سربراہ نامی ادارے کے تعلق سے۔

۱۳۷۵ھ (بمطابق ۱۹۵۶ء) کے آخر میں قضاء کے معاملات کے نظم و نسق کے لئے ایک شاہی فرمان صادر ہوا جو حسب ذیل ہے۔

۱۔ منطقہ احساء اور اس کے زیر اثر پٹرول کی پائپ لائن کے ساتھ ساتھ آباد علاقے' ریاض اور اس کے زیر اثر علاقے' حائل اور اس کے ساتھ منسلک علاقے' بریدہ اور اس سے منسلک علاقے الگ شمار کئے گئے اور ان تمام علاقوں کے عدالتی اختیار رسماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم کے پاس تھے۔

۲۔ حجاز اور اس کے زیر اثر علاقے' شمالی منطقہ اور اس کے زیر اثر علاقے' عسیر اور اس سے جڑے علاقے' جیزان اور اس کے ساتھ منسلک علاقے۔ ان تمام علاقوں کے قاضی حضرات رئاسہ القضاء برائے مغربی علاقے کے ماتحت تھے۔

تو اس تبدیلی نے منطقہ وسطی میں ایک جدید رئاسہ القضاء کے معرض وجود میں لانے کی راہ کھول دی تھی اور اس کے بعد اس منطقہ میں مختلف عدالتی اداروں کو یکجا کیا گیا۔ چنانچہ ۱۳۷۶ھ میں نجد مشرقی علاقے اور پائپ لائن کے ساتھ آباد علاقوں کے لئے ایک مرکزی ادارہ تشکیل دیا گیا۔ جس کا مرکز ریاض قرار دیا گیا۔

اور جو قضاء کی ریاست کی مدد کرے گا اس نئے ادارے کے لئے متعین اختیارات کی روشنی میں عدالتوں کو تشکیل دیا گیا۔ محررین عدل کو مقرر کیا گیا۔ نجد اور مشرقی علاقے کے اہم شہروں میں اعلی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ چنانچہ اس طرح قاضی حضرات کی تعداد میں اضافہ ہوا اور ان کو

شہروں کے قریب اور دور دراز دیہاتوں میں متعین کیا گیا۔ اور مملکت میں موجودہ قوانین کی روشنی میں اعمال کے نظم و نسق اور موضوع کے لحاظ سے تقسیم اختیارات کے کام کا آغاز کیا گیا' قاضی حضرات کو دوسری ذمہ داریوں سے فارغ کر کے انہیں صرف عدل و انصاف کے لئے فارغ کر دیا گیا۔ اور جن ذمہ داریوں کا ہم نے پہلے ذکر کیا تھا وہ اب ان سے لے لی گئیں۔ بہرحال یہ ایک عارضی مرحلہ تھا جو اس وقت ختم ہو گیا جب دونوں سربراہی اداروں کو یعنی (قضاء کا ادارہ اور قاضیوں کا ادارہ) ایک ایوان کی صورت میں متحد کر دیا گیا۔ جس کے متعلق ہم آگے آگاہی حاصل کریں گے۔

سوم ایوان عدالت (رئاسہ القضاء) کا اتحاد اور وزارت عدل کا قیام

۱۳۷۹ ہجری تک قاضیوں کا سربراہی ادارہ مغربی علاقہ میں اس طرح سرگرم رہا جس طرح اس کا ہم مرتبہ ادارہ نجد مشرقی علاقہ اور پٹرول پائپ لائن کے ساتھ آباد علاقوں میں مصروف کار تھا۔ پھر اس سال وزراء کونسل کی طرف سے ایک قرار نمبر ۱۴۳ بتاریخ ۹ / ۹ / ۱۳۷۹ھ جاری کیا گیا' جس کے مطابق سربراہ کونسل کو عدلیہ کی تشکیل کے متعلق ضروری کارروائی اور دفتری تفصیلات کا جائزہ لے کر ضروری اقدام اٹھانے کا کام سونپا گیا تاکہ مملکت میں نظام قضاء کو متحد کر کے ایک سربراہ کے ماتحت کیا جا سکے اور جس کا صدر دفتر ریاض میں ہو۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں سرکلر نمبر ۱۹۴۶ء کے تحت ۲۲ / ۹ / ۱۳۲۹ھ کو سماحتہ الشیخ محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف آل شیخ رحمہ اللہ کی سربراہی میں نظام عدلیہ کے متحد ہونے کا اعلان جاری ہوا۔ اور ماہ شوال کے آغاز ۱۳۲۹ھ میں اس نظام کے نفاذ کا اعلان کیا گیا جس کے بعد مغربی علاقہ کی رئاسہ القضاء کو الشیخ عبداللطیف کی سربراہی میں دے دیا گیا اور اس اعلان کے ساتھ مغربی علاقہ میں رئاسہ القضاء متحدہ سربراہی ادارے کی شاخ کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔

تنظیم نو کے بعد متحدہ ایوان عدالت شرعی و تنظیمی حیثیت سے عدالتوں' محررین عدل اور بیت

المال کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے لگی' عمدہ کارگردگی کے لئے ضروری اقدامات کی طرف توجہ دی جانے لگی۔ ادارہ اپنے آغاز قیام ہی سے ان مندرجہ ذیل امور کا بھی نگران تھا۔

۱۔ تعلیمی بورڈ کی درسی کتابوں اور ادارے میں تعلیم کے مقرر کردہ نظام تعلیم کی نگرانی کرنا اور ادارۂ تعلیم کو شرعی تعلیمات سے متصادم پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا۔

۲۔ ادارۂ امربالمعروف کی نگرانی کرنا' فرائض کی بجاآوری کے لئے اسے ابھارنا اور امربالمعروف و نہی عن المنکر میں اپنے حدود سے تجاوز کرنے پر اس کو تنبیہہ کرنا۔ اس ادارہ سے وابستہ بعض ایسے واعظ و مرشدین بھی تھے جو ایوان عدالت رئاسہ القضاء سے بھی منسلک تھے۔ پھر بعد میں اس ذمہ داری کو الگ کر کے اس کا ایک الگ بورڈ بنا دیا گیا۔ جس کے سربراہ کا درجہ وزیر کے برابر تھا۔

۳۔ ائمہ مساجد اور مؤذنین کا تقرر اور ان کی ترقی' برطرفی' چھٹی وغیرہ کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار بھی اسی بورڈ (ھیئتہ رئاسہ القضاء) کو تھا۔ لیکن جب ۱۳۸۱ھ میں وزارت حج و اوقاف کا قیام عمل میں آیا تو یہ ذمہ داری اس کو منتقل کر دی گئی۔

۴۔ سرکاری اساتذہ کی مساجد میں تقرری ان کی برطرفی و منتقلی اور ان کی تعطیلات وغیرہ کے امور دیگر عام ملازمین کے نظام کے تحت آتے ہیں اور ان کے دیئے گئے لیکچر کی نگرانی کرنے کا حق رئاسہ القضاء کو ہے۔ یہ ایوان کسی ایسے درس کی اجازت ہرگز نہ دے گا جو عقیدہ و شریعت کے مخالف ہو گا۔ پھر اس اختیار کو ۱۳۸۴ھ میں تشکیل دئے گئے ادارہ امور حرمین و امور دینی کو دے دیا گیا۔ (الرئاستہ العامہ لشئون الحرمین الشریفین)۔

۵۔ رئاسہ القضاء کی ذمہ داری میں حکومتی محکمہ جات کے مسائل میں فتویٰ دینا تھا۔ ایسے سوالنامے جو عام افراد کی طرف سے بھیجے جائیں جن میں عدالتی فیصلے کا مطالبہ نہ ہو اور جن کو صرف دینی رو سے معلوم کرنے کے لئے بھیجا جائے وہ سب اس رئاسہ القضاء کی طرف بھیجے جائیں گے۔(۱) پھر یہ اختیار

۱۔ شرعی نظام عدل کے بارے میں شاہی فرمان جو ۲۴ صفر ۱۳۴۶ھ کو صادر ہوا دیکھئے مجموعہ الانظمہ ص ۶ ۔ ۱۰ دفعہ ۲ ۔ ۴ ۔ ۵ ۔ ۷ ۔ ۹ ۔ ۱۱

الرئاسہ العامہ للبحوث العلمیہ و الافتاء والدعوۃ و الارشاد کی طرف منتقل ہو گیا۔ جو ۱۳۷۵ھ میں صرف دارالافتاء کے نام سے بنایا گیا تھا۔ (ا)

اسی طرح یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ایوان عدالت (رئاسہ القضاء) درحقیقت تمام وزارتوں اور ریاستوں کی اصل و آغاز تھی' رئیس القضاۃ بیک وقت وزیر عدل اور سربراہ عدالت عالیہ کے فرائض سرانجام دیتا تھا جب کہ یہ عمل خلافت اسلامیہ میں قاضی القضاۃ کا تھا جس کو ایسے تمام حکام اور احکام کی نگرانی کا اختیار حاصل تھا۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

وزارت عدل

۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۹۶۲ء کے موسم گرما میں رئیس مجلس وزراء (وزیر اعظم) شاہ فیصل رحمہ اللہ نے اپنے نشرکردہ بیان میں اس عزم کا اظہار کیا کہ حکومت وزارت عدل کا عہدہ قائم کر کے (قضاء) کے تمام محکمانہ معاملات اس کی نگرانی میں دے گی۔ پھر بیان کے بعد آئندہ مالی سال کے لئے حکومت کے پبلک بجٹ میں وزارت عدل کے نام سے ایک خاص مد رکھی گئی۔ پھر بجٹ میں ہر سال اس مد کا ذکر آتا رہا مگر ایک مستقل وزیر عدل ۱۳۹۰ھ بمطابق ۱۹۷۰ھ میں جا کر مقرر کئے گئے اور اسی سال وزارت عدل کا قیام عمل میں آیا۔ جس نے رئاسہ القضاء کی جگہ سنبھال لی اور وہ تمام اہم امور جن کو رئاسہ القضاء سرانجام دیتی تھی وزارت عدل کے ساتھ منسلک کر دیئے گئے جیسے کہ عدالتوں کی تنظیمی اور مالی امور کی نگرانی اور اس کے ماتحت عدالتوں میں سے چھان بین کی عدالت کو الگ کر کے

ا۔ ایک شاہی فرمان نمبر م ۔ ۱۳۷ مورخہ ۸ ۔ ۱۱ ۔ ۱۳۹۱ھ کو علماء کونسل (ھیئتہ کبار العلماء) کی بنیاد ڈالی گئی۔ مجلس کے فرائض یوں ہیں۔

ا۔ ولی الامر کی طرف سے تحقیق کی خاطر روانہ کی گئیں عرضداشت جن پر شرعی دلائل کے مطابق اپنی رائے کا اظہار مطلوب ہو۔

ب ۔ (ولی الامر) سربراہ مملکت کی دینی اہتمائی کے لئے ایک رپورٹ کی تیاری جس میں تحقیقاتی مقالات کی روشنی میں سفارشات مرتب کی گئی ہوں

"الھیئہ القضائیہ العلیا" اعلیٰ عدالتی بورڈ کے تحت کر دیا گیا تھا جس کے بارے میں ہم ان شاء اللہ گفتگو کریں گے۔

وزارت عدل کو یہ اختیار تھا کہ وہ مملکت میں عدلیہ کو موثر بنانے کے لئے ان تدابیر اور مشوروں پر عمل درآمد کرے جس سے نہ صرف اس کا وقار بلند ہو بلکہ معیار بھی بلند ہو۔ اسی طرح وہ مجلس القضاء الاعلیٰ (مجلس اعلیٰ برائے قضاء) کی طرف سے بھیجے گئے مشوروں اور قراردادوں کا مطالعہ کرے اور اپنی سفارشات کے ساتھ اس کو حکومت کو بھیجے تاکہ اس کی طرف سے فرمان کے ذریعے انہیں قانونی شکل ملے۔

حکومت محکمہ قضاء کی طرف بھرپور توجہ اس جذبہ کے ساتھ دے رہی تھی کہ عدل کو عام کرنا عظیم ترین مقصد ہے اور اسی جذبے کے تحت وزارت عدل نے عدالتوں کی تنظیمی اور افرادی قوت کی طرف توجہ دی۔ اسٹاف کی سہولتوں میں اضافہ کیا ان کے لئے رہائشی کالونیاں بنائیں۔ اسی طرح اس نے عدالتوں، محررین عدل، اور شرعی مجالس کے مستقل دفاتر بنائے اور عدالتوں کو ہمہ جہت ترقی دی۔ اور اس میدان میں بے شمار اصلاحات کیں۔

مملکت سعودیہ میں تاریخ قضاء کا مطالعہ کرنے والا اس بات کو محسوس کرے گا کہ اس کے حکام عدالتی معاملہ میں کس حد تک اہتمام سے کام لیتے تھے۔ امام محمد بن سعود کے دور حکومت سے دیکھئے جب پہلی سعودی حکومت کا قیام عمل میں آیا تھا تو یہ وہی امام سعود تھے۔ جو اس سلفی دعوت کی مدد و کامیابی کے لئے کمربستہ ہو گئے تھے۔ جس کے علمبردار شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ تھے اور جن کا دور بارھویں صدی ہجری میں تھا اور جب کہ شاہ عبدالعزیز نے اس مملکت کو یکجا کر دیا اور پھر ہمارے اس موجودہ وقت تک کے ہر مرحلے میں یہ حکومت شریعت اسلامیہ کے مطابق حکومت کی باگ دوڑ چلاتی رہی ہے۔

شاہ عبدالعزیز نے عرب کے بادیہ نشینوں کو یہ اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا کہ قانون کو ہاتھ میں

نہ لیں اور جھگڑوں میں بجائے انتقام لینے کے فیصلوں کے لئے عدالتی چارہ جوئی کو ترجیح دیں۔

پھر ان کے بعد شاہ سعود آئے اور اپنے والد محترم کے کام کی تکمیل کرتے ہوئے اس کو مزید وسعت دی اور قاضی حضرات کی تعداد میں اضافہ کیا اور انہیں شہروں' قصبوں اور دیہاتوں میں متعین فرمایا۔

پھر ان کے بعد شاہ فیصل رحمہ اللہ آئے۔ انہوں نے عدالتی نظام کو منظم فرمایا اور اس کو مکمل طور پر آزادی دی۔

یہاں تک کہ شاہ خالد بن عبدالعزیز کے دور حکومت میں اور پھر ان کے بعد شاہ فہد کے دور حکومت میں نظام قضاء کو حکومت کی توجہ اور مالی تعاون حاصل رہا ہے۔ اس کی سب سے اچھی مثال وہ شاہی فرمان ہیں جو نظم و نسق سے متعلق تھے اور وہ قرار دادیں اور نظام عمل ہے جن کے ذریعے قضاء سے وابستہ افراد کو مادی' انتظامی اور مصنوعی قوت بہم پہنچائی جاتی رہی ہے۔

مملکت میں انصاف' ترقی اور آبادکاری میں وزارت انصاف کا کردار

گذشتہ سالوں میں وزارت عدل میں عظیم تبدیلیاں آئی ہیں' جو عدالتی مشنری عدالتی اداروں کی اسلامی احکام کی تطبیق کے تعلق سے بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں سے ہم آہنگ ہیں اور اس طرح مملکت جن اقتصادی اور معاشرتی تبدیلیوں سے گذری ہے اس کا اثر اس وزارت میں بھی نمایاں ہے۔

چنانچہ اس ذمہ داری کے احساس کو سامنے رکھتے ہوئے اور مملکت کی طرف سے اہم ادارے کی ہر ممکن ترقی کی کوششوں سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے وزارت عدل نے یہ اقدام اٹھائے ہیں۔

ا۔ حکومت کی پنجسالہ منصوبہ بندی کی روشنی میں وزارت کے پروگرام کی تیاری

یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ ترقی اور پیشقدمی کے لئے ایک عملی لائحہ عمل ناگزیر ہے۔ للہذا

مجلس وزراء کی جانب سے مورخہ ۴ر ۷ر ۱۳۸۹ھ بمطابق ۱۹۶۹ء کو ایک سرکلر جاری ہوا کہ حکومت نے منصوبہ بندی کا عمل تمام سیکٹروں میں شروع کر دیا ہے تاکہ ہر وزارت و محکمہ پانچ سال کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کرے۔ چنانچہ عدلیہ کے ڈھانچے کی تشکیل' اس کی ترقی اور عدلیہ کے اداروں کے پروگرام کی منصوبہ بندی اس روشنی میں ضروری ہو گئی ہے۔

اسی طرح وزارت عدل نے اپنا پہلا پانچ سالہ پروگرام ۱۳۹۰ھ سے لے کر ۱۳۹۵ ہجری بمطابق ۱۹۷۰ء۔ ۱۹۷۵ء کے لئے حکومت کو پیش کیا' اس کے بعد عدلیہ کا دوسرا پانچ سالہ پروگرام ۱۳۹۵ھ بمطابق ۱۹۷۵ء کے درمیانی عرصہ میں پیش ہوا جو مندرجہ ذیل منصوبوں پر مشتمل تھا۔

ا۔ نئی عدالتوں کا قیام

ب۔ گشتی عدالتوں کا آغاز

ج۔ نئے عدالتی محررین کے آفسوں کا قیام

د۔ بڑے بڑے شہروں میں کاتب عدل (رجسٹرار آفس) کی مزید شاخیں کھولنا۔

ھ۔ پہلے سے قائم عدالتوں کو مزید مضبوط کرنے کے لئے حسب ذیل اقدامات کئے گئے:۔

۱۔ عدالتوں میں کام پر نظر رکھنے والے ایک یونٹ کا قیام

۲۔ جن عدالتوں میں بیت المال نہ تھے ان میں جدید بیت المال قائم کرنا اور قائم شدہ بیت المال کو مزید مضبوط بنانا۔

۳۔ شہروں میں عدالتوں سے وابستہ ماہرین کے لئے دفتری ڈھانچہ کا قیام۔

۴۔ عدالتوں میں کتب خانہ (لائبریری) کا قیام

۵۔ ریاض کے ھیئہ التمیز (عدالتی فیصلوں کی جانچ کی عدالت) کو مضبوط اور مؤثر بنانا۔

۶۔ مکہ المکرمہ میں ھیئہ التمیز (عدالتی فیصلوں کی جانچ کی عدالت) کو مضبوط اور مؤثر بنانا۔

۲۔ قضاء اور عدلیہ سے منسلک افراد اور اسٹاف کے معیار کو بلند کرنا

قضائی ڈھانچے اور اس کے لئے ایک مستقل عملہ کی تیاری اور ان کی صلاحیت کو بلند کرنے کا پہلا مرحلہ وہ تھا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یعنی ۱۳۸۵ھ میں "المعہد العالی للقضاء" کی بنیاد اس لئے ڈالی گئی تھی اگرچہ "المعہد العالی للقضاء" وزارت تعلیم العالی کے تابع تھی تاہم اس کی تأسیس کا اصل مقصد قاضی حضرات کی تیاری اور انہیں اس منصب کا اہل بنانا تھا جو نقشہ آئندہ تیار ہونا تھا اس میں ان ملازمین کا کردار بھی متعین کیا گیا تھا جو بطور قاضی کے مرافق کے اس کے ساتھ ساتھ ایک مدت تک وابستہ رہیں اور پھر جب ان کو تجربہ ہو جائے تو ذمہ داری سنبھالیں اور اسی طرح یہ وزارت نامزد ملازمین کو مشق و تجربہ کے لئے دوسرے محرر عدل کے ساتھ مل کر کام کرنے کے مواقع فراہم کرتی ہے چنانچہ اسی ضرورت کے مستقل حل کے لئے ایک تربیتی مرکز بھی قائم کرنے کا منصوبہ زیر غور ہے۔

۳۔ نظام عدل کی مشنری کے اسلوب عمل میں اصلاح و تحسین

ا : وزارت عدل نے اپنی کارکردگی کو آسان اور موثر بنانے کے لئے دستاویزی عبارت ' معاہدات کی عبارت ' وکالت ناموں اور انخلاء کے کاغذات کے پہلے سے تیار چھپے فارم کو رائج کیا تاکہ اس طرح شہریوں کا کام آسان اور فوری انداز میں ہو سکے۔

ب ۔ شہریوں کی آسانی و سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے وزارت نے بڑے بڑے شہروں میں محررین عدل کی شاخیں قائم کیں ' اس طرح ان اداروں کے درمیان اعمال کی تقسیم کر دی گئی۔ اسی طرح وزارت نے بعض کاتبین عدل کو وزارت تجارت کی سرکردگی میں کام کرنے والے شعبہ برائے تجارتی کمپنیاں میں بھی مقرر کیا جو کمپنی کے معاہدوں کو شروع سے رجسٹرڈ کرتے ہیں۔ اس طریقہ کار کی وجہ سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے اور سب سے بڑھ کر کام کو جلد سے جلد نپٹانا آسان ہو گیا نیز ان

دفاتر میں جو اصحاب معاملات کی بھیڑ رہتی تھی وہ چھٹنے لگی۔

ج ۔ آلات تصویر اور ٹائپنگ کی سہولت میں اضافہ

اس ادارہ کے روزہ مرہ کے معاملات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے ایسی جدید ٹیکنالوجی کی ضرورت تھی جو شہریوں کے معاملات بڑی تیزی اور عمدگی سے نبٹا سکے ۔ لہٰذا معاملات کو جلد اور کم سے کم وقت میں انجام دینے کے لئے عدالتوں کے لئے اور عدالتی دفاتر کے لئے ان آلات کی فراہمی عمل میں لائی گئی۔ ابھی تک دستاویزات ہاتھ سے لکھی جاتی ہیں اب یہ بھی زیر غور ہے کہ احکام اور دستاویزات کو بھی ٹائپنگ سے لکھا جائے۔

د ۔ کمپیوٹر : عصر حاضر میں کمپیوٹر' دفتری امور میں انقلابی طور پر اثر انداز ہوا ہے' جس سے اسلوب عمل میں زبردست تبدیلی آئی ہے۔ چنانچہ روز مرہ کے کاموں میں بہتری کے لئے وزارت نے پٹرول اور منرل یونیورسٹی (King Fahd petroleum and mineral University ۔ Dahran) کے تعاون سے کمپیوٹر کے استعمال کی افادیت کا جائزہ لیا۔ جامعہ کی رپورٹ آنے کے بعد اس میدان میں وزارت نے سب سے پہلا تجربہ محاکم اور مشرقی صوبے کی کتابت عدل سے منسوب افراد کی تنخواہوں کی فائلوں کو جامعہ کے کمپیوٹر میں داخل کر کے کیا ہے۔

ب ۔ وزارت ایسے انتظامات کر رہی ہے کہ یہ نظام مملکت میں ہر جگہ پھیل جائے تاکہ تمام ادارے اس سے مستفید ہو سکیں اور اس طرح وزارت کے ترقیاتی منصوبے کمپیوٹر کے ذریعے اور جلدی آگے بڑھ سکیں۔

ھ ۔ مائیکرو فلم : وزارت عدل کے محاکم اور کتابت عدل میں اہم اور قیمتی دستاویزات ہوتی ہیں جن کو ضائع ہونے سے' غائب ہو جانے سے بچانا ایک اہم ذمہ داری ہے۔ چنانچہ وزارت نے اس طرح خصوصی توجہ دی اور تمام سرکاری کاغذات کو محفوظ رکھنے کے لئے اور کسی بھی اتفاقی حادثہ سے ریکارڈ کو بچانے کے لئے اس کو مائیکرو فلم میں منتقل کر کے محفوظ کر لیا ہے۔

اس طرح سے یہ بھی یقینی ہو گیا کہ جو ریکارڈ جیسا ہے ویسا ہی محفوظ رہے گا اور اس میں کوئی اضافہ' کمی' اور تبدیلی نہ لائی جائے گی۔ اور اس کی کاپی جب ضرورت ہو آسانی سے نکالی جا سکے گی۔

۴ ۔ طریقہ کار کے قواعد و ضوابط اور ہدایات

وزارت عدل کی کوشش یہی ہے کہ عدالتی کارروائی' مقدمے کے طریقہ کار پر مستقل قواعد نافذ کئے جائیں کیونکہ یہ بھی عدالتی تنظیم کا ایک اہم حصہ ہے۔ چنانچہ ایک خصوصی عدالتی کمیشن کے توسط سے اس مقصد کے لئے بہت سے منصوبے تیار کئے گئے ان میں سے مندرجہ ذیل پر کام مکمل ہو چکا ہے:۔

ا۔ مقدمات دائر کرنے کا نظام

ب۔ نظام تحکیم (فیصلہ صادر کرنے کا نظام)

ج۔ نظام وکالت

اور جن نظاموں کی تیاری جاری ہے وہ یہ ہیں:۔

ا۔ تعزیری کارروائی کا نظام

ب۔ نکاح خوانوں کے نظام کا اجراء

ج۔ غیر منقولہ جائیداد کے ریکارڈ کا نظام

غیر منقولہ جائیداد کے نظام کی تیاری کے لئے شاہی فرمان کے مطابق ایک اعلیٰ تکنیکی عدالتی کمیشن قائم کیا جا چکا ہے۔ اس نظام کا خلاصہ یہ ہے کہ شہروں میں غیر منقولہ جائیداد کی تقسیم اس طرح سے کی جائے گی کہ ہر شہر کو یونٹوں میں اور ہر یونٹ کو کالونیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اس تقسیم کی باقاعدہ پلاننگ کر کے نقشہ بنا ہو گا پھر ہر پلاٹ میں واقع جائیداد کا نام' پلاٹ نمبر' آبادی نمبر' یا کالونی نمبر سے جانا جائے گا۔ اس طرح پلاٹ کے حدود اربعہ واضح کئے جائیں گے گویا یہ انسانی شناختی کارڈ کی طرح کی چیز ہو گی۔ تمام زمینی معاملات مثلاً خرید و فروخت' رہن سہن' انتقال وقف کے متعلق

معلومات کا ریکارڈ رکھنا اس سے مقصود ہے۔ اس نظام سے یہ فائدہ حاصل ہو گا کہ صحیح مطلوبہ زمین کے متعلق کم سے کم وقت میں ہر قسم کی معلومات فوری طور پر حاصل ہو جائے گی۔

۵-عرب ممالک میں یکسان قانون سازی کی کوششوں میں شرکت

زندگی کے تمام شعبوں میں شریعت اسلامیہ کے مطابق احکام نافذ کرنے اور عالم عربی و اسلامی میں اس کا معیار بلند کرنے کے جذبے سے وزارت عدل پرسنل لا کے تعلق سے شہری احوال اور تعزیراتی قانون کو یکساں بنانے کی موجودہ کوششوں میں شریک رہی ہے۔ عرب لیگ اور وزرائے عرب کی کانفرنس کی کوشش ہے کہ ریسرچ کے ذریعے تمام احکام شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو جائیں تاکہ تمام عرب ممالک ان نعمتوں اور کامرانیوں سے ہمکنار ہوں جو اللہ رب العزت نے اپنی شریعت نافذ کر کے اس امت پر کیئے اور اس کے راستہ میں جو اطمینان قلب ملتا ہے وہ اسے حاصل کریں۔

۶-(الاعلام القضائی) قضاء کا تعارفی لٹریچر

شہریوں کا نظام عدل سے واقف ہونا ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ ان کا عدالتی طریقہ کار سے آگاہ ہونا میدان عدل و انصاف میں بہتر طور پر خدمات سرانجام دینے میں بہت معاون ہوتا ہے۔ نیز اہل علم و فن کو عدالتی امور سے آگاہ رکھنا معاشرے کو عدلیہ سے جوڑنے کے لئے ضروری ہے۔ ابھی تک وزارت نے یہ کیا ہے کہ اسے عدالتی نظام کی دفعات اور ہدایات کا ایک مجموعہ ۱۴۰۰ھ بمطابق ۱۹۸۰ء میں جاری کیا ہے اور پھر اعداد و شمار پر مشتمل ایک نشریہ تیار کیا ہے اور اب وزارت ایک سہ ماہی رسالہ "رسالہ فقہ و قضاء" کے نام سے جاری کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

اسی سلسلہ میں وزارت نے اپنے دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کے اندر اس رسالہ کے لئے ایک الگ ادارتی شعبہ کے قیام کی منظوری بھی دے دی ہے۔

اسٹاف کوارٹر اور عدلیہ کی عمارتوں کی تیاری و تعمیر نو

محاکم اور دوسرے عدالتی ادارے جن مشکلات سے دوچار تھے ان میں سے ایک مسئلہ عمارتوں کا بوسیدہ ہونا' پرانا اور تنگ ہونا تھا اور یہ ایسی باتیں تھیں جو قضاء و عدل کے مقام کے سراسر منافی تھیں۔ چنانچہ اس پہلو پر خاص توجہ دی گئی اور جدید دفاتر و عمارتوں کی تعمیر کا پروگرام طے کیا گیا۔ اب تک چالیس عدالتی دفاتر کے لئے جدید ترین عمارتوں کی تعمیر کا کام مکمل ہو چکا ہے اور ان میں عدالتوں کی جملہ ضروریات فراہم ہیں۔ اس کے بعد سے عدالتوں میں کام کرنے والوں میں ایک خوشگوار تبدیلی محسوس کی گئی ہے جو ان کے کاموں سے صاف جھلکتی ہے۔ ترقی و کامرانی کے جس راستے پر وزارت عدل گامزن ہے یہ اس کا ایک سرسری تعارف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وزارت عدل نے رجسٹرار' نوٹری کے لئے الگ دفاتر کا قیام کر کے ان کے کاموں کو آسان بنا دیا۔ مالی معاملات مثلاً بیع' وکالت کفالت اور رہن میں اس سے سہولت ہو گئی۔ دوسری طرف اجتماعی و اقتصادی ترقی و خوشحالی میں عدلیہ کا کردار سامنے آیا کہ شہریوں کے لئے عدلیہ کے نظام کو سہل و آسان بنا دیا گیا اور ہر قسم کی مشقت و کلفت ان سے دور کر دی گئی۔ اور شہریوں کو اس سے بہت سہولت و آسانی ملی۔

چہارم : تنظیمی اور عدالتی تعلیمات

کسی بھی ملک کے نظام قضاء کا معیار اس کی قومی تہذیب و تمدن کے نشو نما اور عدل و اخلاق سے وابستگی کی عکاسی کرتا ہے اور جن ممالک میں شریعت اسلامیہ کے مطابق تمام امور میں فیصلہ کیا جاتا ہو وہاں عدل و انصاف اور مساوات کے اصول نہایت روشن ہو کر ابھرتے ہیں۔ خواہ یہ فیصلے پرسنل لاء کے تعلق سے ہوں یا شہری' تعزیری اور تجارتی حقوق سے متعلق ہوں۔

بے شک و شبہ حکومت سعودیہ جس کا قانون و دستور اسلام پر مبنی ہے۔ فخر کے ساتھ یہ اعلان کرتی رہی ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اس کے نظام قضاء کا سرچشمہ ہیں

اور اس سے عدل میں مساوات کا درس ملتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ دینی و اخلاقی اقدار کی پاسبانی بھی ہوتی ہے۔ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ عدالت کا کام قانونی بھی ہے اور مصالح کی رعایت کا بھی اس لئے ضروری تھا کہ عدلیہ کی تنظیم سازی کی جائے اور یہ کام ظاہر ہے حکومت ہی کر سکتی ہے الحمدللہ یہ کام کیا گیا ہے اور اس میں اس بات کا خیال خاص رکھا گیا ہے کہ وہ احکام شریعت جنہیں قرآن و سنت اور اجماع مسلمین سے اخذ کیا گیا ہے ان کو برقرار رکھتے ہوئے ایک نظام کار وضع کیا جائے تاکہ اس طرح عدل بھی عملاً حاصل ہو سکے اور عدالتی امور صحیح طرح سے انجام پا سکیں۔ قضاء کو منظم کرنے کے لئے جو کام ہوئے ہیں۔ ہم ان کو دو عنوانات کے تحت پیش کریں گے۔

۱۔ موضوع اول : عدالتی اور دفتری امور کی تنظیم

۲۔ موضوع دوم : مقدمہ کی کارروائی اور عدلیہ کا نظام کار

موضوع اول

عدالتی اور دفتری امور کی تنظیم

۱۔ عدالتوں کی صورت حال اور ان کی تشکیل سعودی عرب کی تاریخ قضاء میں پہلی مرتبہ ۴ صفر ۱۳۴۶ھ بمطابق اگست ۱۹۲۷ء کو عدالتی تشکیل کے نظام کے بارے میں ایک شاہی فرمان جاری ہوا جو پانچ فصلوں پر مشتمل تھا' پہلی فصل عدالتوں کی تشکیل اور ان کے طریقہ کار کے بارے میں تھی۔ دوسری فصل محکمہ برائے نگران امور عدالت جس کو۔ ھیئۃ التمییز یعنی محکمہ برائے امتیاز و تفریق کہا جاتا ہے' کے بارے میں تھی۔ تیسری فصل عدالتی فیصلوں میں تیزی لانے کے بارے میں تھی چوتھی فصل محررین عدل کے محکمے کی تشکیل اور اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں تھی اور پانچویں فصل بیت المال کے دفاتر اور ان کے دائرہ کار کے بارے میں تھی۔

اس شاہی فرمان سے ان امور کی اصلاح ہوئی جن کا تعلق براہ راست عدالتوں اور ان کے دائرہ عمل اور مقدمات کے طریقہ کار سے تھا اور اس کے علاوہ دوسرے ان اداروں کے بارے میں بھی اس فرمان میں ذکر تھا جو عدلیہ کے لئے تکمیل کا حکم رکھتے ہیں۔ اس فرمان میں ۱۰ دفعات تھیں۔ عدالتوں کی درجہ بندی' تشکیل' مقدمہ کی کارروائی کے بارے میں جاری یہ فرمان عدالتی تنظیم کی تاریخ اور مملکت میں عدالتی اصولوں کی بارے میں ایک اہم ترین وثیقہ تصور کیا جائے گا۔ اور یہ کہنا بجا ہو گا کہ یہی وہ پہلا قدم تھا جس نے متحدہ مملکت سعودیہ میں نظام قضاء کو بھی متحد و یکجا کر دیا اور جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ سن ۱۳۹۵ھ میں جدید نظام کے بعد پورا ہو گیا' اس شاہی فرمان میں شامل سب سے اہم بات یہ مقدمات کے لئے کسی بھی فیس کا نہ رکھنا تھا۔ اس مذکورہ فرمان کے دفعہ ۱۶ کے مطابق تمام مراحل کی عدالتوں میں فریقین کو کوئی عدالتی فیس نہیں ادا کرنی ہو گی۔ ہم اس کے بارے میں مزید تفصیل آگے پیش کریں گے۔

۲ ۔ سن ۱۳۵۷ھ میں شرعی نظام قضاء کی ذمہ داریوں کا یکجا کر دینا

۱۳۵۷ھ بمطابق ۱۹۳۸ء میں اس نظام کی ذمہ داریوں کو یکجا کرنے کا حکم جاری ہوا اور وہ ان تمام اداروں و تنظیموں کے لئے پہلا تفصیلی نظام تھا جو کسی نہ کسی صورت و حالت میں نظام عدلیہ سے منسلک تھیں۔ اور باوجودیکہ یہ پہلے سے زیادہ تفصیل سے تھا۔ اس لئے اس میں ۲۸۲ دفعات تھیں۔ مگر اس کے باوجود سابقہ فرمان کی ۲۰ دفعات میں جو کچھ ہوا تھا یہ اس کے مطابق تھا اور انہیں خطوط پر بنایا گیا تھا۔ اس میں ایک ہی استثناء تھا۔ یعنی مقدمہ پیش کرنے کا نظام جو ایک الگ فرمان کے ذریعے ۱۳۵۵ھ میں الگ کر دیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں ان شاء اللہ ہم آئندہ گفتگو کریں گے۔

اس میں عدالتوں کی درجہ بندی میں کوئی تبدیلی نہیں لائی گئی تھی۔ سوائے اس کے کہ عدالتی امور کی نگران کمیٹی کا نام بدل کر اسے محکمہ برائے تنقیح امور شرعیہ (ھیئہ التدقیقات الشرعیہ) کا نام دیا گیا اور اس کے علاوہ عدالتوں کے دائرہ عمل میں کچھ اضافہ کر دیا گیا تھا۔ ان میں سب سے اہم قاضیوں کے خلاف عدالتی کارروائی کا قانون ہے۔ اس طرح نظام جدید کے مطابق عدالتوں کو بشمول محررین عدل (مصدقین دستاویزات) بیت المال (سرکاری خزانہ شرعی و دفتری دونوں لحاظ سے) عدالتوں کی چھان بین کا محکمہ اس کے اعمال و واجبات ' اختیارات اور اس کے ملازمین کے تمام معاملات کو عدالتی امور کی نگرانی کمیٹی کے بدلے (رئاسہ القضاء) قاضیوں کے سربراہی ادارے کے ساتھ مربوط کر دیا گیا۔

نظام عدلیہ کے انتظامی گوشوں میں وسعت کے متعلق جائزہ لیا جائے تو وہ جدید حکومت میں عدلیہ کے اختیارات کے قانون سے مشابہت کے ساتھ اس سے کچھ زیادہ ہی ہے کہ اس میں عدالتی و انتظامی تنظیم سازی دونوں شامل ہیں۔

مندرجہ ذیل عنوانوں پر نگاہ ڈالنے سے واضح ہو جائے گا کہ یہ نظام کن کن اداروں پر مشتمل ہے :۔

۱۔ رئاسہ القضاء (قاضیوں کی سربراہی کا ادارہ)

۲۔ تفتیش المحاکم (عدالتوں کی چھان بین کا محکمہ)

۳۔ قاضیاں عدالت

۴۔ محررین عدالت (رجسٹرار)

۵۔ عدالتی سمن کی تعمیل کرانے والے

۶۔ محررین عدل (مصدقین دستاویزات)

۷۔ بیت المال کے دفاتر

۸۔ دیگر عام معاملات و موضوعات

قاضیوں کی درجہ بندی کے ذیل میں یہ نام طے کئے گئے:۔

ا۔ سربراہ محکمہ ' اس عہدہ کا ہر عدالت میں اس قاضی پر اطلاق ہوتا ہے جو سب سے سینئر ہو اور جس کے ساتھ دو یا دو سے زیادہ قاضی ہوں۔

ب۔ قاضی (جج) یہ اس عدالت میں ہو گا جس میں ایک قاضی ہو یا جس کے ساتھ اس کا ایک نائب ہو۔

ج۔ معاون قاضی (اسسٹنٹ) ہر وہ محکمہ جس میں دو یا دو سے زیادہ نائب ہوں تو سینیئر نائب کا لقب "معاون سربراہ عدالت" ہو گا۔

د۔ نائب قاضی : ہر محکمہ جس میں دو یا دو سے زیادہ قاضی ہوں گے یہ اس میں قاضی دوم یا سوم نائب قاضی کہلائے گا۔

ھ۔ فوری انصاف کی عدالت اول کا قاضی : یہ وہ قاضی ہے جو فوری انصاف طلب مقدمات کی پیروی کرتا ہے۔

و۔ فوری انصاف کی عدالت دوم (ثانی) کا قاضی : یہ بادیہ میں ہر بستی میں قائم دو فوری انصاف کی

عدالتوں کے معاملات کی دیکھ بھال کے لئے ہوتا ہے۔

ز۔ قاضی برائے فوری انصاف' یہ لقب اس قاضی کو دیا جاتا ہے جو ان بستیوں کے لئے ہوتا ہے جہاں دو فوری انصاف کی عدالتیں نہ ہوں اور وہاں فقط محکمہ عامہ کا قاضی ہو۔

۳۔ عدالتی ذمہ داریوں کی مرکزیت کا قانون ۷۲ھ ۱۹۵۲ء (۱)

۷۲ ۱۳ھ بمطابق ۱۹۵۲ء کو عدالتی ذمہ داریوں کے نظام کا جو اعادہ کیا گیا تھا وہ سوائے بعض مواد کے' نئی عبارت کے بعد بعض حذف کردہ امور کے پہلے سے مختلف نہ تھا۔ اس طرح یہ ۲۸۲ دفعات کی بجائے ۲۵۸ دفعات پر مشتمل تھا۔ جن ۲۰ دفعات کو حذف کیا گیا تھا ان کا تعلق ھیئۃ التدقیقات (نظر ثانی بورڈ) کے اختیارات و مقدمہ کی کارروائی کے ان امور سے تھا۔ جن کی تصدیق یا نامنظوری ضروری ہو۔ مثلاً قاضی (جج) فیصلہ میں کوئی ایسے پہلوؤں کو ابھارے جن میں نظر ثانی ہو سکتی ہو یا طرفین میں کوئی بات رہ جائے جو اس نظر ثانی کو واجب کرتی ہو تو پھر یہ بورڈ کا کام ہے کہ اس کا جائزہ لے کر جو صحیح ہو اس کو طے کرے۔ اگرچہ کہ جدید ایڈیشن میں اس دفعہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ لیکن ھیئۃ التمییز کا عمل ابھی تک اسی کے مطابق چل رہا ہے تاکہ کسی فاش غلطی کا تدارک کرتے ہوئے درست نتیجہ تک پہنچا جا سکے۔ اسی طرح سابقہ ایڈیشن میں درج دفعہ ۷۳ کو حذف کر دیا گیا ہے جس کے مطابق اگر ممبران کمیٹی کی موجودگی میں کسی فیصلہ کی تدقیق یا نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہو اور جو بھی فیصلہ ہو رہا ہو لیکن اس پر نظر ثانی کے لئے وہ معاملہ پھر سے بورڈ کے سامنے آیا تو اس پر پھر سے غور ہو گا۔ اور اس کو جدید معاملہ سمجھا جائے گا خواہ دوسری نشست کے ممبران پہلی نشست میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ پھر سن ۱۳۹۴ھ میں نمبر ۴۰۲۸ کے تحت جو خطاب شاہی صادر ہوا اس میں اس بات کی پابندی کے لئے کہا گیا ہے۔ اسی طرح جدید ایڈیشن میں باب اول کی تیسری چوتھی اور

۱۔ دیکھئے ام القریٰ ۱۲ صفر ۷۲ ۱۳ھ بمطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۵۲ء

پانچویں فصل کو حذف کیا گیا ہے۔ اس میں سربراہ کتاب رئاسہ القضاء اور اس کے سربراہ قضاء کے چیف کاتب (میر منشی) کے اختیارات اور رجسٹرار یا کاتب اول کے اختیارات اور کاتب ثانی کے اختیارات کا ذکر تھا۔ ان فیصلوں میں ۱۹ دفعات یعنی ۳۸ سے ۵۵ تک ان موضوعات پر تھیں اور ان کے عوض چار نئی دفعات سامنے آئیں۔ جو وزارت قضاء کے دفتر کی تنظیم نو سے متعلق تھیں۔ (یعنی دفعہ ۳۳۔ ۳۶ تک) اسی طرح محاکم کی تفتیش کے متعلق باب دوم کی دفعہ نمبر ۶۸ کو حذف کر دیا گیا۔ جس کے مطابق افسر تحقیقات (المفتش) کے ذمہ جو فرائض ہیں اگر ان میں کوئی کوتاہی ہوگی تو وہ ان کا ذمہ دار شمار ہوگا۔ چنانچہ اس دفعہ کے بدلہ میں جدید فرمان کی دفعہ نمبر ۴۲ جاری ہوئی جو ہائی کورٹ کے محررین کے اختیارات کو طے کرتی ہے کہ وہ عدالتی مقدمات کو ماہانہ مخصوص رجسٹروں میں درج کریں گے اور یہ تفصیل لکھتے رہیں گے کہ کس مقدمہ کا فیصلہ ہوا اور کس کا باقی ہے۔ جو کاتب "عدالت عظمی" سے خاص ہے وہ اپنے دفاتر میں ان مقدمات کے ماہانہ رجسٹر تیار کرے گا۔ جن کے بارے میں مکمل غور و فکر اور فیصلہ ہو چکا ہوگا۔ اس کے علاوہ ان کو مقررہ وقت پر افسر تحقیقات کو پیش کرے گا۔

ظاہر ہے کہ اس دفعہ کی ترتیب و تبویب کا مقام نظام مذکورہ کا چوتھا باب ہے جو محکموں کے تعین پر ہی ہے۔ مگر چونکہ اس کی رپورٹ کا ایک تعلق محکمہ تفتیش سے بھی ہے۔ اس لئے اس کا یہاں بھی ذکر مناسب تھا۔ بہرحال یہ نظام پچھلے نظام سے زیادہ منظم ہے۔ اس لئے یہ اب تک نافذ العمل ہے۔ باوجودیکہ مملکت میں جدید نظام قضاء جاری کیا جا چکا ہے۔ جس میں اس نظام سے درج ذیل باتیں ہی مختلف ہیں۔

۱۔ عدالتی کیڈر سے متعلق وہ گفتگو جو نظام ذمہ داری کی مرکزیت کے تحت ہو چکی ہے اس کے سلسلے میں نظام قضاء کی ترمیمی دفعہ نمبر ۳۸ کے مطابق نظام عدالت کی درجہ بندی کچھ یوں ہے' عدالتی پولیس آفیسر قاضی گریڈ (ج) قاضی (ب) قاضی گریڈ (ا) وکیل محکمہ گریڈ (ب) وکیل محکمہ گریڈ (ا)

رئیس محکمہ گریڈ (ب) رئیس محکمہ گریڈ (ا) قاضی تمییز، رئیس محکمہ تمییز، رئیس اعلی عدالتی کونسل وزیر کے مساوی گریڈ پر۔

۲۔ وہ امور جن کا تعلق عدالت کے ناموں سے ہے تو نظام قضاء کی دفعہ نمبر ۵ کے مطابق محاکم کی تشکیل یوں ہوگی۔

ا۔ اعلیٰ عدالتی کونسل (مجلس القضاء الاعلیٰ) عدالت کا یہ درجہ پہلی بار طے کیا گیا ہے۔

ب۔ محکمہ تنسیخ مقدمات (محکمہ التمییز) یہ نام مجلس برائے تحقیقات امور شرعیہ (ھیئہ التدقیقات الشرعیہ) کی جگہ اختیار کیا گیا پھر اس کا نام بعد میں ھیئہ تمییز، (تنسیخ مقدمات بورڈ) کر دیا گیا۔

ج۔ عام عدالتیں (المحاکم العامہ) یہ نام عدالت عالیہ اور اس سے ملحق عدالتوں کے علاوہ عدالتوں کو دیا گیا۔

د۔ تعزیری محاکم جو فوری انصاف (المحاکم المستعجلہ) کے محاکم کے مقابل ہیں۔

۳۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے دفتری دائرے کے اختیارات تھے جن کے لئے مستقل حکومتی ادارے قائم کئے گئے اور جن کے بارے میں ذکر ہو چکا ہے۔

۴۔ کیڈر القضاء ۱۳۸۷ھ - ۱۳۰۷ھ کے قاضیوں کے تعین کا ڈھانچہ

جس وقت شاہ فیصل بن عبدالعزیز نے جمادی ثانیہ ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۹۶۲ء میں ولیعہد کی ذمہ داری سنبھالی تو ایک مشہور وزارتی بیان جاری ہوا۔ جس میں ان کی اس پالیسی کا ذکر تھا جس کو حکومت آگے چل کر اپنانے والی تھی۔ اس بیان میں جن امور کے لاگو کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا ان میں اس عزم کا اعادہ بھی تھا کہ حکومت مجلس اعلیٰ کی سربراہی میں ایک آزاد نظام عدالت چاہتی ہے۔[۱] چنانچہ اس غرض کے لئے ایک کمیٹی قائم ہوئی جس نے اس نظام کے سلسلے میں پہلے مسودہ کو پایہ تکمیل

۱۔ جریدہ البلاد مؤرخہ ۱۰-۶-۱۳۸۲ھ

تک پہنچایا۔ یہ مسودہ تقریباً ۲۷۰ دفعات Article پر مشتمل تھا۔ اس میں وہ قواعد بیان کئے گئے جو عدلیہ کی آزادی کے لئے اس کے عدالتی تحفظ کے لئے عدالتی ڈھانچہ کے لئے عدالتوں میں پیش کردہ مقدمات کے طریقہ کار کے لئے قاضی حضرات کی اہلیت و شرائط تعین کے لئے احکام عامہ کے لئے اور عدالتی ڈھانچہ کے لئے ضروری ہیں۔ اس منصوبہ پر ایک اعتراض یہ سامنے آیا کہ اس میں احکام و تفصیلات کی ضرورت سے زیادہ کثرت ہے۔ پھر یہ اپنے طریقے کار کے لحاظ سے کام طریقے سے مختلف ہے اور اس میں قاضی کو عدالتی تحفظ نہیں دیا گیا ہے۔ مجلس قضاء کی ذمہ داری میں دفتری امور بھی شمار کرنے پر اعتراض ہوا جب کہ ان کا تعلق وزارت عدل سے ہے اور اسی طرح تمیز احکام کے لئے ایک سے زیادہ مجالس کا قیام بھی اصل مقصد کو نقصان پہنچانے کا سبب ہو گا کیونکہ اس کو ایک بورڈ کے تحت کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ فقہی و قضائی اختلاف رائے کو ایک نقطہ پر جمع کیا جا سکے۔ اور اس کے لئے صرف ایک ہی مجلس کا ہونا ضروری تھا۔ دوسرے ممالک جہاں وضعی دستور نافذ ہے وہ بھی ایک ہی مجلس کے اصول پر عمل کرتے ہیں تاکہ آخر میں ایک رائے سامنے آئے۔ مملکت میں بھی یہی نظام بہتر ہو گا ان اعتراضات سے حکومت پر یہ آشکارا ہو گیا کہ نظام قضاء کی تیاری کے لئے ایک طویل عرصہ درکار ہو گا۔ جب کہ قضاء کے شعبے میں بہتری لانا ایک فوری اہمیت کا کام ہے۔ اس لئے حکومت نے فوری طور پر ایک نظام عمل جاری کیا جو قاضیوں کے کیڈر کے نظام سے معروف ہوا۔

قاضیوں کے تعین کا ڈھانچہ

۱۲/۱/۱۳۸۷ھ بمطابق ۲۲ اپریل ۱۹۶۷ھ کو نمبر م/ا کے تحت ایک شاہی فرمان جاری ہوا جو ۱/۷/۱۳۸۶ھ سے نافذ العمل مانا جائے گا۔ یہ فرمان نظام عدلیہ کی خودمختاری کے بعض قواعد پر مشتمل تھا' اس کے علاوہ اس میں مملکت کے نظام قضاء کے ڈھانچے میں موجود دو خلا پر کر کے اس کو

بہتر بنایا گیا تھا۔ وہ قابل توجہ پہلو یہ تھے:۔

۱۔ قاضی صاحبان کی تقرری : ان کی ترقی کے قواعد اور ان کے تبادلوں اور سبکدوشی کی شرائط کا ذکر ہم ان شاء اللہ شروط کے بارے میں اس فصل کے دوسرے حصہ میں تفصیل سے بیان کریں گے۔

۲۔ ایک مجلس اعلیٰ کا قیام جس کے ممبران موجودہ چیف جسٹس سربراہ مجلس تمییز اور اس مجلس کا ایک اور قاضی اور بڑے بڑے شہروں مثلاً مکہ المکرمہ ' مدینہ المنورہ 'جدہ ' ریاض اور دمام کی عدالت عالیہ کے تین سینئرSenior سربراہان عدالت ہوں گے۔ قاضیوں سے متعلق جو بھی کام تھے مثلاً تعین' ترقی' تادیبی' کارروائی' ریٹائرمنٹ' تبادلہ 'کسی محکمے میں عارضی خدمات ' قضاء کے تفتیشی بورڈ کی رپورٹ کی روشنی میں قضاء سے منسلک افراد کی داد رسی اور تحقیق یہ نظام ان سب پر مشتمل تھا۔ دفعہ ۲۲ کے مطابق یہ نظام تفتیش عدالت کے احکام پر بھی مشتمل تھا۔ یہ مجلس اپنے فیصلے حاضرین کی غالب اکثریت سے کریں گی۔ اور برابری کی صورت میں سربراہ کا ووٹ کاسٹنگ شمار ہو گا۔ نیز بیانات نویس اور دستاویز نویس اور ان کے معاونین کی درجہ بندی کر کے ان کو قضاء کے وابستگان سے جوڑ دیا گیا۔ (م ر ۲۴ - ۷ - ۲۰) حالانکہ ان کا کام الگ نوعیت کا ہے۔ مگر یہ کارروائی فطری ہی معلوم ہوتی ہے اور اس لئے بھی کہ بیانات ریکارڈ کرنے والے (محرر ضبط) قاضی حضرات کے معاونین ہی ہوتے ہیں۔ دستاویز لکھنے والے (محرر عدل) کے فرائض بھی عدالتوں کی ان کے کاموں میں معاونت ہے۔ پھر ۱۳۹۵ھ بمطابق ۱۹۷۵ء میں اس نظام کی جگہ ایک جدید نظام نے لی جس کے بیشتر احکام مذکورہ نظام پر مشتمل تھے۔ اس نئے نظام میں محررین عدل (دستاویز نویس) اور محررین ضبط (بیانات نویس) کو سول سروسز کی درجہ بندی سے وابستہ کر دیا گیا کیونکہ ان کے کام کی اصل نوعیت دفتری زیادہ ہے اور عدالتی کم۔

۵۔ نظام برائے محررین عدل (دستاویز نویس)

صفر ۱۳۴۶ھ کو ایک سرکاری اعلان جاری ہوا جو عدالتوں کی تشکیل اور ان کے دائرہ عمل سے

متعلق اس کی چوتھی فصل کے پیراگراف (ب) کی عبارت کے مطابق "محرر عدل" یا دستاویز نویس مجلس شوریٰ کے وضع کردہ نظام کے مطابق اپنے دفتری معاملات چلائے گا۔

پھر اس کے بعد ۲۶ صفر ۱۳۴۶ھ کو تیس دفعات پر مشتمل ایک شاہی فرمان جاری ہوا جو محرر عدل کے لئے پہلا نظام تھا۔ جس میں محرر عدل کے فرائض کی نشاندھی کی گئی تھی۔ مثلا جو معاملات اس کے پاس آئیں وہ ایک امانت ہیں جن کی وہ راز کی طرح حفاظت کرے گا۔ اور اس طرح اس میں ان کا دائرہ کار بھی طے کر دیا گیا جو ۴ صفر ۱۳۴۶ھ والے اعلان سے تجاوز نہیں کرتا ہے۔ اس نظام میں صراحت ہے کہ دستاویز نویس کے مذکورہ قواعد پر تحریر کاغذات مثبتہ شمار ہوں گے۔ اور ہر قسم کی سندات اور دستاویزات عربی زبان میں تحریر کی جائیں گی اور یہ کہ ان کی عبارت واضح صاف ہو اور عمدہ کاغذ پر تحریر ہو' الفاظ کو مٹانے یا کاٹنے سے اجتناب کیا جائے' بین السطور کچھ نہ لکھا جائے تاکہ یہ کسی قسم کے شبے ،غلطی ' دھوکہ اور جعلسازی کی گنجائش نہ رہے۔ اور اگر ایسا معاملہ آن پڑے کہ محررین عدل کے روبرو وہ شخص ہو جو اچھی طرح عربی نہ بول سکے تو حسب قانون دو ترجمانوں کی وساطت سے ترجمہ کیا جائے 'ان کے ساتھ دو "معرفین" (ان کی شناخت کرنے والے) بھی موجود ہوں گے ترجمان اور معرفین کا شہادت دینے کا اہل ہونا ضروری ہو گا۔ دستاویز اور تجارتی معاملات کی توثیق کے کاغذات لانے والے کو اپنا شناختی کارڈ دکھانا ضروری ہو گا۔ ۱۳۶۴ھ میں اس نظام کو از سر نو جاری کیا گیا اس بار اس میں ۴۸ دفعات تھیں ان میں صرف ایک ہی تبدیلی تھی جو فیس کے متعلق تھی جس کو بالکل معاف کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا جس طرح مقدمات کا دائر کرنا مفت تھا اسی طرح محررین عدل کی خدمات کو بھی مفت کر دیا گیا جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔ شرعی عدالتوں کی ذمہ داریوں کے لاگو کرنے کا چھٹے باب جو محررین عدل سے خاص ہے یہ عبارت اس کے اندر درج ہے۔

جدید نظام عدلیہ کے تحت محررین عدل کی نامزدگی کی شروط میں جو ردوبدل کیا گیا تھا اس کی طرف بھی اشارہ گذر چکا ہے۔

موضوع دوم

مقدمات کے اصول اور کارروائی کے طریقے

سعودی نظام قضاء نے مقدمہ کے اجراءات اور اس کے اصولوں پر بھی توجہ دی ہے۔ چنانچہ ۴ صفر ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۹۲۸ء کو جاری ہونے والے فرمان میں اس موضوع پر بھی ہدایات ہیں۔ تاکہ جلد فیصلے دیئے جا سکیں۔ اس عدالتی دستور عمل کی تعلیمات کو دس دفعات میں سمیٹ دیا گیا ہے جو ہر موضوع پر دس دفعات تک محدود ہیں اس کی عبارت کے مطابق جج کے لئے ضروری تھا کہ وہ مدعی سے مقدمہ کے آغاز میں پوری طرح استفسار کرے تاکہ کسی طرح کا کوئی ابہام باقی نہ رہے اور دعووں کی تمام شرعی شرائط پوری ہو جائیں اور سوائے کسی عذر شرعی کے مثلاً سفر' بیماری یا پردہ نشین عورت کے مقدمے کی صورتوں کے علاوہ کسی فریق کی طرف سے وکیل ان کا مقدمہ نہ لڑے گا۔ صرف عزیز و اقارب کی وکالت ایک دوسرے کے لئے قابل قبول ہو سکتی ہے۔ اسی طرح یہ دفعات بعض طریقہ کار پر مشتمل ہیں۔ مثلاً ایک فریق کی حاضری یا غیر حاضری میں فیصلہ دینا اور مقدمات کا حسب اہمیت ترتیب دینا وغیرہ۔

۲۔ شرعی عدالتوں میں مقدمے کی کارروائی کا نظام

یہ نظام ۱۳۵۰ھ بمطابق ۱۹۳۱ء کو جاری ہوا اور اس میں ۳۶ دفعات تھیں۔ اس میں وہی باتیں شامل تھیں جو ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۹۲۷ء کے حکم شاہی میں شامل تھیں۔ مگر اب اس میں کچھ تفصیل بڑھا دی گئی تھی۔ جن میں وہ پہلو آ گئے تھے جو پہلے رہ گئے تھے۔ مثلاً گواہوں پر جرح اور ان کی سچائی کے بارے میں اعتراض اور ان کی توثیق کے پہلو اس نظام میں عدالتوں میں دائر کردہ مقدمات کا جلد فیصلہ کرنے کے لئے پہلے مادہ کی نص میں قاضی کو پابند کیا گیا تھا کہ وہ مقدمہ وصول کرنے کے دس دن

کے اندر اندر اس پر غور کرے اور اگر مقدمہ میں کوئی فریق جیل میں بند ہو تو اس دن سے مقدمہ کی سماعت شروع کرے اور جب محاکم کو کاغذات وصول ہو جائیں تو اسی وقت فیصلہ صادر کرے' جج کے اختیار میں اس کی گنجائش تھی کہ وہ اپنے فیصلہ کو صرف دو صورتوں میں مؤخر کر سکتا ہے۔

ا۔ اگر قاضی کو یہ یقین نہ ہو کہ جو فیصلہ وہ صادر کرنے جا رہا ہے وہ شرعی تقاضوں کے مطابق اس مقدمے کی تفصیلات سے مطابقت نہیں رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں قاضی کو فیصلہ کی پوری طرح جانچ پڑتال کے لئے مزید وقت درکار ہو گا۔ تاکہ وہ اہم مصادر کو دیکھ سکے اور علماء سے بھی باہمی صلاح و مشورہ کر سکے۔

۲۔ اگر مقدمہ رشتہ داروں کے درمیان ہو اور قاضی سمجھتا ہے کہ ان کو مزید وقت دینے سے ان کے درمیان باہمی صلح و رضامندی کا موقع میسر آئے گا اور فیصلہ سے نزاع قطع رحمی تک جا پہنچے گا تو اسی صورت میں بھی جج انہیں وقت دے گا' مگر ان مذکورہ دو حالتوں کے علاوہ باقی کسی حالت میں بھی چار روز سے زائد کی تاخیر جائز نہیں۔ اس طرح یہ نظام قاضی کی اپنی تنہا رائے پر فیصلہ کو جائز رکھتا ہے جب کہ پچھلی تعلیمات تمام قاضیوں یا اکثریت کی طرف سے حکم کے صادر ہونے کا تقاضہ کرتی تھیں۔(ان شاء اللہ ہم چوتھی فصل میں قضاء فرد اور قضاء جماعت کے متعلق مزید بات کریں گے) اس طرح تمیز احکام سے متعلق بعض طریقہ کار بھی اس میں منظم کئے گئے جیسے محکوم علیہ کا فیصلہ کو بلا اعتراض قبول کرنے 'اس کا اپیل کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اور پھر تمیز بورڈ کے سامنے مقدمہ بھیجنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے ہاں اگر محکوم علیہ سرپرست ہے یا وقف پر نگران ہے یا مسلمانوں کے بیت المال سے منسلک ہے یا ایسے لوگ جن کے قبول کرنے کا اعتبار نہیں ہے تو ایسے لوگوں کے حق میں بغیر محکمہ تمیز کی تصدیق کے حکم نافذ العمل نہ ہو گا تاکہ نابالغ' و تفیہ مسئلہ کا غیر حاضر اور مستحق افراد کے حقوق کی حفاظت کی جا سکے۔ رہا فریقین میں سے کسی ایک کی وکالت کے مسئلہ کا تو اس نظام نے اس میں کسی حد تک آسانی پیدا کرتے ہوئے ملازمت کرنے والوں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ

دوسروں کو اپنا وکیل بنا سکتے ہیں چاہے وہ خود شہر میں موجود ہوں۔ اسی طرح اس مقام سے دوری کے سبب فریقین کسی دوسرے کو وکیل بنا سکتے ہیں۔ شہروں کے مضافات میں رہائش پذیر لوگ بھی دور کی مسافت میں آتے ہیں۔ نیز حالت مرض ہونا' پردہ نشین عورت کا ہونا بھی ایسی صورتیں ہیں جنہیں وکیل کو ان کی طرف سے پیش کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ وکیل کے پاس سرٹیفکیٹ ہو جو کہ اس کی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کو ظاہر کرتا ہو۔

۳۔ عدالتی طریقہ کار یا دستور عمل

یہ نظام ۱۳۵۵ھ بمطابق ۱۹۳۶ء کو جاری ہوا اور سابقہ نظام کے مقابلہ میں عدالتی طریقہ کار پر زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔ اس کی ۱۴۲ دفعات تھیں پھر ۱۳۷۲ھ بمطابق ۱۹۵۴ء کو معمولی تغیر و تبدیلی کے بعد شرعی دفاتر کے لئے انتظامی امور کی تنظیم کے عنوان کے تحت ہی نظام لاگو کیا گیا۔

۴۔ دفاتر شرعیہ کا نظم و نسق

عدالتی مقدمہ کی کارروائی کے نظام کو دفاتر شرعیہ کے نظم و نسق کے نام سے لاگو کیا گیا تھا مگر ان میں صرف عبارت میں کچھ تبدیلیاں تھیں۔ اور کچھ دفعات میں تبدیلی کی گئی تھیں۔ اس نظام میں ۱۴۲ دفعات کی بجائے ۹۶ دفعات تھیں اور یہی وہ نظام ہے جس پر محاکم میں آج تک عمل جاری ہے اور وہ تمام فیصلے اور ہدایات اور تعلیمات جو مقام سامی اور شاہی دربار سابقہ رئاسہ القضاء اور موجودہ وزارت عدل کے علاوہ نظام "ترکیز"[1] کی طرف سے تھیں۔ نظام میں عدالتی دستور عمل' شرعی عدالت کی ذمہ داریوں کی مرکزیت کے دستور عمل سے متعلق جو دفعات تھیں وہ سب اس سے منسلک کر دی گئیں۔

دفاتر شرعیہ کا نظم و نسق پر ایک عام نظر ڈالیں تو اندازہ ہو گا کہ مندرجہ ذیل موضوعات پر مشتمل ہے۔

۱۔ یعنی شرعی عدالت کی ذمہ داریوں کو اکٹھا کرنا۔

۱۔ مقدمات کی سماعت کے لئے وقت و جگہ کا تعین اور فریقین کو اس سے آگاہ کرنا۔

۲۔ ایک محرر (کاتب) کی طرف سے مقدمہ کی تاریخ سے پہلے مقدمہ کی فائل کی ترتیب کا کام۔

۳۔ مقدمہ کی سماعت اور فریقین سے جواب طلبی۔

۴۔ فریقین میں سے ایک کا یا دونوں فریقین کا پیشی میں غیر حاضر ہونا۔

۵۔ غیر حاضر فریق کے خلاف اس کی غیر موجودگی میں فیصلہ۔

۶۔ فیصلہ کی اطلاع اور اس کی اپیل

۷۔ مقررہ وقت پر تنفیذ حکم (حکم کی تعمیل) عارضی عملدرآمد۔

۸۔ وکالت

۹۔ عام احکام

یہ احکام ان تمام دعوؤں پر لاگو ہوتے جو ان عدالتوں کے سامنے آتے تھے خواہ وہ دیوانی مقدمات ہوں یا فوجداری' یا پرسنل لا سے متعلق ہوں اور چاہے مقدمہ کی نوعیت کچھ بھی ہو۔

دعوے کے فریقین کو مدعی اور مدعی علیہ کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مدعی وہ ہے جو مقدمہ دائر کرتا ہے اور جس پر مقدمہ کیا جاتا ہے اسے مدعاعلیہ کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ عدالتوں میں تعزیری مقدمات بھی چلے آ رہے ہیں رواج کے مطابق یہ اصول بھی زیر عمل رہتے ہیں۔

۱۔ معمولی مقدمات میں ضمانت لینے کی گنجائش زیادہ رکھی گئی ہے اور اس کے نتیجہ میں مدعاعلیہ کو بغیر حبس میں رکھے ہوئے عدالت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ تعزیری مقدمات کا فیصلہ جلد از جلد کیا جائے اور ایسے مقدمات شروع سے لے کر تمیز کے مرحلے تک ترجیحی طور پر پہلے رکھے جائیں اگر مدعی علیہ کو سزائے قید ہو جائے تو مقدمہ کے دوران زمانہ حبس کو بھی سزا میں شمار کیا جائے گا۔

مقدمہ آغاز سے لے کر اختتام تک

تو اس نظام میں جن قواعد و ضوابط کو مقرر کیا گیا ہے ان کے مطابق وہ مقدمات جن میں حقوق کا معاملہ نہ ہو اور اس لئے اس میں تفتیشی عملہ سے رائے لینے کی ضرورت نہ ہو تو وہ مدعی کی طرف سے یا وکیل کی طرف سے براہ راست متعلقہ محکمہ میں داخل کئے جا سکتے ہیں۔ دفعہ (۵۹) کے مطابق اب وکیل کرنے کا حق ہر شخص کو غیر مشروط طور پر دیا گیا ہے۔ جب کہ پہلے یہ اجازت خصوصی شرائط کے ساتھ تھی۔ بس یہ ضروری ہے کہ وکیل دستاویزی اجازت کے ساتھ ہو یہ دستاویز نوٹری سے (دستاویز نویس آفس) اور جہاں محرر عدل نہ ہو وہاں کی عدالت سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

مدعی اپنی شکایت کو تمام دستاویز اور ثبوت کے ساتھ پیش کرے گا۔ محکمہ اس کی وصولی کے بعد مدعی کو مقدمہ کی رسید مع اندراج اور تاریخ کے دے گا۔ اور اگر محکمہ میں دو یا زائد قاضی موجود ہوں، تو دعوؤں کو کسی ایک کے سپرد کر دیا جائے گا اور مدعی کو اس قاضی کا نام' مقدمہ' نمبر اور تاریخ کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے مقدمے کی تاریخ سے آگاہ کر دیا جائے گا۔

اس طرح وہ مدعی کو محکمہ کے پیشکار یا محکمہ کے سپاہی کے ذریعے مقدمہ کا سمن جاری کرے گا۔ کاتب بیانات مقدمہ کی پیروی کے ایک روز قبل مقدمہ کے کوائف کے بارے میں قاضی کو آگاہ کرے گا تاکہ قاضی کو مقدمہ کی نوعیت جاننے کا موقعہ میسر آ سکے۔ جب مدعی اور مدعی علیہ قاضی کے روبرو پیش ہوں تو قاضی پہلے مدعی کے دعوے کو اس کی زبان سے سنے گا اور اس کے بیان کو تحریری طور پر لکھوائے گا اور مدعی سے تصدیقی دستخط لے گا۔ بعض اوقات قاضی کو صحیح صورت حال کی وضاحت کے لئے بعض سوالات کرنا ہوتے ہیں جن سے تشنہ پہلو سامنے آ جاتے ہیں۔ اس کی نظام میں گنجائش ہے۔ پھر اس کے بعد قاضی مدعی علیہ کے جواب کو سنے گا۔ اس دوران قاضی حسب منشاء و ضرورت سوالات کر سکتا ہے تاکہ اس جرح سے دعوے کی صحت کا اندازہ کر سکے۔ اس جرح کے دوران مدعی اور مدعی علیہ ایک دوسرے کے دعوؤں پر اعتراض کر سکتے ہیں۔ قاضی اس تمام جرح کو

نوٹ کرتا جائے گا۔ اور اگر فریقین میں سے کوئی کہے کہ اس کے حق میں گواہی موجود ہے تو اگر گواہ وہ قاضی کے زیر اثر علاقہ میں مقیم ہو تو قاضی اس کو مقررہ وقت پر حاضر کرنے کا حکم دے گا اور اگر وہ اس دائرہ سے خارج ہو تو پھر وہ قاضی اس کے علاقہ کے قاضی کو اس سے شہادت لینے کے لئے کہے گا اور اس کی توثیق کے لئے بھی کہے گا۔ جب اسے یہ شہادت مل جائے گی تو قاضی جس فریق کے خلاف شہادت دی گئی ہو گی اسے پڑھ کر سنانے کا حکم جاری کرے گا۔ مخالف کو حق حاصل ہو گا کہ ان گواہوں یا گواہی پر اعتراض کرے اور اپنے اعتراض کے حق میں ثبوت دے۔ ان کارروائیوں کے مکمل ہو جانے اور فیصلہ کے لئے ضروری شرائط کی تکمیل کے بعد قاضی محکوم علیہ کے روبرو اپنا فیصلہ سنا دے گا۔ بعض مخصوص حالات میں محکوم علیہ کی غیر حاضری میں بھی فیصلہ دیا جا سکتا ہے۔ ایسا حکم جاری کرنے کے بعد قاضی محکوم علیہ کی موافقت یا عدم موافقت لے گا۔ اگر فیصلہ قابل تنسیخ ہو تو پھر فیصلہ کا خلاصہ جاری کیا جائے گا اس خلاصہ میں فیصلے کی وجوہات قاضی کا نام اور مقدمہ کے فریقین مخالفوں کا نام مقدمہ کا موضوع اور گواہوں کی شہادت کی قبولیت یا عدم قبولیت شامل ہو گی پھر قاضی اس فیصلے پر اپنے دستخط اور مہر لگائے گا اور اس کو ریکارڈ کر کے جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اسے بھیج دے گا' اور اگر محکوم علیہ اس فیصلہ پر مطمئن نہ ہو تو وہ اعتراض کا نوٹس پیش کر سکے اور اگر فیصلہ غیر حاضری میں ہوا یا اس پر اطمینان نہ ہو تو یہ حکم اس وقت تک نافذ العمل نہ ہو سکے گا جب تک کہ محکمہ برائے تنسیخ مقدمات (یعنی اپیل بورڈ) کی طرف سے اس فیصلے کی قطعی تصدیق حاصل نہیں ہو جاتی۔ ایسی صورت میں وقتی نفاذ عمل میں آ جائے گا۔ چاہے حکم کی نوعیت "حضوری ہو یا غیابی" اور آخری فیصلہ تک فریق مخالف کو ایک ضامن پیش کرنا ہو گا جو اس مدت میں بیوی کے نان و نفقہ اور اجرت رضاعت بچوں کا خرچ۔ اور اس کی دیکھ بھال کا خرچ اور عورت ہو تو محرم کی حفاظت میں دینا اور لڑکا ہو تو اس کو ولی کے سپرد کرنے جیسے امور کا ذمہ دار ہو گا۔

احکام عامہ کے متعلق نظام میں جو تفصیل ملتی ہے وہ یہ ہے۔

مقدمہ کی سماعت کا نظام۔

اس میں وہ امور آتے ہیں جن کا تعلق فریقین کے درمیان مقدمہ کے دوران خلاف ورزی دشمنی یا صلح و آشتی ہے۔ غیر منقولہ جائیداد کی ملکیت کی کارروائی' سے ہے وقف کی کارروائی سے ہے سرکاری دستاویز کے بموجب فروخت کے معاملے سے ہے' غیر منقولہ جائیداد کی ملکیت کے اِثبات کے معاملہ سے ہے اور محکمہ کو بعض متعین مقدمات کی سماعت سے روکنے کے معاملہ سے ہے اور بعض ان کارروائیوں میں سے ہے جن کا تعلق نکاح خوانوں سے ہے۔ اور ان دوسرے احکام سے ہے جن کا تعلق محاکم اور حکام کے اعمال سے ہے۔ اس طرح یہ سب احکام عام میں آتے ہیں۔ گویا وہ ایک ایسا نظام ہے جو ایک نظام سے بڑھ کر نظاموں کا مجموعہ ہے۔ اس نظام میں طریقہ مقدمات نظام تعزیری' نظام وکالت اور نظام نکاح خوانی سب آجاتے ہیں۔

۵۔ ہدایات برائے اپیل بورڈ (تنسیخ مقدمات)

ان تعلیمات کو شاہی فرمان نمبر ۲۴۸۳۶ کے ذریعہ مورخہ ۲۹ر ۱۰ر ۱۳۸۲ھ میں جاری کیا گیا تا کہ یہ سابقہ تعلیمات جو نمبر ۲۰۳۲۰ مورخہ ۲۳ر ۱۰ر ۱۳۸۱ھ کو جاری کی گئی تھیں کی جگہ لے سکیں۔ یہ تعلیمات "تحقیقات شرعیہ بورڈ" کی تعلیمات سے ماخوذ تھیں اور جن کا ذکر قضاء کی ذمہ داریوں کی مرکزیت کے نظام مجریہ ۱۳۷۲ھ کی دفعات ۱۵۔ ۳۲ تک میں آیا تھا۔ اس نظام میں دفتری تنظیم اور عدالتی کارروائی کو یکجا کرتے ہوئے ان کے ساتھ حقوق کے' تعزیری' شخصی قانون کے دعووں کے بارے میں صادر احکام کو بھی شامل کر دیا گیا تھا۔

ان تعلیمات کی روشنی میں یہ طے کیا گیا ہے کہ کون سے احکام کی اپیل ہو سکتی ہے اور کون سے مستثنیٰ ہوں گے۔ جن فیصلوں کی تنسیخ نہیں کی جا سکتی تھی یہ ہیں:۔

۱- ہروہ فیصلہ جس کی تنسیخ "رئاسہ القضاء" کی طرف سے کردی گئی ہو یا اس کی تمییز اس نے مشروع کی ہو۔

۲- ہروہ فیصلہ جس کو محکوم علیہ نے قبول کرلیا ہو۔

۳- ہروہ حکم جس پر اعتراض کی مدت گذر گئی ہو۔

۴- وہ احکام جو ار ۴ر ۱۳۹۱ھ سے قبل صادر کیے گئے ہوں۔

کیونکہ یہ وہ احکام ہیں جو "تمییز بورڈ" کے قیام سے قبل دیئے جاچکے تھے۔

۵- جب کہ جرمانہ کی رقم پانچ سو ریال یا اس سے زیادہ نہ ہو خواہ نقد ہو یا مال کی شکل میں ہو مگر غیر منقولہ جائیداد کی قیمت کتنی ہی ہو اس کی تمییز کی جائے گی۔

۶- اگر حکم کا تعلق تعزیر سے ہو تو وہ چالیس کوڑوں یا دس روزہ قید سے متجاوز نہ ہو۔ اور وہ احکام جو اعتراف پر مبنی ہوں اسی طرح وہ بھی تمییز سے نہ گزریں گے۔ جو فیصلہ بطریق صلح و رضامندی کے ہوا ہو وہ بھی اپیل سے نہ گزرے گا۔ قواعد میں یہ تفصیل نہیں ہے مگر عام قواعد کی روح سے ہم آہنگ ہے۔ اس طرح ان تعلیمات نے ان احکام کی حدبندی بھی کی ہے۔ جن کی تمییز مطلقاً ضروری ہوگی۔ وہ یہ ہیں : غیر موجودگی میں فیصلہ ' وقف کا ناظر وصی ' ولی ' مامور بیت المال اور دوسرے اشخاص جن کی اپنی رضامندی کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح جو مقدمات تمییز سے گزریں گے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- جو حکم پانچ سو ریال یا اس سے زیادہ نقد رقم کے بارے میں ہو۔

۲- غیر منقولہ جائیداد کے مقدمات چاہے اس کی قیمت پانچ سو ریال سے کم ہی کیوں نہ ہو۔

۳- جو حکم ۴۰ کوڑوں سے زائد اور دس روز کی قید سے زیادہ ہوگا۔

۴- قید اور کوڑوں کا ایک ساتھ حکم چاہے ان کی مقدار کتنی بھی ہو۔

۵- اور اسی طرح قتل ' رجم اور چوری کے حکم۔

فیصلوں پر اعتراض کی کیفیت

ہدایت نامہ کی پانچویں دفعہ میں اعتراض کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے جس کی عبارت کے مطابق قاضی فیصلہ صادر کردے گا تو وہ فریقین کو فیصلہ کے متعلق سمجھائے گا اور محکوم علیہ سے اس کی رضا مندی یا عدم رضامندی کے بارے میں سوال کرے گا اور اس کے جواب کو قلم بند کرلیا جائے گا اور اس کے اس پر دستخط کرا لئے جائیں گے ' محکوم علیہ کی عدم موافقت کی صورت میں اس کو نوٹس دیا جائے گا اور نوٹس وصول کرنے کے کم از کم دس روز تک مہلت دی جائے گی اور پندرہ روز گزرنے کے بعد مہلت ختم ہو جائے گی۔ سرکاری تعطیلات کا اس میں شمار نہیں کیا جائے گا تاکہ اس دوران فیصلہ کے خلاف اگر وہ چاہے تو اپنا اعتراض تیار کرلے قاضی محکوم علیہ کو مدت مہلت سے آگاہ کرے گا اس کے پاس اعتراض ہے لیکن اگر وہ دستاویزی بیان نہیں تیار کرتا ہے اور نہ ہی اپنا اعتراض محکمہ کو روانہ کرتا ہے تو پھر اس کا یہ حق ضائع ہو جائے گا۔ اس سے ہمیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تمیز بورڈ کے سامنے اپیل براہ راست نہیں کی جاسکتی ہے بلکہ اس کو لازما اپنا اعتراض اس محکمہ کو دینا ہو گا جہاں سے فیصلہ صادر ہوا ہے۔ اور دوسرے ملکوں میں جس قانون پر عمل ہو رہا ہے یہ اس سے مختلف ہے کیونکہ ان ملکوں میں اپیل کورٹ کے سامنے براہ راست اپیل کی جاسکتی ہے۔ محکمہ فیصلہ کے کاغذات اعتراض پر مشتمل کاغذات کی فائل تمیز بورڈ (۶/۲ ہدایات) میں جمع کرا دے گا۔ ان تعلیمات کے مطابق "ھیئہ التمییز" کو اگر کوئی اعتراض نہیں تو وہ فیصلہ کی تصدیق کر کے اسے لوٹا دے گا یا فیصلہ پر اگر اعتراض ہے تو اس محکمہ کی طرف اپنے اعتراضات کے ساتھ لوٹا دے گا۔ جس نے اس کو جاری کیا ہو گا۔ اس ملک کا "محکمہ التمییز" دوسرے ممالک کی اس قسم کی عدالتوں سے اس لحاظ سے مختلف ہے۔

ان تعلیمات کے مطابق یہ محکمہ بعض احکام کی چھان بین کے سلسلہ میں صدر محکمہ یا کسی ایک ممبر کو ایسے مقدمے کی سماعت سے روک سکتا ہے۔ اگر وہ اس مقدمے میں شہادت دینے کا مجاز نہ ہو

اور اس کی ذات بھی جانچ کا نشانہ ہو ایسی صورت میں صدر کی جگہ ایک ممبر جلسہ کی صدارت کرے گا۔

ان تعلیمات کی بقیہ دفعات میں اس "هیئۃ التمییز" کے اعمال اور اس کے جلسوں کی کارروائی اور ارکان کی ذمہ داریوں کا ذکر ہے۔ عدالت کی کارروائی کو فریقین سے بھی خفیہ رکھا جائے گا اس طریقہ کار پر اعتراض کیا گیا ہی کہ کم از کم فریقین کو تو عدالتی کارروائی سے آگاہی ہونی چاہیئے۔

نظام میں بتایا گیا ہے کہ سابقہ فیصلے کو کن بنیادوں پر رد کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہیں۔ فیصلہ میں ان شرعی مصادر کی مخالفت کا سوال ہی نہیں۔ بس امکان اس کا ہوتا ہے کہ عبارت کی تشریح میں یا تطبیق میں کوئی غلطی ہو گئی ہو یا تاویل میں کوتاہی ہو گئی ہو جو یہاں منطبق نہ ہوتی ہو۔ قاضی کتاب و سنت کی کسی مبہم نص کی تاویل میں غلطی کر جائے اور وہ فیصلہ دلائل شرعی کے خلاف یوں ہو کہ قاضی نص یا اجماع پر عمل ترک کر دے' اپنے طور پر اجتہاد کر لے جب کہ نص شرعی کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی وقعت نہیں ہے۔ ان تعلیمات نے نقض کے لئے قاعدہ عامہ کے ذکر پر اکتفا کر لیا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہی ہے کہ شریعت اسلامیہ کی مخالفت نقض کا سبب ہے مگر یہ کہ کیا شریعت کے عام قواعد کی مخالفت بھی وجہ نقض ہے یا نہیں اس پر کوئی ہدایت نہیں ہے۔ مثلاً فیصلہ جو حدود کار سے تجاوز کر کے دیا گیا ہو یا دو متضاد فیصلے دے دیئے گئے یا دعوے میں اصولی کارروائی کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو تو کیا ہو گا؟

ان سوالوں کا ایک بات سے جواب تو نہیں ملتا ہے مگر بورڈ کی کارکروگی اور اس سے صادر فیصلے دیکھے جائیں تو اندازہ ہو گا کہ ان امور کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اس لئے صادر شدہ احکامات کے مطالعہ سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ وہ ان عام قواعد کو نقض کے اسباب میں سے شمار کیا جاتا ہے۔

ویسے مناسب تو یہ تھا کہ ان اسباب سے عوام کو واقف کرایا جاتا' تاکہ وہ خود سے اندازہ کر لیتے کہ فلاں فیصلہ قابل اعتراض ہو گا یا نہیں۔

دوسرا باب

نظام عدالت کی تشکیل جدید

جدید عدالتی نظام جس کا اجراء مورخہ ۱۲ر۷ر۱۳۹۵ھ بمطابق ۱۹۷۵ء کو ہوا تھا اس کو قدیم عدالتی نظام اور جدید عدالتی نظام کے درمیان ایک تاریخی قدم مانا جائے گا۔ اگرچہ اس کا اکثر حصہ ان قواعد پر مشتمل تھا۔ جو نظام قدیم میں لاگو تھا۔ چاہے اس کا صراحت سے ذکر نہ آیا ہو۔ اس کی اہم باتوں میں سے ایک عدالت کا خود مختار ہونا تھا اور یہ کہ غیر شرعی احکام اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے' مگر اس سے بڑھ کر مضمون و شکل کی بے شمار نئی باتیں اس میں شامل تھیں۔ مثلاً عدالتوں کے ناموں کی تبدیلی جو ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۹۲۷ء کے شاہی فرمان کے مطابق اب تک انہیں ناموں سے چلی آ رہی تھیں۔ اور اس سے وابستہ اور قوانین بھی تھے۔ چنانچہ اس جدید نظام کے تحت نئے احکام سامنے آئے اور جدید عدالتی اصلاحات ظہور میں آئیں۔ مزید برآں اس میں ایک اور قضاء کا کیڈر کا بھی اضافہ کیا گیا تھا جس کی بنیاد پر اس نظام کو بجا طور پر قدیم و جدید نظام کے درمیان اہم کڑی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ اس کے خدو خال کو مندرجہ ذیل موضوعات سے واضح کریں:۔

۱۔ قاضی صاحبان کا ہر طرح کے دباؤ سے آزاد ہونا اور ان کو تحفظات فراہم کرنا۔

۲۔ قاضی صاحبان کے فرائض اور ذمہ داریاں۔

۳۔ قاضی صاحبان کے معاونین

۴۔ عدالتی اختیار کا دائرہ کار

اس کے علاوہ وہ بے شمار چیزیں ہیں جس سے ہمارے ملک کی عدالتی نظام کے بارے میں معلومات میں آسانی ہوتی ہے۔

موضوع اول

جج کی اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری میں مکمل آزادی اور تحفظات

قاضی صاحبان کی آزادی اور اپنے فرائض کی بجا آوری کے طور طریق میں ہر کسی کے دباؤ سے دوری اور ان کو ہر طرح کی گارنٹی فراہم کرنے سے وہ اس قابل ہو گئے کہ حکومت یا کسی با اثر افراد کے دباؤ سے بچے رہیں۔

نظام عدالت کے پہلے آرٹیکل (دفعہ) میں واضح کر دیا گیا تھا کہ قاضی صاحبان پر سوائے شرعی احکام کے اور نافذ العمل قانون کے کسی کا دباؤ ہو گا اور نہ کسی کا عمل دخل ہو گا۔

قاضی کے خود مختار بنے رہنے میں اس کی اپنی اخلاقی متانت حق کے نفاذ میں اس کی شجاعت اور ہر قسم کے شواہد اور مخالفتوں کے آگے ڈٹ جانے کا سب سے بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ چاہے اسے اپنے فرائض کی بجا آوری میں اپنے منصب کی قربانی دینی پڑے اور یہی وہ خوبیاں تھیں جن سے دور سلف کے قاضی صاحبان متصف ہوا کرتے تھے۔

یہاں میں کہوں گا کہ قاضی صاحبان کی آزادی کا لحاظ ہمارے قدیم عدالتی ڈھانچہ میں بھی تھا چاہے اس کو نام لے کر نہ بیان کیا گیا تھا اس کی تائید میں ہم سلطان عبدالعزیز کے عہد کا ایک واقعہ بیان کریں گے جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ ملک عبدالعزیز کے والد محترم امام عبدالرحمن بن فیصل کی وفات کے بعد قاضی حضرات میں سے ایک قاضی سلطان عبدالعزیز کے پاس نماز فجر کے بعد تشریف لائے اور کہا کہ آپ کے والد کے ذمہ میرے سو فرانسیسی ریال قرض ہیں۔ سلطان عبدالعزیز نے ان سے کہا کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ انہوں نے کہا میرا گواہ اللہ ہے۔ سلطان عبدالعزیز نے کہا جب تک کوئی بات کو ثابت کرنے والا نہ ہو میں کچھ نہیں کر سکتا تو اس شخص نے جواب میں کہا اب میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی شریعت ہے۔

سلطان عبدالعزیز نے کہا تم نے سچ کہا ۔پس دونوں مسجد سے نکل کر شیخ سعد بن عتیق (متوفی ۱۳۴۹ھ) کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ شیخ سعد بن عتیق اپنے وقت کے بہت بڑے قاضی تھے' سلطان عبدالعزیز نے ان کے دروازے پر دستک دی ' شیخ صاحب نے دستک سنی ' دروازہ کھولا تو سلطان عبدالعزیز اور ایک اجنبی شخص کو پایا۔ شیخ سعد نے عبدالعزیز سے کہا کہ میرے گھر آپ مہمان بن کر آئے ہیں یا فریق مقدمہ بن کر؟ سلطان عبدالعزیز نے کہا کہ فریق مقدمہ بن کر۔ تو شیخ سعد نے کہا اچھا اگر یہ بات ہے تو پھر تم دونوں زمین پر بیٹھ جاؤ۔ پس دونوں حکم کے مطابق فرش پر بیٹھ گئے اور شیخ سعد دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھ گئے اور پھر دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جس سے دعویدار بخوشی رخصت ہوا اس کے بعد سلطان عبدالعزیز کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا۔ اے عبدالعزیز اب تم میرے مہمان ہو پس ان کو اپنی مجلس میں شریک کیا اور عربی قہوے سے ان کی تواضع کی۔ (۱)

الغرض یہ واقعہ اپنے اندر قاضی حضرات کی آزادی ' حکومت کی جانب سے دخل اندازی سے اجتناب' فریقین میں مساوات اور عدل و انصاف کے بلند پایہ معانی سمیٹے ہوئے ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کبھی بھی کوئی حکومت گروھی ' سیاسی مذھبی اور خواہش نفس سے پاک و صاف اور دور ہو گی تو اس کی عدالتیں بھی ہر قسم کی آمیزش و دباؤ سے آزاد ہوں گی۔ موجودہ نظام نے نہ صرف آزادی دی ہے بلکہ قاضی حضرات کے بنیادی اصول کے طور پر اس کی صراحت کی ہے اور مختلف صورتوں میں اسے مزید مستحکم کیا ہے عدالتوں پر نگاہ رکھنے کا اہتمام قاضی حضرات کا ٹرانسفر' ان کی قائم مقامی اور ان کی اصلاح کا اہتمام کرنا اور اسے ایک اعلی عدالتی کمیٹی سے منسلک کرنا یہ سب اس مقصد کے لئے ہیں۔ پھر یہ طے کیا گیا کہ قاضی صاحبان کو قواعد کے مطابق ہے فریق بنایا جا سکتا ہے اور یہ کہ قاضی حضرات کو ایک عدالتی تحفظ حاصل ہوتا ہے تاکہ عدالتی دائرہ میں یہ آزادی کامل خدوخال کے ساتھ ان کو

۱۔ اس قصہ کو بعض لوگ روایت کرتے ہیں اور اس واقعہ کو امیر عالی مرتبت طلال بن عبدالعزیز نے صور من حیاہ الملک عبدالعزیز میں لکھا ہے جو رسالہ المدینہ شمارہ ۵۳۰۸ مورخہ ۸ - ۱۱- ۱۴۰۱ھ میں بحرین سے شائع ہوئے رسالہ اخبار الخلیج اور قطر سے شائع ہوئے رسالہ الرایہ میں بیک وقت شائع ہوا تھا۔

حاصل ہو سکے۔

نظام میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ قاضی حضرات کی عدالتی ادارہ میں تعیناتی و ترقی مجلس عدالت عالیہ کی قرارداد کے مطابق شاہی فرمان سے براہ راست انجام پائے گی تاکہ کسی قسم کا اثر و دباؤ ان کی عدالتی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں آڑے نہ آسکے۔ بلکہ بیرونی اثر و رسوخ چاہے کسی وزیر ہی کا کیوں نہ ہو ایک جرم قرار دیا گیا اور قابل سزا قرار پایا' اس کے مطابق عدالتی امور میں دخل اندازی ثابت ہو جانے پر وہ شخص اس کا جوابدہ ہو گا محکمہ نظام وزراء کی عبارت کے مطابق کسی وزیر کا ذاتی طور پر عدالتی امور میں مداخلت کرنا ایک قابل سزا جرم تصور کیا جائے گا۔(۱) اس موضوع کے بارے میں جو کچھ ہم نے مختصراً بیان کیا ہے اب آگے اسے ہم الگ الگ عنوان سے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

قاضیوں کا انتخاب

جج ایک ایسی محترم ہستی ہے جو بغیر کسی امتیاز کے لوگوں میں عدل و انصاف کی نگہبان ہوتی ہے اور کمزور کو اس کا حق طاقتور سے دلاتی ہے اور ایک شخص کے ظلم و زیادتی سے دوسرے کو تحفظ دلاتی ہے اور سب سے بڑھ کر وہ لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی امین ہے تو جب معاملہ اتنا جلیل القدر اور اہم ہو تو پھر ضروری ہے کہ ان کے انتخاب میں اسی قدر سختی اور باریکی سے غور کیا جائے۔ روایات کے مطابق حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما منصب قضاء کے لئے اہل شخص کے انتخاب میں بڑی سختی کیا کرتے تھے۔

موجودہ دور میں انتخاب جج کے لئے دو ہی طریقوں پر عمل کیا جاتا ہے:۔

۱۔ طریقہ انتخاب اور ۲۔ طریقہ بھرتی۔

۱۔ دیکھئے نظام قضاء کی دفعات ۲۔ ۴۔ ۷۔ ۵۳۔ ۵۵۔ ۷۳ اور (مؤلیات القضاء) عدالت کے فرائض کے لئے رجوع کے نظام کی دفعہ نمبر ۲۵۶ مؤرخہ ۷۲ ۱۳ھ

اول طریقہ بذریعہ قومی انتخاب

اس طریقہ کی تشریح میں دو رائے ہیں ایک رائے یہ ہے کہ انتخاب قاضی کو ایک مدت محدود تک گریڈ ایک میں یا دو گریڈ تک عام ووٹنگ کے ذریعے مقرر کیا جائے۔ کیونکہ امت ہی تمام اختیارات کی امین ہے اور اس کی بنا پر لازم ہوتا ہے کہ پھر انتخاب قاضی کے سلسلہ میں اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔

دوسری رائے ان لوگوں کی ہے جو اس کے قائل ہیں کہ قاضی کا تعین بذریعہ انتخاب ہو مگر طریقہ انتخاب یوں ہو کہ قاضی حضرات' وکلاء' مختار عام' اساتذہ' قانون داں اور دوسرے ماہرین پر مشتمل ایک ایوان انتخاب ہو اور یہ ملکر قاضی چنیں کیونکہ یہ ماہرین تمام لوگوں سے زیادہ بہتر سوچ اور حسن اختیار کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ رائے رکھنے والے جس بات سے فرار چاہتے ہیں وہ یہ رائے دے کر اسی کا شکار ہو گئے ہیں کیونکہ حکومتی اثر و رسوخ سے قاضی حضرات کو آزادی تو حاصل ہو جائے گی مگر وہ منتخب کرنے والوں کے رحم و کرم پر ہو جاتے ہیں اور اپنے دوبارہ انتخاب کے لئے وہ مجبور ہوں گے کہ منتخب کرنے والوں کی خوشامد میں لگیں اور یوں نظام عدالت کی آزادی کو متاثر کر سکتے ہیں۔ پھر اس کے نتیجہ میں ایسے افراد کا تقرر بھی عمل میں آ سکتا ہے جو عملی اور اخلاقی طور پر اس منصب کے لئے مطلوبہ صفات سے عاری ہوں۔ قاضی حضرات کا یہ نظام انتخاب عہد عثمانیہ میں مروج تھا جس کے تحت ابتدائی عدالتوں اور عدالت برائے اپیل کے ممبران کا انتخاب اس طرح کیا جاتا تھا۔ ان کے انتخاب کے لئے قصبوں اور محلوں کے کونسلر حضرات شرکت کرتے جسے انتخاب میں اکثریت حاصل ہوتی اسے حاکم دو سال کے لئے متعین کر دیتا اور پھر ہر بار یہی طریقہ انتخاب اختیار کیا جاتا مگر اس کے بعد ۱۹۱۳ء کے دستور میں سلطنت عثمانیہ نے اس قانون کو منسوخ کر دیا۔

فرانس میں عوامی انقلاب کے زمانہ تک ایسا ہی طریقہ کار اپنایا گیا تھا مگر جب حالات دگرگوں ہو گئے تو تھوڑی ہی مدت بعد اسے ترک کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ سوئٹزرلینڈ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اکثر علاقوں میں آج بھی اسی نظام پر عمل ہو رہا ہے لیکن برابر ایک سخت تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے۔ (۱)

۲۔ حاکم یا نائب حاکم کی طرف سے تعیناتی کا طریقہ

اس طریقہ میں بھی دو نقطہائے نظر ہیں ان میں سے ایک رائے کے مطابق قاضی حضرات کی تعیناتی کا کام ایگز یکٹیو اتھارٹی (Executive authority) یعنی عاملانہ اختیار سرانجام دیتی ہے. ہم اس کے متعلق پہلے اشارہ کر آئے ہیں کہ سلطان عبدالعزیز بذات خود ممتاز لوگوں میں سے قاضی منتخب کیا کرتے تھے۔ اور یہی وہ طریقہ انتخاب ہے جو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں رائج تھا۔ ہمارے سامنے علی رضی اللہ عنہ کا مکتوب بنام مالک الاشتر النخعی موجود ہے جس میں تحریر ہے کہ پھر لوگوں کے درمیان انصاف کرنے کے لئے اس شخص کا انتخاب کرو جو تمہارے نزدیک رعیت میں افضل ترین ہے۔ پھر ان صفات کا ذکر کیا جو منصب عدالت پر فائز شخص کے لئے ازحد ضروری ہیں۔

یہی حال دنیا کے اکثر ممالک میں ہے کہ ایگز یکٹیو اتھارٹی کو (Executive authority) قاضی حضرات کی تعیناتی کا کام سونپ دیا جائے۔ عدالتی تشکیل و تنظیم میں بھی اس پر عمل ہے، اگرچہ اس طریقے پر بھی اعتراض موجود ہے وہ یہ کہ اس کو اپنانے سے عدالتی نظام کو ایگز یکٹیو اتھارٹی (Executive authority) سے آزاد رکھنے کا اصول متاثر ہوتا ہے۔ اس نقص کو دور کرنے کے لئے بہت سے ممالک نے تعیناتی کے سلسلہ میں وافر مقدار میں یا دہانیوں کا التزام کیا ہے تاکہ بہتر قاضی کا حصول ممکن ہو سکے۔ اس کیلئے مقابلہ کے امتحان کا انتظام کیا جاتا ہے پھر اس امتحان میں کامیابی کے بعد عدالتی امور سے واقفیت کے لئے تربیت دی جاتی ہے۔ اس طرح کی اور دوسری شرائط رکھی گئی ہیں جن سے غلطی کا کم سے کم احتمال رہے۔ طریقہ تعیناتی کے سلسلے میں دوسری رائے یہ ہے کہ قاضی حضرات کی تعیناتی کا کام عدالتی مجلس کو سونپ دیا جائے، اس مسلک کو بھی نشانہ تنقید

۱۔ قواعد المرافعات فی التشریع المصری والمقارن ا۔ ۴۶،۴۵

بنایا گیا ہے اس لیئے کہ اس صورت میں بالآخر سارا معاملہ ایک گروہ تک محدود ہو جائے گا اور یہ گروہ ملک کی اجتماعی و فکری ترقی و نشوو نما سے لاتعلق رہے گا پھر اس طرح اقرباپروری کے دروازے بھی کھل جائیں گے۔ جس سے نہ تو آزادی عدالت حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی اہلیت[1] کا حصول یقینی ہو سکے گا۔

لیکن پہلے اعتراض کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ ممبران ادارۂ امور عدالت کے اپنے طویل تجربے کے باعث اجتماعی حالات سے آگاہ ہوتے ہیں اور ملک کی اجتماعی و اقتصادی ترقی و نشوو نما نیز زندگی سے متعلق پہلوؤں پر ان کی نظر ہوتی ہے۔ رہا دوسرا اعتراض تو وہ بھی شرائط وضوابط کی پابندی سے رفع ہو جاتا ہے۔

قاضی حضرات کی نامزدگی کا طریقہ

ہم ذکر کر آئے ہیں کہ ججوں کی تعیناتی کا حق ولی الامر یا اس کے نائب کو حاصل ہے ان کے لئے لازم ہے کہ وہ منصب عدل و انصاف کی عظمت کو مد نظر رکھتے ہوئے بہتر اور قابل ترین افراد کا انتخاب مقرر کردہ شرائط کے مطابق کریں۔

ججوں کے انتخاب کے سلسلے میں دو طریقے ہیں جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے قاضیوں کی تعیناتی میں اختیار کیا۔ ایک طریقہ یہ کہ ایک شخص اپنی صفات و احوال میں نمایاں ہو اور قضاء کی ذمہ داری سنبھالنے کا اہل ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے بغیر کسی امتحان کے علی رضی اللہ عنہ کو قضاء یمن پر مامور فرمایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم ان کو خوب جانتے تھے۔ بہر حال آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے انہیں آداب قضاء کے متعلق وعظ و تلقین فرمائی اور کہا: ”دیکھو جب تمہارے سامنے دو دعویدار حاضر ہوں تو اس وقت تک ہرگز کوئی فیصلہ نہ کرنا جب تک تم دونوں کی بات نہ سن لو“ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ”پھر

۱۔ دیکھئے قواعد المرافعات صہ ۲۶۔ ۲۸

مجھے کبھی بھی فیصلہ کرنے میں کوئی الجھاؤ یا دشواری پیش نہیں آئی"۔

دوسرا طریقہ یہ کہ اس کا انتخاب بذریعہ "امتحان" ہو یعنی اس سے سوال و جواب کیا جائے تاکہ اس کی علمی استعداد اور منصب عدالت کی صلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔ جس طرح کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو لشکر (یمن کے نواح میں مقیم) کا حاکم قاضی بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "اے معاذ اگر تیرے پاس کوئی مقدمہ پیش ہوا تو کس طرح اس کا فیصلہ کرو گے؟"

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا " اے اللہ کے رسول میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا"۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: "اگر تو اس کا فیصلہ کتاب اللہ میں نہ پائے تو پھر؟ "کہا:" میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے مطابق کروں گا"۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:" اگر تو اس میں بھی نہ پائے" تو پھر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:" میں اپنی رائے کو بروئے کار لاؤں گا اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کروں گا"۔ یعنی اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کو اس بات سے نہایت مسرت حاصل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا:" شکر ہے اس رب کا جس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی کہ جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہے۔"

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی امتحان نہیں لیا گیا مگر کسی اتفاقی حادثے میں ایک شخص کی صلاحیت سامنے آئی تو اس کو یہ منصب دے دیا گیا۔ جس طرح کہ بصرہ کی منصب عدالت کے لئے عمر رضی اللہ عنہ نے کعب بن سوار کو مقرر کیا اور اسی طرح قاضی شریح کو کوفے کا منصب عدالت سونپا۔(ا)

ا۔ دیکھئے وکیع کی اخبار القضاۃ جلد ا صفحہ ۲۷۵ اور ۲۔۱۸۹ نیز دیکھئے تاریخ ابن عساکر جلد ۶ صفحہ ۳۰۵ دیکھئے نظام قضاء دفعہ نمبر ۵۳

سعودی عرب میں قاضی حضرات کے لئے ایک لائحہ عمل اور ڈھانچہ کے صادر ہونے کے بعد منصب عدالت میں تعیناتی و ترقی کا عمل جاری ہوا جو مجلس عدالت عالیہ کی قرارداد کے مطابق شاہی فرمان سے لاگو ہوا۔ پہلے سن ۱۳۸۷ھ میں اس کا آغاز قضاۃ کے فریم ورک سے ہوا پھر سن ۱۳۹۵ھ میں نظام قضاء سے ہوا جس میں اس کے دائرہ عمل کی وضاحت کی گئی اور اس سے متعلق احکام کے دو آرٹیکل نمبر۸ اور نمبر۹ میں اس کا ذکر ہے جس کے مطابق تعیناتی و ترقی کے متعلق ہر کیس کو جداگانہ طور پر سامنے رکھا جائے گا اور شرائط کی روشنی میں اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اس منصب کے امیدوار کے لئے کم از کم یونیورسٹی سے بی اے B.A. شریعت پاس ہونا ضروری ہے یا اس کے پاس اس کے مساوی اور سند ہو جو ثبوت ہو کہ وہ علم شریعت رکھتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں کسی حد تک قضاء کا تجربہ بھی پایا جاتا ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ۲۲ سال کا ہو۔ اس کے تجربے میں وہ مدت بھی شامل ہو گی جو اس نے یونیورسٹی میں علوم شریعت کی تدریس میں گزاری ہو۔ یا کہیں دینی مشاورتی کاموں میں یا تحقیق اعمال میں گزاری ہو۔ پس ان باتوں سے منصب عدالت میں تعیناتی کے سلسلہ میں ایک بہتر اور صاف ستھرے انتخاب کے لئے گارنٹی حاصل ہو جاتی ہے اور یہ اطمینان بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ اس میں کوئی قوت دخل انداز ہو سکے گی اور نہ کوئی بیرونی دباؤ خلل ڈالے گا۔

قاضی حضرات کی تعیناتی کی شرائط

نظام قضاء کے آرٹیکل نمبر ۳ میں وہ تمام مطلوبہ شرائط مذکور ہیں جو کسی شخص کا پیشہ عدالت میں تعین کے لئے ضروری ہیں' یہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ یہ کہ وہ سعودی شہری ہو گا۔ (اس میں یہ بات بھی مترشح ہے کہ وہ مرد ہو گا)۔ کیونکہ ہر جگہ الفاظ میں مردانہ صیغے ہی آئے ہیں۔ اور اس طرح یہ شرط بھی شامل ہے کہ منصب عدالت پر فائز مسلمان

ہو گا کیونکہ حکومت کا مذہب اسلام ہے اور وہ شرعی احکام کے مطابق فیصلے کرتی ہے۔ (اس کی طرف ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں) پھر اس ملک کی سو فیصد آبادی مسلمان ہے۔ شہریت کی شرط اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ غیر سعودی کی تقرری جائز نہیں ہے۔ یہی حال دوسری اقوام عالم کا ہے کہ وہ بھی اپنی ہی شہریت کے حامل افراد کو مقرر کرتی ہے مگر اس معاملہ میں کویتی قانون ذرا مختلف ہے۔ ان کا قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اگر منصب عدالت کے لئے کویتی دستیاب نہ ہو تو پھر کسی عرب باشندے کو متعین کیا جا سکتا ہے۔(۱)

اگرچہ شریعت اسلامیہ میں اس امتیاز کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے کہ شریعت تو بس دار السلام اور دار الحرب، مسلم اور غیر مسلم میں فرق کا ہے مگر جو چیز شہریت کے امتیاز کو جواز فراہم کرتی ہے وہ یہ ہے کہ قاضی کے لئے مناسب ہے کہ وہ شہر والوں کے طور طریقہ عادات و مزاج اور ان کے آپس کے معاملات سے بخوبی واقف ہو تاکہ بوقت فیصلہ وہ صحیح و درست سمت کا تعین کر سکے، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ممالک شہریت کے لئے ایک خاص مدت مقرر کرتے ہیں مثلاً شہریت حاصل کئے ہوئے پانچ سال کا عرصہ ہو چکا ہو۔

۲ ۔ منصب عدالت کے لئے منتخب شخص اچھے چال چلن کا مالک ہو۔ اسلام میں مرتبہ عدل کی اہمیت ہے مگر یہ ایک اندازے پر مبنی صفت ہے جس میں کم از کم یہ مطلوب ہے کہ اس شخص میں کوئی ایسی بات معلوم نہ ہو جو غلط شہرت کی پائی جاتی ہو۔

۳ ۔ منصب عدالت کے لئے شرع کی بیان کردہ مکمل اہلیت کا مالک ہو۔ یہ شرط نظام عدل میں دوسرے الفاظ کے ساتھ یوں آئی ہے کہ وہ کامل اہلیت کا مالک ہو یا اپنے شہری حقوق سے فائدہ اٹھانے والا ہو بغیر ان الفاظ کے (عدل و انصاف کے لئے شرعی بیان کے مطابق) اور اس سے مراد

۱۔ آرٹیکل نمبر۳۱ قانون تنظیم القضاء الکویتی ۱۹۵۹ء
دیکھئے شامی قانون برائے نظام عدل (قانون السلطۃ القضائیہ السوری) ۱۹۵۳ء

بلوغ اور عقل کا پایا جانا ہے۔ اہلیت بھی کسی شخص کی خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے اور اسی صفت کو شارع کسی شخص کے شرعی ذمہ داری کے اہل ہونے کا پیمانہ قرار دیتا ہے۔

اشخاص کی اہلیت جسم و عقل کے اعتبار سے تکمیل کے مراحل کے ساتھ رفتہ رفتہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ ان مراحل میں پہلے تو اس کے حقوق ملتے ہیں۔ اور پھر اس کی ذمہ داریاں اس پر ڈالی جاتی ہیں اور پھر درست تصرفات کا مرحلہ آتا ہے پھر ان ذمہ داریوں کے لئے تیار ہوتا ہے جو قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے اس پر لاگو ہوتی ہیں اور ان پابندیوں کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے جن کی پابندی اس کے لئے ضروری ہے۔ اہلیت عام اور شامل معنی میں شرعاً یہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ اہلیت وجوب اور اہلیت ادائیگی۔

اہلیت وجوب سے مراد کسی شخص کے اپنے حقوق کے لئے پابند کرنے اور پابند ہونے کی صلاحیت ہے اور اسی طرح اہلیت ان حقوق کا نام ہے جو اس کے اوپر واجب ہیں۔ لہٰذا اس تعلق سے اہلیت وجوب ایک انسانی صفت ہے جس کا عمر و عقل سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہاں تک کہ یہ ماں کے پیٹ کے اندر جنین کے لئے اور مجنوں کے لئے بھی ثابت ہے اگرچہ یہ ان دونوں کے بارے میں ناقص ہے' فقہاء کے نزدیک وجوب اہلیت کو (ذمہ) کا نام دیا گیا ہے۔

رہی اہلیت ادا تو وہ کسی شخص کا شہری حقوق کے تصرفات اور اعمال شرعی کو استعمال میں لانا ہے کہ جس کا شرعاً اعتبار عقل پر موقوف ہے' انسان کے باشعور ہو جانے پر اہلیت ادا کا آغاز ہو جاتا ہے تاہم ایک بھرپور و کامل قسم کی اہلیت ادا فوراً حاصل نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ آہستہ آہستہ جسمانی و عقلی نشو و نما کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے' اور اس طرح وہ تمام شرعی ذمہ داریوں کو قبول کرنے والا اہلیت ادائیگی کا مالک ہو جاتا ہے اور یہ اس کے فرائض میں شامل ہوتی جاتی ہیں۔ اس فقہی اصطلاح کے مترادف اگر کوئی لفظ ہو سکتا ہے تو وہ "ذمہ داری" ہو گا یا ذمہ کی ادائیگی۔(۱)

۱۔ دیکھئے غزالی کی المستصفی جلد ۱ صفحہ ۵۴ اور الشیخ احمد ابراہیم بک کی کتاب "الالتزامات فی الشرع الاسلامی صفحہ ۱۰۹ اور اس کے بعد کے صفحے

۴۔ منصب عدالت کے لئے تجویز کنندہ کا سعودی عرب کے کسی شریعت کالج سے بی اے ہونا ضروری ہے یا اس کے پاس جو ڈگری ہو وہ مملکت کی ڈگری کے مساوی مانی گئی ہو۔ اور اس کے ساتھ اس کو وزارت عدل کے تیار کردہ امتحان کے آخری مرحلہ میں کامیاب ہونا بھی شرط ہے اس طرح گویا شرعی احکام کے علم کی شرط اس سے پوری ہو گی۔ ان شاء اللہ دوسری شرائط کی بحث کے ضمن میں اس شرط پر مزید بحث ہو گی۔

۵۔ اگر اس کی تعیناتی تمییز عدالت کے قاضی کے لئے ہونی ہے۔ تو اس کی عمر چالیس سال سے کم نہیں ہونی چاہئے اور قضاء کے کیڈر کے لئے تعیناتی ہے تو عمر ۲۲ سال سے کم نہ ہو۔ ان شرائط کا مقصد صرف یہ ہے کہ اسے اس میدان میں زیادہ سے زیادہ تجربات حاصل ہو چکے ہوں۔ جن کے اضافے سے اس کی علمی قابلیت مزید نکھرے گی۔

یہ بات نوٹ کی گئی ہے کہ بنسبت مصر کے قاضی کے مملکت سعودیہ کا قاضی کم عمر ہوتا ہے کیونکہ مصری قانون کے مطابق ابتدائی عدالتوں کے لئے قاضی کی عمر تیس سال، جج برائے اپیل کورٹ کی عمر چالیس سال، اور جج برائے عدالت عظمی کے لئے تینتالیس سال کی عمر مقرر کی گئی ہے۔

۶۔ کسی حد یا تعزیر کا حکم اس پر نہ لگا ہو یا کسی ایسے جرم میں سزا یافتہ نہ ہو جس سے اس کی عزت و شرف پر حرف آتا ہو یا اس کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی عمل میں نہ آئی ہو جس کے نتیجے میں وہ اپنے منصب سے الگ کر دیا گیا ہو چاہے بعد میں اسے بحال بھی کر دیا جائے۔

اولاً : کسی چیز کا مانع عزت و شرف ہونا' ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں کوئی معین ضابطہ نہیں لگایا جا سکتا ہے اس لیے اس کا فیصلہ اسی اتھارٹی کے سپرد کیا گیا ہے جو تعیین کرتی ہے۔

ثانیاً : اس عبارت کا مطلب ہے کہ جرم طویل زمانہ گذر جانے کے بعد نظرانداز نہیں کہا جا سکتا ہے بس نظام عدالت کے لئے اس طرح کسی ایسے فرد کو پہنچنے سے روکا جا سکے گا جس کی بری شہریت سے خود اس منصب کی بھی بدنامی ہو۔ اس طرح یہ شرط صفت عدالت کی تکمیل کرتی ہے۔

ان کے علاوہ دو اور بھی ایسی شرطیں ہیں جن سے نظام نے تعرض نہیں کیا ہے۔ یعنی آزادی اور حواس کی سلامتی یعنی (سننا دیکھنا اور بات کرنا) ان کے متعلق بحث آگے آئے گی۔

ان تمام شرائط میں سے بعض پر سب فقہاء کا اتفاق ہے اور کچھ میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک شرط قاضی کے مرد ہونے کے بارے میں بھی طے کی گئی ہے اور یہ مالکی، شافعی، حنبلی اور شیعہ مذہب کے جمہور فقہاء کی رائے کے مطابق ہے۔[1]

منصب قضاء کے لئے عورت کی نامزدگی

اولاً: مذکورہ قواعد و شرائط کی روشنی میں کسی عورت کی منصب قضاء کے لئے نامزدگی نہ تو جائز ہے اور نہ ہی درست ہے۔ اگر ایسا کر بھی دیا جائے تو اسے ایسا منصب سونپنے والا گنہگار ہو گا اور اس عورت کی ولایت (اختیار) باطل ہوگی اور اس کا کوئی بھی فیصلہ قابل نفاذ نہ ہو گا اگرچہ وہ فیصلہ حق کے مطابق ہی کیوں نہ ہو اور اس میں اس کی گواہی قبول کی جاتی ہو۔ اس رائے کے حامی فقہاء نے کتاب و سنت، اجماع اور معقول سے دلائل لا کر اپنی رائے کو پیش کیا ہے۔

۱۔ کتاب اللہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ ﴾

مرد عورتوں پر قوام[2] ہیں۔ اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

اس کی وجہ دلالت یوں ہے کہ یہ آیت اسلوب حصر (عمومی لفظ استعمال کر کے) سے بتاتی ہے کہ تمام عورتوں پر نگرانی کا منصب تمام مردوں کے سپرد کیا گیا ہے نہ کہ عورتوں کو مردوں پر نگران مقرر کیا گیا

۱۔ حوالہ نمبر ا دیکھئے دردیر کی شرح کبیر ۴۔ ۱۲۹ مغنی ۱۱۔ ۳۸۰ قلیوبی کی شرح منہاج پر ۴۔ ۲۹۶

۲۔ قوام اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالت میں چلانے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے اور اس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔

ہے۔ اگر عورتوں کے لئے عام ولایت جائز ہوتی (اور عام ولایت میں قضاء بھی شامل ہے) ان کی حاکمیت مردوں پر ہوتی جب کہ آیت اس کے برعکس ہے۔(۱) آیت میں تو قوامیت عام لفظ سے آئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے صرف ایک مخصوص قوامیت نہیں بلکہ ہر نوع کی قوامیت مراد ہے پس یہ بات واضح ہوئی کہ منصب عدالت کے لئے عورتوں کی نامزدگی کسی طور پر جائز و درست نہیں۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ قرآن میں جس نگرانی و سرپرستی کا ذکر کیا گیا ہے اس سے ایک مخصوص قسم کی نگرانی و سرپرستی مراد ہے۔ یعنی خاندان میں مرد کی عورت پر نگرانی و حاکمیت نہ کہ تمام معاملات میں اور اس کی دلیل میں تین باتیں کہی جاتی ہیں:۔

الف۔اس آیت مبارکہ کی شان نزول یہ بیان کی جاتی ہے کہ سعد بن الربیع کی بیوی ان کی نافرمانی کرتی تھی۔ پس غصہ میں آکر انہوں نے اسے تھپڑ مار دیا۔ ان کی بیوی نے اس بات کی شکایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دی۔ آپ نے فرمایا:" تمہارے درمیان فیصلہ قصاص سے ہو گا" تو اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی :

﴿ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْءَانِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَىٰٓ إِلَيْكَ وَحْيُهُۥ﴾ [طه : ۱۱٤]

اور دیکھو! قرآن میں جلدی نہ کیا کرو جب تک کہ تمہاری طرف اس کی وحی تکمیل کو نہ پہنچ جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ ﴾

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" کہ جو میں نے سوچا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس حکم نازل فرمایا ہے۔"(۲)

۱۔ دیکھئے علامہ الماوردی کی کتاب الاحکام السلطانیہ صفحہ ۶۵

۲۔ دیکھئے ابن العربی کی احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۴۱۵

لہٰذا اس کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے کہا کہ اس قوامیت سے مراد شوہر کو بیوی کو ادب و اخلاق سکھلانے کی تنظیمی حاکمیت ہے۔

ب : آیت کی ترکیب اور اس کا سیاق : یہ آیت خاندان سے متعلق امور کی نشاندھی کرتی ہے جیسے کہ شوہر کا خاندان پر خرچ کرنا اور پھر اس کے حقوق جو اس کے لئے اس کی بیوی پر مرتب ہوتے ہیں لہٰذا یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ "قوامہ" سے مراد مردوں کا اپنی بیوی پر اقتدار و انتظام ہے نہ کہ تمام شعبوں میں۔

ج : یہ کہ عورت مخصوص قسم کی نگرانی و سرپرستی کے لئے صلاحیت رکھتی ہے۔ جس طرح کہ یتیموں کی سرپرستی اور امور اوقاف۔ وہ اس لئے کہ عورت ان امور کو بجالانے کی قدرت رکھتی ہے لہٰذا جب یہ قدرت و طاقت ایک جگہ ثابت ہوگی تو وہ ولایت عامہ میں بھی ثابت ہو گی اگر اجماع نے عورت کی نامزدگی کو بحیثیت ایک سربراہ مملکت یا اس کے مشابہہ امور کے ناجائز قرار نہ دیا ہوتا تو پھر عورت کے لئے بغیر کسی فرق کے ولایت عامہ و خاصہ دونوں میں نامزدگی جائز ہوتی۔

تو ان دونوں میں قول کی تائید کرنے والوں کے استدلال کا جواب یوں دیتے ہیں[1] کہ یہ کہنا کہ آیت میں تخصیص عموم ہے۔ صحیح نہیں ہے کیونکہ اصول فقہ کے قواعد کے مطابق لفظ میں عموم کا خیال رکھا جائے گا اور اس کے خصوصی سبب سے لفظ کا عموم متاثر نہ ہو گا۔ علماء کا اسی بات پر اتفاق ہے۔

۲۔ آیت میں شوہر کے بیوی پر نگرانی و سرپرستی کی جس بات کو لے کر عموم کو مخصوص کرنے کی جو بات کہی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس حکم عام میں داخل افراد میں سے کسی فرد کو الگ سے ذکر کرنے کی بات ہے اور یہ عام کو مخصوص کرنا نہیں بلکہ عام کے بہت سے افراد ہی سے ایک کا ذکر کرنا ہے۔ علماء کے نزدیک اگر کہیں لفظ عام آئے اور کہیں خاص اسی پر دلالت کرے گا جس پر لفظ عام

۱۔ دیکھئے ڈاکٹر عبد العال عطوہ کی محاضرات فی طرق القضاء

دلالت کرتا ہے اور وہ تخصیص کرنے والا نہ ہو گا۔ اب یہاں آیت میں نص عام ہے کوئی ایسی چیز بھی نہیں پائی جاتی جو اسے مقید کرتی ہو یا خاص کرتی ہو' لہٰذا یہ خاندانی سرپرستی سے لے کر زندگی کے تمام شعبوں کو لئے ہوئے ہے۔ پھر بالفرض اگر اسے متنازعہ مسئلہ مان بھی لیا جائے کہ یہ نص خاص طور پر خاندان سے متعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر گھریلو معاملات میں عورت کو سربراہی و سرپرستی کا کام سپرد نہیں کیا گیا جو ایک کم تر ذمہ داری ہے تو پھر اسے معاشرہ میں سربراہی کے اس سے آگے کی ذمہ داری بھی نہ سونپنا اور بہتر ہے۔

رہی بات خاص امور میں عورت کی صلاحیت کی اجازت کی تو اس کا عام امور کے لئے ولایت پر استدلال کرنا ایک قیاسی بات ہے اور قیاس سے عام کو خاص نہیں کر سکتے ہیں۔ اور اگر اس میں علماء کے اختلافات سے استدلال کیا جائے کہ بعض کتاب کے عام کو قیاس سے مخصوص کرنے کے قائل ہیں تو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں معاملہ قیاس باطل کا ہے کیونکہ ولایت خاصہ مثلاً وقف شدہ گھر کا تصرف' مال یتیم کی دیکھ بھال کا کام وغیرہ کہ جس میں صرف قابلیت و مقدرت ہی کافی ہوتی ہے جب کہ ولایت عامہ بہت زیادہ اہلیت چاہتی ہے اور ایسی مقدرت مانگتی ہے جو اس ولایت کے مزاج سے بھی مناسبت رکھتی ہو۔ یہ بات تو واضح ہے کہ جو شخص کسی خاص نوعیت کے کام کی قدرت دیکھتا ہے بعض اوقات کسی عام نوعیت کے کام کی قدرت دیکھتا ہے بعض اوقات کسی عام نوعیت کے کام کی استطاعت نہیں رکھ پاتا ہے۔ لہٰذا اس فرق سے انکار ہٹ دھرمی ہے اور یہ بات بھی اسی وقت تک اہمیت رکھتی ہے جب تک یہ کہا جائے کہ نامزدگی کا تعلق قابلیت سے ہو مگر عورت کی سربراہی میں رکاوٹ اس کا عورت ہونا بھی ہے جس کی طرف حدیث ابی بکرہ بھی اشارہ کرتی ہے جب کہ نسوانیت کسی منصب کے فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ بھی اور عدم کمال کا سبب بھی ہے۔ اور علت نسوانیت تمام ولایتوں میں موجود ہے اور جس میں صرف قابلیت کا سہارا لیتے ہوئے اس کے جواز پر اجماع نہ بھی ہوتا تو ہم اس کے بھی عدم جواز کا کہتے کیونکہ دلیل سے تخصیص علت کرنا اہل اصول

کے نزدیک راجح رائے ہے رہا یہ قول کہ عمومی ولایت میں نسوانیت کا کوئی اثر نہیں تو یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ خلافت' شہروں کی گورنری اور لشکروں کی قیادت ہر جگہ اس کا لحاظ رکھا گیا ہے چونکہ یہ تمام منصب اعلیٰ درجہ کی قابلیت اور جسمانی قدرت کا تقاضا کرتے ہیں۔ لہٰذا ان اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت کی سربراہی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور انعقاد اجماع اسی پر ہوا ہے۔

دوسری دلیل سنت سے ہے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنی باگ ڈور عورت کے سپرد کر دی"۔[1]

علماء کہتے ہیں اگرچہ یہ حدیث بمعنی خبر کے ہے تاہم اس میں عورت کی عام سربراہی سے روکا گیا ہے سوائے مستثنیٰ امور کے جو نص میں وارد ہیں۔ جیسے خاص نوعیت کی سرپرستی جب کہ قضاء ولایت عام میں آتی ہے۔ اس دلیل پر یہ تنقید کی گئی ہے کہ یہ محل نزاع کے علاوہ ہے۔ کیونکہ یہ حاکم اعلیٰ کے بارے میں ہے لہٰذا اس حدیث سے جو بات ہم اخذ کریں گے وہ صرف منصب اعلیٰ تک محدود ہے اس لئے ولایت قضاء میں یہ حدیث دلیل نہیں ہے اس کی تائید میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس حدیث کا سبب کسریٰ ایران کی بیٹی کا تخت نشین ہونا تھا' لہٰذا یہ حدیث سربراہی مملکت تک محدود رہے گی جو نظام اسلامی میں حکومت کا سب سے بڑا منصب ہے۔

اس کا جواب یوں ہے کہ یہاں بھی قاعدہ کے مطابق عموم لفظ کا لحاظ رکھا جائے گا نہ کہ خصوص سبب کا۔ حدیث میں لفظ امرہم عمومی طور پر آیا ہے۔ جو امت کے تمام معاملات کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اور پھر جمہور کی رائے کے حق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں جن میں سے ایک تو جنت میں جائے گا اور باقی دو جہنم میں۔ جنت میں جانے والا وہ شخص ہو گا کہ جس نے حق کو پہچانا اور پھر اس کے مطابق فیصلے کئے۔ دوسرے شخص نے حق سے آگاہی حاصل کی لیکن فیصلہ کرتے وقت ظلم و زیادتی کا مرتکب ہوا لہٰذا جہنم کا

1۔ یہ حدیث صحیح ہے جسے ابو داود نے اپنی سنن میں القاضی یخطئ کے باب میں روایت کیا ہے۔ ۳۔ ۲۹۹

مستحق ہوا۔ تیسرے شخص نے لاعلمی میں رہ کر لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا تو ایسا شخص بھی جہنم واصل ہوا۔ تو اس عبارت سے اشارہ ملا کہ قاضی مرد ہونا چاہئے اور اس کے مفہوم سے ثابت ہوا کہ منصب قضاء کے لئے عورت صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ جب وہ حجاب میں رہے گی تو فریقین کے سلسلے میں بہت سے حقوق نہ جان سکے گی اور اس طرح اس کا حکم حق کے بغیر یا حق کے خلاف ہو گا۔

رہی بات اجماع کی تو ائمہ مجتہدین کا عدم جواز پر اجماع ہے اس دعوے پر مندرجہ ذیل تنقید کی گئی ہے۔

۱۔ یہ کہ اجماع کا یقینی طور پر واقع ہونا ممکن نہیں اگر بالفرض اسے مان بھی لیا جائے تو اس کی خبر حاصل کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ احتمال باقی رہے گا کہ شاید کوئی مخالف قول رہا ہو اور ہم تک اس کی اطلاع نہ پہنچی ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تحقیق اجماع اور اس کی معرفت ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کی اصل اصول نے خوب چھان بین کی ہے اور اس کے یقینی ہونے کا ثبوت اور امکان معرفت اور اس کا علم ہونا ثابت کیا ہے خواہ ہر ایک مجتہد اپنی رائے کا الگ الگ اظہار کرے۔ یعنی فتوی دے یا فیصلے اور تالیف کی شکل میں یا کسی اور طریقہ سے اس کا اظہار ہوا ہو چنانچہ ان تمام مجتہدین کی آراء کو اکٹھا کرنے کے بعد انکا اتفاق پایا گیا ہو یا کسی واقعہ کے پیش آنے پر انہوں نے اکٹھی رائے کا اظہار کیا ہو۔ دونوں صورتوں میں اجماع کو مانا جائے گا۔

۲۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ اس مسئلے میں دعوائے اجماع یوں بھی درست نہیں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس لشکر کی قیادت سنبھالی تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابلے کے لئے نکلا تھا اور ان کے ساتھ شریک صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی ان کی قیادت کی مخالفت نہیں کی۔ لہٰذا یہ چیز عورت کے کسی منصب پر فائز ہونے کے سلسلہ میں عدم اجماع پر دلالت کرتی ہے اس میں خود منصب عدالت بھی شامل ہو جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کتب تاریخ سے یہ بات ثابت

شدہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اس جماعت کے زیر اثر نکلی تھیں جن کی قیادت حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کر رہے تھے۔ اور وہ یہ امید بنائے ہوئے تھے کہ شاید لوگ کسی ایک بات پر متفق ہو جائیں اور اس طرح ان میں پیدا شدہ تفرقہ و مخالفت کے اسباب ختم ہو جائیں۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ ان کا ان کے ساتھ نکلنا لوگوں کے فائدے کے لئے ہو گا۔ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ جل شانہ کے اس قول مبارک کا بھی حوالہ دیا :

﴿ لَّا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ﴾ [النساء : ١١٤]

"لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر و بیشتر کوئی بھلائی نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ و خیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لئے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لئے کسی سے کچھ کہے تو یہ البتہ بھلی بات ہے۔"

اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کا فعل مبارک بھی یہی ہے چنانچہ اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ثواب کی امید سے اور موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے (عائشہ رضی اللہ عنہا) نکل کھڑی ہوئی تھیں اور قریب تھا کہ فریقین کے مابین صلح قرار پا جائے لیکن فتنہ پروروں کی شرانگیزی کے باعث ایسا ہوتے ہوتے رہ گیا۔ کیونکہ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو امام مظلوم عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے اور خوف زدہ تھے کہ اگر فریقین میں صلح ہو گئی تو پھر ان کی خیر نہیں(۱)۔ لہٰذا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکلنا ان کا انفرادی فعل تھا نہ کہ ان کے ساتھ شامل جماعت نے ان کو اپنا سردار یا قائد مقرر کر لیا تھا اور یہ بات یوں بھی جائز نہیں کیونکہ شرعی ولی الامر نے جس

۱۔ دیکھئے ابن العربی کی العواصم من القواصم صفحہ ۱۵۲ اور اس کے بعد

طرح کہ اس وقت علی رضی اللہ عنہ تھے ان کو ولی مقرر نہیں کیا تھا۔ آپ تو صرف اصلاح کی خاطر نکلی تھیں نہ کہ کسی انقلاب کی قیادت کرنا ان کا مقصود تھا۔ اس کی دلیل میں حافظ بن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا یا ان کے ساتھیوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلافت میں جھگڑا کیا ہو اور نہ ہی ان میں سے کسی نے خلافت کے خواہش مند سے کہا ہو کہ وہ اس کی تائید کریں گے۔

بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ انہوں نے لشکر کی قیادت کی اور ان کا یہ فعل شریعت کی اس اساس پر ہو کہ صحابی کا فعل حجت ہوتا ہے اور یہ کہ کسی صحابی نے بھی ان کے اس فعل پر نکتہ چینی نہیں کی تب بھی یہ بات ہے کہ وہ اپنے ہودج میں پردہ نشین ہو کر بیٹھی رہیں یہاں تک کہ ان کے شامل مومنین میں سے بھی کسی نے ان کو نہیں دیکھا تو کیا اس اعتراض کرنے والے اس کیفیت کے ساتھ عورت کو منصب عدالت سپرد کرنے کے لئے تیار ہوں گے کہ وہ ہودج یا اپنے حجرے میں بیٹھ کر لوگوں کے فیصلے کرے اور لوگوں کا ہجوم باہر کھڑا ہو' یا پھر یہ اعتراض اس بات کا متقاضی ہے کہ کتاب اللہ کے کچھ کو تو مان لیا جائے اور کچھ کا انکار کر دیا جائے۔ (۱)

جمہور نے جس معقول دین سے استدلال کیا ہے وہ کئی پہلو رکھتا ہے۔

۱۔ یہ کہ منصب عدل و انصاف ایک کامل ترین رائے اور عقل و ذہانت کا محتاج ہے جو عورت میں بدرجہ کمال نہیں ہے کہ عورت کی زندگی کا مقصد عظیم اس کی مادریت (Motherhood) ہے اور یہی بات اس کی فطرت میں محبت و شفقت کے بہاؤ کو لئے ہوئے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے عوامل بھی اس پر اثر انداز ہوتے ہیں جیسے حیض 'حمل اور ولادت وغیرہ تو یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن سے رائے میں کمال بالکل ہی نہ ہو تو رکاوٹ ضرور ہوتی ہے۔

۲۔ یہ کہ عورت حکمرانی کے لئے موزوں نہیں ہے۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے اور

۱۔ دیکھئے ڈاکٹر عبدالعال عطوہ کے طرق القضاء کی لیکچرز

آپ کے بعد ان کے خلفاء اور ان کے بعد کے لوگوں میں سے کسی نے بھی عورت کو منصب عدالت یا کسی شہر و ریاست کی سربراہی کے لئے منتخب نہیں کیا ہے اور پھر تاریخ بھی اس بات کی گواہی نہیں دیتی کہ کوئی عورت اسلام میں منصب عدالت پر فائز کی گئی ہو۔ اگر ایسا جائز ہوتا تو کوئی زمانہ اس سے خالی نہ ہوتا۔ بلکہ ہر دور میں عورت کو ایسے مناصب حاصل ہوتے۔ (۱)

۳۔ عدالتی نشست میں مقدمات کے فریق مرد پیش ہوتے ہیں جب کہ مردوں کی محفل میں عورت کی حاضری جائز نہیں کہ اس کی وہاں موجودگی باعث فتنہ و شر ہے اور بسا اوقات اس کی گفتگو بھی فتنہ کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جو بات ممنوع ہے وہ ہے مردوں کے ساتھ بھیڑ کرنا اور خلوت میں اجنبی شخص سے ملنا لیکن آداب عزت و شائستگی کو برقرار رکھتے ہوئے عدل و انصاف کی بجا آوری کے لئے نکلنا جو کہ سراسر خیر و بھلائی کا سبب ہے کیونکہ اس طرح اقامت حق اور نصرت مظلوم ہوتی ہے اس لئے وہ جائز ہے اور وہ ایسا ہی ہے جیسے بغرض نماز مساجد کی طرف نکلنا جو خود ارشاد نبوی صلی اللہ وعلیہ وسلم سے ثابت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی بیوی اس سے نماز کے لئے مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو اسے مت روکو۔(۲) مگر اعتراض کا جواب یہ دیا جائے گا کہ عدل و انصاف کا کام خلوت اور مردوں سے میل جول کے بغیر سر انجام نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا اس کی بجا آوری کے لئے عورت کو ان مراحل سے گزرنا پڑے گا قاضی عورت کو فیصلے لکھوانے اور کارروائی کو دیکھنے کے لئے لازماً پرائیویٹ سیکرٹری سے تنہائی میں ملنا پڑے گا جو شرعاً حرام ہے۔ اس کے علاوہ مقدمات کے فریقین و گواہوں پر نظر ان کی حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لینا ہو گا۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو عورت کے لئے ممنوع ہیں۔ عورت کو تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے اپنی نگاہ جھکائے رکھے اور پھر مزید یہ کہ فریقین و گواہوں کے سامنے اس کا

۱۔ دیکھئے المغنی مع الشرح الکبیر جلد ۱۱ صفحہ ۳۸۔

۲۔ دارمی کی روایت حدیث ابن عمر باب النہی عن منع النساء من المساجد ۱۔ ۲۹۳

چہرہ کھلا رکھنا ہو گا جب کہ وہ نقاب اوڑھ کر فیصلہ نہیں کر سکے گی اور نہ ہی پس دیوار ہو کر ایسا ہو سکے گا۔ جب کہ عورت کو تو حجاب کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا ان تمام باتوں سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ اسے لا محالہ مقدمات کے سلسلے میں آتے ہوئے غیر مردوں سے رابطہ و میل جول رکھنا پڑے گا جو کہ شرعاً ممنوع چیز ہے۔ اس لئے اسے مسجد میں نماز ادا کرنے سے مشابہ چیز نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے یہ بھی بتلا دیا کہ بے شک عورت کو مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے جانے سے نہیں روکا جا سکتا لیکن اس کے باوجود اس کی گھر کی نماز مسجد میں نماز' پڑھنے سے افضل ہے یہاں تک کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب دیکھا کہ عورتوں کے مسجد میں جانے سے کیا کیا برائیاں و نقصانات پیدا ہو رہے ہیں تو فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے زمانہ مبارک میں ایسے حالات پیدا ہوتے تو آپ ضرور ان کو مساجد میں نماز ادا کرنے سے منع فرماتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔[(۱)] اس طرح معترض کا یہ قیاس غلط ثابت ہوا کیونکہ قیاس مع الفارق ہے یعنی دونوں میں وجہ علت کا فرق ہے۔ حنفیہ سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ حدود اور قصاص کے علاوہ امور میں عورت کو قضاء کا منصب دیا جا سکتا ہے یہ قول مسلک احناف کی صحیح طور پر تصویر پیش نہیں کرتا ہے کیونکہ وہ بھی عورت کے منصب قضاء پر تعین کے عدم جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک اگر کوئی والی حکومت ایسا کرتا ہے تو وہ گنہگار ہو گا۔ لیکن اگر کوئی عورت متعین کی گئی اور وہ اس ذمہ داری کو سنبھالتے ہوئے فیصلہ کرتی ہے یا کوئی دو اشخاص آپس کے باہمی جھگڑے میں اسے حکم مقرر کرتے ہیں تو ایسی صورت میں اس کا فیصلہ قابل نفاذ ہو گا بشرطیکہ وہ فیصلہ کتاب و سنت سے موافقت رکھتا ہو۔ مگر حدود و قصاص میں اس کا فیصلہ کسی طرح درست نہ مانا جائے گا اور لاگو بھی نہ ہو گا خواہ وہ کتاب و سنت کے موافق ہو۔(۲)

۱۔ بروایت بخاری مسلم ابو داود و ترمذی

۲۔ دیکھئے حاشیہ ابن عابدین جلد ۵ صفحہ ۴۴۰ اور اس کے بعد خصاف کی شرح ادب القاضی صفحہ ۲۵۰۔ ۱۶۰ جلد سوم اور طرابلسی الحنفی کی معین الاحکام صفحہ ۲۴

اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ حکومت اسلامیہ کا اکثر ادوار میں رئاسہ قضاء' احناف کے ہاتھ میں رہی ہے لیکن یہ بات ثابت شدہ ہے کہ انہوں نے منصب عدالت و انصاف کسی عورت کو ایک بار بھی سپرد نہیں کیا۔ تو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ احناف کے نزدیک عورت منصب قاضی کی مطلق طور پر اہل نہیں اور نہ ہی اس کے لئے منشور لکھا جائے گا کہ فلانی کو فیصلہ کے لئے مقرر کیا گیا ہے جب کہ احناف کے نزدیک قاضی کے لئے مرد ہونا شرط جواز ہے اس لئے عورت کو منصب عدل و انصاف کے لئے مقرر کرنے والا خود گنہگار ہو گا۔ پھر ان کے یہاں حدود و قصاص کے علاوہ فیصلے کے لئے مرد قاضی کا ہونا شرط صحت نہیں ہے۔

ابن جریر الطبری اور ابن حزم الظاہری کا مذہب

الماوردی نے ذکر کیا ہے کہ ابن جریر طبری تمام احکام میں عورت کو منصب دینے کے قائل ہیں[1]۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ ابن جریر سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ منصب قاضی کے لئے مرد ہونے کی شرط ضروری نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر عورت کے لئے مفتیہ ہونا جائز ہے تو پھر وہ قاضی (جج) بھی بن سکتی ہے[2]۔ ابن حزم الظاہری نے کہا کہ عورت کے لئے منصب عدل و انصاف پر فائز ہونا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کے مطابق جائز ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عورت اپنے خاوند کے مال کی نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے"[3]۔ اور جو عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کی ایک عورت ام الشفاء کو بازار کی نگرانی پر مقرر فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن جریر الطبری کی طرف جو قول منسوب کیا گیا ہے وہ تاریخی اور موضوعی دونوں لحاظ سے غلط ہے۔

۱۔ دیکھئے ادب القاضی جلد اول صفحہ ۶۲۶
۲۔ المغنی و الشرح الکبیر
۳ ۔ المحلی جلد ۱۰ صفحہ ۶۳۱

تاریخی پہلو سے اس کا غلط ہونا یوں ثابت ہوا کہ ابوبکر بن العربی نے ذکر کیا ہے کہ یہ نقل ابن جریر طبری سے ثابت نہیں لہٰذا اس بات کی نسبت ان کی طرف اس لئے درست نہیں (۱) کہ انکی کسی کتاب میں یہ جملہ نہیں ملتا ہے اور نہ ہی کسی صحیح سند سے کوئی روایت ان سے منسوب ہے۔ پس تاریخی پہلو کے اعتبار سے ابن جریر طبری کی طرف اس قول کی نسبت غیر اطمینان بخش ہے۔

رہی بات موضوعی پہلو سے تو یہ قول حدیث ابوبکرہ کی مذکورہ حدیث کے مخالف ہے جس کی صحت و دلالت پر اتفاق ہے پھر یہ قول اپنے پہلے گزر جانے والے فقہا کے اجماع کے مخالف ہے جس سے عورت کے منصب قضاء کے لئے نامزدگی خلاف شرع بنتی ہے تو ایسا قول جو اجماع کے مخالف ہو اور پھر اس قول کا کہنے والا اس اجماع میں متفق فقہاء کے زمانے کے بعد کا ہو تو پھر ایسے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ اس بارے میں الماوردی کا قول ہے "اس قول کا کوئی اعتبار نہیں جس قول کو اجماع اور پھر اللہ رب العزت کا یہ قول رد کرتا ہو"۔

مرد عورتوں پر قوام ہیں اس سبب سے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ (یعنی عقل ولانے میں) لہٰذا یہ جائز نہیں کہ وہ مردوں پر نگران ہوں۔(۲)

رہا جواز اس کے فتویٰ اور گواہی دینے کا تو فتوے کا مطلب کسی شرعی حکم کی خبر دینا ہے نہ کہ اس کا پابند کرنا یا نافذ کرنا۔ جب کہ قضاء حکم شرعی کی خبر دینے کے ساتھ ساتھ اس کو لازم کرنے کا نام ہے۔

رہی بات گواہی کی تو یہ منصب عدل و انصاف سے بہت کم رتبہ میں شمار ہوتی ہے تو ابن حزم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کے جس قول مبارک سے استدلال کیا ہے کہ عورت اپنے خاوند کے مال کی نگران اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک خاص قسم کی

۱۔ دیکھئے احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۱۴۵۷

۲۔ احکام الماوردی صفحہ ۶۵

ذمہ داری کی طرف اشارہ ہے نہ کہ ہر قسم کی ذمہ داری و فرائض کے بارے میں اور جس کی ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ اس موضوع پر جو چیز سبب حکم ہے وہ ہے نسوانیت نہ کہ مقدرت اگر نص یا اجماع نہ ہوتا تو ہم اس کی ولایت خاص کے بھی عدم جواز کا کہتے اسی طرح ابن حزم کا یہ استدلال کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ام الشفاء کو بازار میں قیمتوں کے کنٹرول کے لئے مقرر فرمایا تھا تو اس کا جواب دو طرح سے ہے۔

پہلا یہ کہ کسی صحابی کا قول یا فعل کہ جس میں رائے کی گنجائش ہو حجت نہیں اور یہ بات اسی طرح اہل اصول کے نزدیک راجح ہے 'کوئی بھی اس بات کا دعویدار نہیں کہ اس کے قول کے خلاف کسی کا قول نہیں ہے کہ اس کا قول اجماع کی حیثیت رکھتا ہو اور کسی قدر حیرانگی کی بات ہے کہ باوجود حجت صحابی کے انکاری ہونے کے ابن حزم عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے استدلال حاصل کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالعال عطوہ نے اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا ہے کہ ابن حزم خود متضاد رائے کا شکار ہو گئے ہیں۔ ایک طرف تو وہ عورت کے خود شادی کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے۔ ابن حزم کا قول ہے کہ عورت چاہے کنواری ہو یا غیر کنواری ولی کے بغیر اس کا نکاح جائز نہیں۔ جب کہ قاضی دوسروں کو رشتہ ازدواج میں منسلک کرتا ہے تو اگر قاضی عورت ہو تو یہ اولی ہو گا۔ کہ وہ خود اپنے نفس کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر لے۔ جب ابن حزم منصب عدل و انصاف کے لئے عورت کے تقرر کو جائز قرار دیتے ہیں تو یہ کیسے ہو گا کہ بطور عورت مسئلہ نکاح کا آئے تو یہ کام کوئی دوسرا ہی سرانجام دے[1]۔ اور مسئلہ قضاء کا آئے تو وہ خود قاضی بن سکے؟ دوسری بات یہ ہے کہ ابن حزم نے اس اثر سے استدلال کر کے اپنی ہی عادت کے خلاف بات کی ہے کہ نہ تو اس کی سند بیان کی ہے اور نہ ہی اس کا صحت کے اعتبار سے درجہ بتایا۔ اصل یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی ام الشفاء کو محتسب مقرر کرنے والی روایت درست نہیں ہے۔ اس سے قبل ہم ابن العربی کا قول بیان کر چکے ہیں وہ

۱۔ محاضرات فی طرق القضاء صفحہ ۱۹

صاف کہتے ہیں کہ یہ روایت درست نہیں ہے۔ لہٰذا وہ قابل توجہ نہیں ہے۔ یہ تو محض بد عتیوں کی چال ہے کہ انہوں نے اس کو گھڑ کر منسوب کر دیا۔

تو یہ ہیں وہ مختصر سی آراء جو قاضی کے مرد ہونے کو شرط قرار دینے کے بارے میں ہیں ' ہم اس سے یہ خلاصہ حاصل کرتے ہیں کہ عورت کے کسی منصب کے لیے تقرری کی نسبت اتفاق بھی ہے اور اختلاف بھی جو اتفاق پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ عورت امامت بمعنی خلافت کے لئے نامزد نہیں کی جا سکتی مگر خاص قسم کی ولایت پر اس کی تقرری جائز ہے جس طرح کہ وصیہ یتیم اور مال وقف میں۔ نقطہ اختلاف اس میں ہے کہ عورت تمام امور کی انجام دہی کی اہلیت رکھتی ہے یا نہیں ؟ اس بات پر اجماع موجود ہے کہ منصب عدل و انصاف کے لئے عورت کے تقرر کا کوئی جواز نہیں ہے۔ چاہے وہ مردوں کے درمیان ہو یا عورتوں کے درمیان ہو یا کم سنوں کے درمیان ہو۔ فقہی لحاظ سے سب کا حکم ایک ہے۔

بعض قانون پر لکھنے والوں نے یہ تجویز دی ہے کہ یہ عورتوں کے اپنے مسائل میں کم سنوں کے مقدموں میں عورتوں کو قاضی مقرر کیا جائے۔ یہ رائے فقہاء کے اقوال کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے جو کچھ ابن حزم اور دوسرے لوگوں نے کہا ہے وہ اجماع پر اثر انداز نہیں ہوتا اس لئے کہ ایک تو وہ اجماع کے بعد کے اقوال ہیں اور دوسرے ان کے استدلال میں کوئی وزن نہیں ہے اور جب کہ اس بات پر بھی اجماع موجود ہے کہ عورت حدود و قصاص کے فیصلے نہیں کر سکتی۔

رہی بات غیر حدود و قصاص کی تو اس میں بھی احناف اور جمہور علماء کا اختلاف تو موجود ہے مگر راجح قول جمہور ہی کا ہے۔

شرط دوم : اسلام

مسلمانوں کے درمیان منصب عدلیہ کے لئے اسلام شرط ہے یعنی مسلمانوں کے درمیان فیصلوں کے لئے کافر کی تقرری درست نہیں کیونکہ عدل و انصاف کا تعلق باب ولایت سے ہے اور کافر کی مسلمانوں پر کسی قسم کی حاکمیت نہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلَن يَجْعَلَ ٱللَّهُ لِلْكَـٰفِرِينَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴾ [النساء : ۱۴۱]

"اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھیں گے۔"

شرع کی رو سے یہ راستہ نہ قبول کرے گا۔ آیت کی عبارت سے خبر کا مفہوم نکلتا ہے مگر اس میں انشائی معنی ہیں جس کا مقصد نہی سے ہے کیونکہ قضاء کا مقصد احکام شرعیہ کو منطبق کرتا ہے جب کہ کافر شرعی حکم سے واقف ہی نہیں پھر وہ ناقابل اعتبار ہے کیونکہ وہ خود ان احکام کا پابند نہیں ہے۔ اس شرط پر بھی فقہاء کا اجماع ہے۔

رہی بات غیر مسلموں کی تو جمہور فقہاء کے نزدیک ان کے درمیان فیصلہ کرنے والا بھی مسلمان ہونا چاہئے۔ اس بناء پر مختلف دینوں کے ماننے والوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے بھی کافر کی تعین جائز نہیں صرف احناف اس کے جواز کے قائل ہیں۔

ا۔ وہ اپنے استدلال میں کہتے ہیں کہ : (۱)

ا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ ۞ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَـٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ ﴾ [المائدة : ۵۱]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ' یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

ا۔ دیکھئے حاشیہ ابن عابدین جلد ۵ صفحہ ۳۵۵

۱- پس یہ آیت ان کے درمیان میں سے بعض کی حاکمیت بعض پر ثابت کرتا ہے جس میں ولایت قضاء بھی شامل ہے۔

۲- ذمی کی ذمی پر گواہی جائز ہے لہٰذا ذمی کی ذمی پر قضاء بھی جائز ہوئی کیونکہ قضاء کی اہلیت شہادت کی اہلیت کے تابع ہے۔

۳- آغاز تاریخ اسلامی ہی سے یہ (روایت) عرف بنا ہوا ہے کہ ذمیوں کے فیصلہ کے لئے انہیں میں سے قاضی مقرر کئے جاتے رہے ہیں۔

جمہور فقہاء اپنے استدلال میں کہتے ہیں۔

۱- ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ [التوبة : ٢٩]

"(ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔"

تو ان کا منصب عدل پر مقرر کرنا ان کے احکام کو لاگو کرنا ہے جو امت کی ذلت و رسوائی کے منافی بات ہے لہٰذا یہ جائز نہ ہوا۔

۲- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے :"اسلام سربلند رہنے والا ہے اور اس پر کوئی اور سربلند نہیں ہو سکتا" بس اس خبر نے غیر مسلم کی حاکمیت کو ممنوع قرار دے دیا ہے' کیونکہ اس کی حاکمیت سربلندی کی علامت ہے۔

۳- ایک فاسق و فاجر مسلمان کافر سے بہتر ہے کیونکہ اس پر احکام شریعت لاگو ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود مسلمان کا فسق مانع قضاء ہوتا ہے تو پھر یہ بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا کہ بوجہ کفر کافر کو اس سے روکا جائے۔ (۱)

جمہور احناف کے دلائل کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت "موالات" (قلبی تعلق) پر

۱- ادب القاضی الماوردی ۱-۶۳۲

محمول ہے نہ کہ ولایت پر اس لئے کہ ان کی تقرری میں جس روایت و عمل کو استعمال میں لایا جاتا ہے اس سے مراد سربراہی و حاکمیت کی تقرری ہے نہ کہ حکم و قضاء کی اس کا یہ حکم ان کے اپنے اہل دین کے لئے ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے درمیان اس سے فیصلے کرانے کے لئے پابند ہوتے ہیں جب کہ قاضی کی تقرری الگ معاملہ ہے۔ اہل ذمہ حاکم کے عائد کردہ حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی کافر قاضی ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہے تو یہ فیصلہ امام کو لازم نہیں آتا اور یہ بھی ایک دلیل ہے کہ اگر کوئی ذمی کافر قاضی کی طرف اپنے مقدمات نہیں لے جانا چاہے تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ جب کہ وہی اپنا معاملہ بخوشی مسلمان قاضی کے پاس لے جا سکتا ہے۔

یہاں ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔ خاص طور پر ان امور میں جو خاندانی اور شخصی احوال کے زمرہ میں آتے ہیں اس ترجیح کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔ جس طرف سے احناف نے استدلال کیا ہے اس کا انحصار دلیل شرعی پر ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر فتح کیا تو قبطیوں میں سے قاضی مقرر کئے تاکہ وہ اپنے اہل مذہب کے درمیان فیصلے کر سکیں اور جب عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے اس حکم کو قائم رکھا۔ اس بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کسی قسم کی مخالفت رائے بھی سامنے نہیں آئی۔ اور یہی وہ مقررہ نظام عدل و انصاف ہے جو دولت عثمانیہ اور مصر میں رائج رہا ہے۔

۲۔ اہل ذمہ کے درمیان فیصلوں کے لئے انہیں میں سے قاضی مقرر کرنا دراصل مسلمانوں کی طرف سے ذمیوں کے ساتھ ایک قسم کی رواداری کا مظاہرہ ہے یہی وہ اصل و اساس ہے کہ جسے اسلام نے تسلیم کیا ہے اس سے یہ مطلب نہیں لیا جائے گا کہ اس قسم کی تقرری مسلمان حاکم پر واجب ہے کیونکہ شریعت اسلامی کی اصل کے مطابق مسلم ملک میں ہر قسم کے نظم و نسق کی ذمہ داری مسلمانوں ہی کے سپرد کی جائے گی نہ کہ غیر مسلموں کی طرف۔ اور اسی طرح یہ بھی مقصود نہیں کہ اہل ذمہ کو مقدمات کے سلسلہ میں انہیں کے قاضی کی طرف جانے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ مسلمان

قاضیوں کی طرف رجوع کرنا ان کا حق ہے۔

۳۔ ان کے لئے انہیں میں سے قاضی مقرر کرنا' ان کی ذلت اور چھوٹے پن ہونے کی نفی نہیں کرتا کہ یہ تو اہل ذمہ تک محدود ہے۔ ان کو جزیہ کا پابند کرنا ان کے کفر کی وجہ سے ہے اور یہی ان کے جھکنے کی علامت ہے جو قاضی بننے کے بعد بھی باقی رہے گی۔ اور اس سے اسلام اور اہل اسلام کے لئے ان پر برتری میں کمی نہیں آئے گی کیونکہ وہ مسلمانوں پر فیصلہ نہیں کریں گے۔ (۱)

باقی مسائل نکاح کے علاوہ دوسرے مسائل جس میں دیوان و فوجداری مقدمات وغیرہ ہیں تو ان میں اسلامی عدل و انصاف کی برتری کا تقاضا ہے کہ ان امور کا مسلمان قاضی ہی فیصلہ دے چاہے وہ اسے بخوشی رضا و رغبت کے قبول کریں یا ناپسندیدگی کا اظہار کریں کیونکہ اس کا سب سے بڑا مقصد ملک میں امن و امان کا ایک ڈگر پر چلانا ہے اور یکسانیت برقرار رکھنا ہے۔ نیز میدان عدل میں انتشار کو روکنا ہے۔

مسلمانوں کے لئے غیر مسلم قاضی کی تقرری کے بارے میں ایک شاذ رائے

اسلام میں نظام عدل و انصاف کے موضوع پر بعض جدید محققین نے شہادت پر قیاس کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے غیر مسلم قاضی کی تقرری کو جائز قرار دیا ہے ان کی رائے میں احوال شخصی کے علاوہ ان کا فیصلہ جائز ہوگا۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں وہ کہتے ہیں کہ :

۱۔ حالت سفر میں ایک مسلمان کی وصیت کے سلسلے میں غیر مسلم کی شہادت کو قبول کرنے کی اجازت حنابلہ شریح' نخعی' اوزاعی' ابن مسعود' ابو موسی اشعری' ظاہری فرقہ اور امامیہ دیتے ہیں۔ اپنی دلیل میں وہ اللہ جل شانہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ شَهَـٰدَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ حِينَ ٱلْوَصِيَّةِ ٱثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ ءَاخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى ٱلْأَرْضِ فَأَصَـٰبَتْكُم مُّصِيبَةُ ٱلْمَوْتِ ﴾ [المائدة : ١٠٦]

۱۔ ا۔ محاضرات فی طرق القضاء صفحہ ۱۴ب۔ مذکور محمد سلام القضاء فی الاسلام صفحہ ۳۹۔ ۴۰ اور صفحہ ۱۲۵

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو اس کے لئے شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنائے جائیں' یا اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیر لوگوں ہی میں سے دو گواہ لے لئے جائیں۔"

غیر کم سے عام مراد اہل کتاب ہیں تو اس آیت کے مطابق حالت سفر میں اگر مسلمان کی گواہی حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو پھر غیر مسلم کی گواہی لی جا سکتی ہے۔

۲۔ امام احمد بن حنبل سے بھی مسلمان کے لئے غیر مسلم کی شہادت کا جواز نقل کیا گیا ہے۔

۳۔ امام مالک سے مسلمان کے لئے مسلمان طبیب کی عدم دستیابی کی صورت میں دو کافر طبیبوں کی گواہی کا جواز نقل کیا گیا ہے۔

۴۔ امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ حالت سفر میں غیر مسلم کی مسلمان کے لئے گواہی کی علت "ضرورت" ہے اور اس علت کے مطابق یہ گواہی بدرجہ مجبوری میں ہو گی خواہ سفر میں ہو یا حضر میں' وصیت میں ہو یا کسی اور بات میں سب میں قبول کی جائے گی کیونکہ دلالت نص کے مطابق وصیت کسی بھی حادثہ کے باعث ہو سکتی ہے یوں سب مواقع میں ضرورت کا احتمال مانا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

۵۔﴿ وَأَشْهِدُوٓاْ إِذَا تَبَايَعْتُمْ ﴾ [البقرة : ۲۸۲]

"اور گواہ بنالو جب تم آپس میں لین دین کرو۔"

معاملہ (خواہ چھوٹا ہو یا بڑا) دستاویز لکھوا لینے میں تساہل نہ کرو اللہ کے نزدیک یہ طریقہ تمہارے لئے زیادہ مبنی بر انصاف ہے۔ اس سے شہادت قائم ہونے میں زیادہ سہولت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ﴾ [النساء : ٦]

"پھر جب ان کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو اس پر گواہ بنالو۔"

یہاں اسلام کی قید نہیں لگائی گئی ہے۔ لہٰذا غیر مسلم کی مسلم پر گواہی کی اجازت دی جا سکتی ہے مگر وہ امور جو خاندانی امور کے زمرہ میں آتے ہیں مثلاً طلاق وغیرہ تو وہ اس عام حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جب غیر مسلم، مسلم پر شہادت کا اہل ہو سکتا ہے تو وہ اس پر فیصلہ صادر کرنے کا بھی اہل سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اہلیت عدل و انصاف کا تعلق اہلیت شہادت سے ہے۔ استاذ محمد سالم مذکور مصنف "القضاء فی الاسلام" اس رائے کو درست قرار دیتے اور اس کی غرض و غایت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس رائے کو ماننے سے مصری نظام عدل کے موجودہ قوانین شرعی سیاست کے دائرے میں آجاتے ہیں کیونکہ اس میں غیر مسلم کی گواہی کو مانا گیا ہے۔ شخصی احوال میں غیر مسلم کا فیصلہ مسلم پر جائز نہ ہوگا۔ مگر شہری مسائل میں اس کا جواز ان دلیلوں سے مل جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں۔ کہ محقق فاضل نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بعض اسلامی ممالک میں نافذ العمل قوانین کو درست ثابت کرنے اور شریعت اسلامیہ کو اس کے تابع کرنے کی بھونڈی کوشش ہے۔ عربی ضرب المثل ہے "وما ھکذا تورد الابل یا سعد" یعنی امور اس طرح انجام نہیں دئے جاتے ہیں[1]! ہونا تو یہ چاہئے کہ تمام معاملات و قوانین شریعت کے تابع ہوں نہ کہ شریعت کو ان کے ماتحت کر دیا جائے۔

مروجہ قانون و معاملات کا نفاذ یا معاشرہ کی مصلحتوں کو اسی وقت درست ہوگا جب کہ یہ مصلحت نص یا اجماع سے متصادم نہ ہوتی ہو۔ غرض یہ کلام علماء سابقین کے اجماع کے مخالف ہے۔ ان کے

۱۔ المغنی الشرح الکبیر جلد ۱۲ صفحہ ۵۳

استدلال کے بارے میں ہم کہیں گے :

۱- یہ کہنا کہ امام احمد بن حنبل میراث میں غیر مسلم کی مسلم پر شہادت کے قائل ہیں۔ معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ بلکہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ یعنی احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان پر اہل کتاب اور کافر کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ مگر حالت سفر میں وصیت اس وقت جائز ہو گی جب ان کے سوا کوئی اور موجود نہ ہو اس بات کو ان سے تقریباً بیس اشخاص نے روایت کیا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ جو قول ابن قیم نے نقل کیا ہے وہ مذہب میں مروی قول ہے۔[1] اس لئے ابن قیم نے اس روایت کے بعد ایک دوسری روایت بھی بیان کی ہے۔ وہ اس قول کو بیان کر کے اس کے بارے میں کہتے ہیں اور اس پر فتویٰ ہے کہ یہی مذہب ہے اور یہی قاضی علم و عدل شریح اور سعید بن مسیب کا قول ہے اور جسے انہوں نے ابن عباس اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے پھر ان کی تائید کرنے والے دلائل بیان کئے ہیں جن سے روایت اول کی قدر و قیمت میں کمزوری واقع ہوئی ہے۔ اگر اس کی صحت کو فرض بھی کر لیا جائے تو پھر یہ مرجوح رائے کہلائے گی کیونکہ اس کا تعلق حالت ضرورت سے ہے جو وصیت میں اہل کتاب کی شہادت کو قبول کرنے کا حکم دیتی ہے تو جب مذکورہ ضرورت ہی نہیں ثابت ہوئی تو پھر ایسی شہادت بھی قبول نہیں کی جائے گی اس طرح جس دلیل کی افادیت کو بالفرض کہہ کر بیان کیا گیا تھا اس سے یہ بہت دور کا استدلال ہو گا کہ اس سے غیر مسلم کا مسلمان کی غیر موجودگی میں بوقت ضرورت منصب عدل و انصاف پر تقرری کا جواز ملتا ہے اور یہی بات فقہا کے بیان کردہ دوسری عبادتوں کے بارے میں بھی کہی جائے گی۔

۲- باہمی بیع کے بارے میں جو شہادت آیت میں آئی ہے وہ مطلق ہے (بغیر مسلم کی قید کے) جب کہ مال یتیم کے معاملے میں گواہوں کے لئے اسلام ان کی سچائی اور ہر قسم کے الزامات سے برأت کی قید ہے۔

۱- روایت مذہب کا مطلب ہے کہ کوئی روایتوں میں سے ایک روایت نہ کہ وہ قول جس پر فتویٰ ہو۔

فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَٱسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَٱمْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ ٱلشُّهَدَآءِ ﴾ [البقرة : ٢٨٢]

"پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرالو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان میں سے جن کو گواہی سے راضی ہو۔"

تو ہمارے مرد سے مراد مسلمان مرد ہیں اور گواہوں میں سے پسندیدہ گواہ وہ مسلمان ہیں جو عادل اور راست باز ہوں اور اس طرح مسلمانوں پر گواہی میں اسلام کی شرط اجماع کے ساتھ ہے۔ اس سے یہ چیز ظاہر ہوتی ہے کہ گواہی اسلام سے بندھی ہوئی ہے لہٰذا موصوف نے جو بات کہی ہے ان آیات سے اس کی حجت ثابت نہیں ہوتی۔

۳۔ یہ بات ناقابل تسلیم ہے کہ اگر کسی کو شہادت کا اہل قرار دیا گیا تو وہ قضاء کا بھی اہل ہو گیا۔ اس لئے کہ ولایت قضاء بغیر کسی واسطہ کے لازم کرنے والی ہے جب کہ شہادت بواسطہ حکم قاضی کے ہی حق کو ثابت کرنے والی ہے۔ بس گواہی مرتبہ قضاء سے کم رتبہ کی ہے۔ اس طرح ان کے درمیان جو فرق ہے اس کی وجہ سے ایک کو دوسری پر قیاس نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ کسی غیر مسلم کی مسلم پر گواہی بحالت سفر اور بوقت ضرورت ہی وصیت وغیرہ میں قبول کی جا سکتی ہے' چنانچہ غیر مسلم کی نامزدگی ماسوائے ضرورت کے جائز نہیں۔ کیونکہ اس بارے میں نصوص کتاب و سنت اور جمہور فقہاء کے جو قول ملتے ہیں وہ واضح ہیں اور یہ قول ان سب سے ٹکراتا ہے۔ ہونا تو یہ تھا کہ وہ مصری نظام عدل و انصاف کی درستگی کی بات کرتے تاکہ اس میں شریعت اسلامیہ کے احکام سے مطابقت ہوتی اور اس کی صورت یہی تھی کہ وہ یہ قانون بنوائے کہ غیر مسلمانوں کو ان کے ہم مذہب افراد کے لئے قضاء تک محدود کر دیا جائے اگر ایسا ہوتا تو شریعت اسلامیہ کو اس مشکل سے نجات دلائی جاتی جس

میں گرفتار ہے کہ ہمارے حالات اس کے تابع ہونے کے بجائے ہم اس کو اپنے حالات کا پابند کر رہے ہیں۔

شرط سوم : حق گوئی اور انصاف پسندی

دیانت داری ' انصاف کی پابندی اور قول و فعل میں یکسانیت و توازن کا نام عدالتؔ ہے جو دوصورتوں سے متحقق ہوتی ہے۔ دینی امور میں صالحیت کا ہونا اور مروت و مردانگی کے جوہر سے آراستہ ہونا دینی امور میں مصالحیت کا مطلب ہو گا۔ فرائض اسلام کی بجا آوری کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور صغیرہ گناہوں پر جمے نہ رہنا۔ مروت سے مراد یہ ہے کہ ایسے افعال انجام دے جو اس کی شخصیت کو نکھار دیں اور نیک نامی میں مدد گار ہوں اور ان امور سے دور ہو جو ناپسندیدہ ہوں اور اخلاقی گراوٹ تک پہنچائیں۔ (۱)

ماوردی "عدالت" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عادل وہ ہے جو زبان کا سچا ہو' امانت دار ہو' محرمات سے دور ہو' گناہوں سے بچنے والا ہو' دھوکہ فریب سے دور رہنے والا ہو' غصے اور خوشی دونوں میں بے ضرر ہو' دینی اور دنیاوی معاملات میں مروت سے کام لینے والا ہو۔(۲) تو جو اس صفت کا مالک ہو گا تو پھر اس کا کسی ایک فریق کی طرف بے جا رجحان و دلچسپی کا اندیشہ نہ ہو گا۔ اس شرط کا منصب قضاء کی تقرری میں بالاتفاق اعتبار کیا گیا ہے۔ اور اسی لئے کسی حاکم کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ فاسق کو منصب عدل و انصاف کی ذمہ داری سپرد کرے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو پھر گنہگار ہو گا۔ اب رہا یہ بات کہ فاسق کو قاضی بنا دیا گیا تو اس کے احکام کی کیا حیثیت ہو گی۔ تو اسمیں فقہاء شافعیہ' حنابلہ اور مالکیہ کا اختلاف ہے۔ ان کا مشہور قول یہ ہے کہ صادر شدہ احکام اسی وقت صحیح ہوں گے جب کہ قاضی عادل ہو اور اسی کو بنیاد بناتے ہوئے کسی فاسق کو منصب عدالت کی ذمہ داری سونپنا

۱۔ دیکھئے المغنی الشرح الکبیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۷

۲۔ ادب القاضی جلد اول صفحہ ۶۳۴ اور الاحکام السلطانیہ صفحہ ۶۶

درست نہیں اس لئے ایسے شخص کا کوئی فیصلہ نافذ العمل نہ ہوگا۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ :

۱۔ فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا۟ أَن ﴾ [الحجرات : ٦]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ جل شانہ فاسق کے متعلق چھان بین کا حکم فرماتے ہیں لہٰذا اس کا تقاضہ یہ ہوا کہ جب تک اس کے حالات کا اچھے طور پر علم نہ ہو جائے اس کے قول کو موخر کر دیا جائے اب اگر وہ قاضی ہو گا تو اس چھان بین سے ان مقدمات کے فیصلوں میں تاخیر ہو گی جن میں فوری انصاف درکار ہوتا ہے اور یہ انصاف کے خلاف ہے۔

۲۔ منصب عدل و انصاف کے لئے لازمی شرط امانت کی ہے جب فاسق اپنے ہی نفس پر امین نہیں تو پھر وہ کس طرح لوگوں کے خون و آبرو اور مال و متاع کا امین بن سکتا ہے۔

۳۔ فاسق گواہی دینے کا اصل نہیں تو پھر وہ قاضی بننے کی اہلیت بھی نہیں رکھتا کیونکہ گواہی کا درجہ منصب عدل و انصاف پر تقرری کے رتبہ سے کہیں کم تر ہے گویا جو ادنی کا اہل نہیں تو وہ اعلی کا کس طرح اہل ہو سکتا ہے۔

احناف کے نزدیک منصب کے سنبھالنے کے لئے عدالت شرط ہے مگر صادر فیصلوں کے لئے عادل قاضی کا ہونا شرط نہیں۔ اس سے حکم گنہگار تو ضرور ہو گا مگر اس فاسق کا فیصلہ نافذ العمل ہو گا۔ انہوں نے ان دلیلوں سے استدلال کیا ہے۔

۱۔ فاسق کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ چھان بین کے بعد اس کی بات کو قبول کر لیا جائے گا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کے حالات کی چھان بین سے کیا فائدہ ہے۔ جب فاسق کی گواہی قبول کر لی جائے گی تو پھر اس کی منصب عدل و انصاف کے لئے تقرری بھی درست نہیں ہو گی اس لئے کہ اہلیت قضاء' اہلیت شہادت سے حاصل کی جاتی ہے۔

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کا فرمان ہے۔ عنقریب تم پر ایسے حکمران مسلط ہوں گے جو نماز کو وقت کی پابندی سے ادا نہیں کریں گے لیکن تم نماز کو وقت کی پابندی ہی سے ادا کرتے رہنا اور جو نماز ان کے ساتھ ادا کرو گے اس کو نفل بنا لینا۔(۱) اس حدیث میں وجہ دلالت یہ ہے کہ عمداً نماز کو اس کے وقت سے موخر کرنا فسق ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے ان حکمرانوں کی حکمرانی کو خبر دی ہے۔ اور ان کے ساتھ نماز پڑھنے کو حکم دیا ہے تو اس سے فاسق کی صحت حکمرانی کی دلیل ملتی ہے۔

جمہور فقہاء نے احناف کے آیت کے استدلال کا جواب یوں دیا ہے کہ بغرض آگاہی و چھان بین حکم قاضی کو موخر کرنا منصب عدل و انصاف کے لائق بات نہیں اور حدیث سے یہ استدلال لینا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے فاسق حکمرانوں کے متعلق خبر دی ہے تو اس سے اس کی مشروعیت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ مسئلہ تو صحت تقرری کا ہے نہ کہ اس کے وجود کا۔(۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری نظر میں راجح رائے وہی ہے جو جمہور فقہاء کی ہے لیکن علماء کے بیان کردہ صفات کی روشنی میں ایسی عدالت کا کسی میں یقینی طور پر پایا جانا بھی ایک مشکل معاملہ ہے۔ خصوصاً آج کے حالات میں۔ بس امکان بھر جستجو ہی کی جا سکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ امیدوار میں کوئی ایسی بات نہ پائی جائے جو صحت عدالہ کی منافی ہو بجائے اس کے کہ ہم ان صفات کا مطالبہ کریں جو اس کی شخصیت کو داغدار نہ کرتی ہوں موجودہ دور میں اس کو اچھے کیرکٹر اور چال چلن سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی طرف ہم پہلے بھی اشارہ کر آئے ہیں تو اس طرح سے دستیاب افراد میں سے مناسب ترین کا انتخاب کر سکیں گے۔ اس سے حکم دینے اور مقدمات کے فیصلوں کی راہیں بالکل مسدود بھی نہ ہوں گی اور مشقت اور جرح سے بھی بچا جا سکتا ہے۔

ہاں اگر اس کا عیب کھل کر سامنے آجائے تو حاکم شرعی اس کا علاج کرے گا۔ خواہ اسکے ٹیڑھ

۱۔ مسلم ۲۔ ۶۸۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ امام احمد جلد اول صفحہ ۴۰۰۔ ۴۰۹۔ ۴۵۵۔ ۴۵۹ جلد ۵ صفحہ ۱۶۸۔ ۱۶۹ جلد ۶ صفحہ ۷

۲۔ المغنی والشرح الکبیر جلد ۱۱ صفحہ ۳۸۲

پن کو سیدھا کر کے یا اس کو منصب سے الگ کر کے۔

شرط چہارم : بلوغت

اجماع فقہاء کی رو سے بلوغت منصب عدل و انصاف کے لئے لازمی شرطوں میں سے ایک شرط ہے لہٰذا اس منصب کے لئے کسی نابالغ کی نامزدگی درست نہیں۔ اس بارے میں ان کا ذریعہ ماخذ یہ دلیلیں ہیں۔

۱- حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«تعوذوا بالله من رأس السبعين وإمارة الصبيان»(۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ستر کے آغاز اور بچوں کی حکمرانی سے پناہ مانگو۔ نابالغ کی امارت سے پناہ طلب کرنے کا حکم فرمایا ہے اور پناہ تو صرف شر سے بچنے کے لئے طلب کی جاتی ہے پس لڑکے کی تقرری شر کو قائم کرنے کے مترادف ہوئی۔ جو ناجائز ہے اور اس لئے بھی کہ ولایت امام نظر و مصلحت کے ساتھ مقید ہے اور نابالغ کی تقرری میں کوئی مصلحت نہیں لہٰذا اس کی تقرری و نامزدگی جائز نہیں۔

۲- عدل و انصاف ذہانت پختہ رائے اور بھرپور عقل کا محتاج ہوتا ہے اور ان تمام چیزوں کا بچے میں بھرپور طور پر پایا جانا ممکن نہیں لہٰذا اس کی نامزدگی ناجائز ہے۔

۳- اسے تو اپنے نفس پر اختیار نہیں ہے تو عدل و انصاف کے دائرے میں اسے دوسروں پر کب اختیار ہوگا۔ وہ اس بات کا مستحق ہو سکتا ہے کہ اس کے تصرفات پر پابندی لگائی جائے اور قاضی کی تو یہ شان ہے کہ وہ دوسروں پر پابندی عائد کرتا ہے۔ یہاں ایک دلچسپ واقع کا ذکر مناسب ہوگا کہ جس

۱- امام احمد بن حنبل نے اس کو مسند میں (جلد دوم صفحہ ۳۲۶) ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے مرفوع حدیث قیس بن غفاری کی عبارت بھی اس کی گواہی دیتی ہے۔ اس کے راوی صحیح ہیں طبرانی بھی اسے عوف بن مالک سے مرفوعا روایت کیا ہے اس میں نہاس بن فہم ضعیف ہے۔

کو الشیخ عمیرہ نے فقہ کی کتاب شرح الجلال المحلی للمنہاج کے اپنے حاشیہ میں بیان کیا ہے کہ جب مقتدر باللہ عباسی کو سن ۲۹۵ ہجری میں خلافت سونپی گئی تو اس کی عمر اس وقت تیرہ سال تھی اس کے زمانے کے ایک صاحب الصولی نے ایک کتاب تصنیف کی جس میں ولایت صغیر کا دفاع کرتے ہوئے لکھا کہ اللہ جل شانہ نے یحیٰی بن زکریا کو بچپن ہی میں نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے بچوں کی کئی امور کے لئے متعین فرمایا۔(۱) یہ بات معلوم رہے کہ شرائط بلوغ کے متعلق جو اجماع ہے یہ رائے اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی کیونکہ الصولی ایک تو فقیہ نہیں۔ دوسرے جس چیز سے انہوں نے استدلال کیا ہے اس میں کوئی حجت قائم نہیں ہوتی کیونکہ یحیٰی علیہ السلام کا دو تین یا سات سال کی عمر میں نبی بننا صرف انہی تک مخصوص ہے لہٰذا جس میں کسی کی خصوصیت ثابت ہو۔ اس پر دوسروں کے لئے قیاس درست نہیں جب کہ بیشتر انبیاء چالیس سال کی عمر سے قبل مبعوث نہیں کئے گئے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنے پیغام کو کہاں رکھتا ہے اور پھر ایک بات اور کہ حکم کی حکمت سے تفسیر کی گئی ہے اور علم و عمل سے بھی اور وحی سے بھی۔ اسی لئے ابن العربی نے کہا کہ اس کے جب کہ کئی معنی مراد ہو سکتے ہیں تو ایک معنی کو باتحقیق کہنا دلیل کے ساتھ ہی ہو گا۔ (۲)

رہی بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی بچوں کو مقرر کرنے کی تو یہ بات ثابت نہیں کہ انہوں نے کسی بچے کو ولایت خاصہ یا عامہ میں مقرر کیا ہو۔ رہی یہ بات کہ انہوں نے عمرو بن مسلمہ کو چھ یا سات سال کی عمر میں قوم کی امامت سپرد کی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ قوم اسلام لے آئی تو اس وقت عمرو بن سلمہ اپنی ساری قوم میں قرآن پاک کے زیادہ قاری اور جاننے والے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد مبارک ہے تم سے امامت وہ کرے جو قرآن کو زیادہ پڑھنے والا اور

۱۔ حاشیہ عمیرہ جلد ۴ صفحہ ۱۸۳

۲۔ احکام قرآن جلد ۳ صفحہ ۱۲۵۱

جاننے والا ہے(۱)۔ پھر عمرو بن سلمہ کے تعلق سے یہ بھی خیال رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم سے ان کی ملاقات ثابت نہیں نتیجتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کے ان کو کوئی حکم دینے کا سوال ہی نہیں۔ پس اس نص کی تطبیق میں قوم عمرو بن سلمہ کا یہ اپنا اجتہاد تھا کہ انہیں بعض قرآن زبانی یاد تھا لہٰذا اس میں کوئی حجت نہیں پھر زرکشی الصولی کے قول پر رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اجماع فقہاء کے خلاف قول ہے۔ (۲)

پھر اس کے بعد قاضی کے لئے بڑی عمر کا ہونا کوئی شرط نہیں بلکہ جس میں بھی یہ شرطیں جمع ہو جائیں خواہ وہ زیادہ عمر کا نہ ہو' اس کو یہ منصب دیا جا سکتا ہے۔ بات ابھی گزری ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے کسی شخص کی تقرری میں طویل عمر کا ذکر نہیں کیا ہے۔ روایت ہے کہ مامون نے جب یحیی بن اکثم کو بصرہ کا منصب عدل و انصاف سپرد کیا تو اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال یا بیس سال تھی۔ اس کم عمری کے باعث بعض لوگوں نے اعتراض بھی کیا' مامون نے جب لوگوں کا اعتراض سنا تو اپنے صحیح انتخاب کے ثبوت کے طور پر اس نے یحیی بن اکثم کو خط لکھ کر پوچھا کہ قاضی کی کتنی عمر ہوتی ہے یا ہونی چاہیئے۔ یحیی بن اکثم نے جواب میں لکھا میری عمر حضرت عتاب بن اسید کی عمر جتنی ہے جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے مکہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ روایت میں آتا ہے کہ عتاب بن اسید کی اس وقت عمر اکیس یا تیئس برس کے لگ بھگ تھی۔

سعودی نظام قضاء نے بھی عمر کی جو شرط طے کی ہے وہ اس سے کچھ قریب ہے۔ چنانچہ دفعہ نمبر ۳۷ کے پیراگراف (ہ) میں یہ شرط آئی ہے کہ قاضی عدالت عالیہ کے علاوہ قاضیوں کی عمر بائیس برس سے کم نہ ہو۔ جب کہ قاضی (تمییز) عدالت عالیہ کے لئے کم سے کم عمر چالیس سال کی گئی ہے۔

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے مغازی میں روایت کیا ہے جلد ۵ صفحہ ۱۹۱ اور ابو داؤد نے باب من احق بالامامہ میں جلد ۱ صفحہ ۱۹۵۔ ۱۶۰ نمبر ۵۸۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

۲۔ دیکھئے السنن الکبری للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۹۱

اس کی اساس یہ ہے کہ چالیس برس کے انسان کو دوسرے کی نسبت زیادہ تجربات حاصل ہو جاتے ہیں۔

شرط پنجم : عقل

اجماع فقہاء کے مطابق عقل بھی کسی قاضی کی نامزدگی کے لئے شرط ہے مجنون اور کوتاہ عقل انسان منصب عدل و انصاف کے لئے موزوں نہیں اسی طرح ذھنی طور پر بیمار انسان منصب عدل و انصاف کا اہل نہ ہو گا۔ احکام شرعیہ میں کسی مکلف احکام کے لئے جتنی عقل کافی ہے قاضی میں اس سے زیادہ ہونی چاہیۓ۔ اسی لئے ضروری ہے کہ وہ اتنی پختہ عقل و ذہن کا مالک ہو کہ معاملات کو بخوبی انجام دے سکے جس طرح کہ الماوردی کہتے ہیں درست پہچان کرنے والا ہو' عمدہ ذھانت کا مالک ہو' نسیان و غفلت سے دور ہو اپنی عقل و ذھانت کی بدولت پیچیدہ اور الجھے ہوئے معاملات کو حل کرنے والا ہو۔ (۱)

شرط ششم : احکام کا علم یا علم اجتہاد

اکثر شافعی' حنبلی' مالکی اور بعض حنفی علماء کے نزدیک نظام قضاء کے لئے وہی اہل ہو گا جو احکام شرعیہ کے اصول سے واقف ہو فروع پر گرفت رکھتا ہو تاکہ نئے مسائل کے احکام میں اجتہاد کر سکے علمی بصیرت سے حق و باطل کی تمیز کر سکے۔ فقہاء کے مطابق اصول احکام چار ہیں۔

پہلا : اللہ جل شانہ کی کتاب کا ایسا علم جس سے اس میں مذکورہ احکام سے واقف ہو۔ احکام میں کیا داخل ہے کیا نہیں اس پر اس کی نظر ہو (یعنی ناسخ' منسوخ عام و خاص مطلق و مقید حکم استثنایہ سے آگاہ ہو)۔

دوسرا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال پر مشتمل سنت کا علم ہے۔

۱۔ دیکھئے احکام الماوردی صفحہ ۶۵

تیسرا : اقوال و اجماع سلف کے واقف ہو کہ مسئلے کے کیا اقوال ہیں اور کن میں اجماع ہے اور کن میں اختلاف ہے تو متفق رائے کی اتباع کرے اور مختلف میں اجتہاد کر کے ایک رائے متعین کرے۔

چوتھا : قیاس کا علم ہو۔ جس کے مطابق کتاب و سنت میں موجود حکم کو نئے مسائل پر منطبق کیا جاتا ہے۔

غرض وہ ان اصولوں کو جان لے گا تو اس میں اجتہاد و استنباط کی صلاحیت آ جائے گی اس لحاظ سے مقلد اور شرعی احکام سے ناواقف کے لئے یہ منصب دینا نہ جائز ہے اور نہ صحیح اور ایسے شخص کے احکام نافذ العمل نہ ہوں گے۔ چاہے حق کے موافق ہی کیوں نہ ہوں' اور جس نے ایسی تقوی کی تو وہ گنہگار ہو گا اگر بسبب مرض یا سفر مجتہد (خواہ حقیقتہ خواہ حکما) نہیں ملتا ہے تو ایک مثالی (Ideal) مقلد کو ضرورت کے تحت لیا جا سکتا ہے جو اپنے طبقے میں سب سے بہتر ہو۔ انکا استدلال کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور معقول ہے۔

۱۔ کتاب اللہ میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ يَـٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلْنَـٰكَ خَلِيفَةً فِى ٱلْأَرْضِ فَٱحْكُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ ﴾ [ص : ٢٦]

"اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ لہٰذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو۔"

"اور فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

﴿ وَإِنْ حَكَمْتَ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِٱلْقِسْطِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴾ [المائدة : ٤٢]

وجہ دلالت یہ ہے کہ یہ دونوں آیتیں حق و عدل سے انصاف کرنے کا حکم دیتی ہیں اور ان آیات مبارکہ کے بموجب انصاف ایک مجتہد ہی سے حاصل ہو سکتا ہے نہ کہ کسی مقلد سے کیونکہ مجتہد ہی حکم شرعی میں عدل تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

ایک جگہ اللہ کا فرمان ہے۔

﴿ وَإِذَا جَآءَهُمۡ أَمۡرٌ مِّنَ ٱلۡأَمۡنِ أَوِ ٱلۡخَوۡفِ أَذَاعُواْ بِهِۦۖ وَلَوۡ رَدُّوهُ إِلَى ٱلرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسۡتَنۢبِطُونَهُۥ مِنۡهُمۡۗ وَلَوۡلَا فَضۡلُ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهُۥ لَٱتَّبَعۡتُمُ ٱلشَّيۡطَٰنَ إِلَّا قَلِيلٗا ﴾ [النساء : ۸۳]

"ان کو جب کوئی امن کی یا خوف کی بات پہنچتی ہے تو اسے وہ پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر یہ اسے رسول (اللہ صلی اللہ علیہ و سلم) اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو (تمہاری کمزوریاں ایسی تھیں) کہ معدودے چند کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی بات کو سن کر جو فیصلہ نہ کر سکے وہ اہل استنباط تک پہنچا دے کہ وہی اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔

۲- معاذ رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے پوچھا تھا کہ اگر انہیں کتاب و سنت میں حکم نہ ملا تو وہ کیا کریں گے اس پر معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ وہ اجتہاد سے کام لیں گے۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے کام لینے کی توثیق کی اور قاضی میں اس صفت کا ہونا ضروری ہوا۔ کیونکہ اگر تقلید کے ساتھ حکم دینا جائز ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم اسے ضرور بیان فرماتے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جہاں کھول کر کہنا ضروری

ہو وہیں اگر اختصار ہو تو یہ دلیل ہوتی ہے۔ حصر کی اور اس کے علاوہ کے اس میں داخل نہ ہونے کی دوسری ضرورت کے وقت بیان میں تاخیر درست نہیں ہے۔

۳۔ عقلی دلیل : تقلید کی اجازت مقلد کے لئے ضرورتاً ہے اور ضرورت کا دائرہ اس کی حد تک رہے گا اور دوسروں کو اس بات کا پابند نہ کیا جائے گا جس کا وہ پابند ہے۔(۱)

جمہور احناف و مالکی علماء کا میلان دوسری روایت کی طرف ہے اسی طرح حنابلہ میں سے متاخرین بھی قاضی کے لئے اجتہاد کے عدم شرائط کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ اجتہاد کا ہونا بہتر ہے مگر جیسا کہ "الانصاف" میں مذکور ہے کہ لوگوں کا ایک زمانے سے عمل یہ ہے کہ اس کا عالم ہونا کافی ہے۔ اگر قاضی کے لئے اجتہاد کو شرط قرار دیا جائے تو پھر لوگوں کے معاملات معطل ہو کر رہ جائیں گے۔(۲) چنانچہ اس بناء پر کسی ایک مسلک کے مقلد کی تقرری جائز ہے اور اس کا حکم نافذ العمل ہو گا۔ بلکہ حنفیوں اور مالکیوں میں سے متاخرین نے ان پڑھ کی تقرری کو بھی جائز کہا ہے۔ پس وہ بوقت ضرورت اہل علم اور مفتی حضرات سے مشورہ کر لے گا۔ اور اس بناء پر حکم لگا دے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ (فقہاء) سے مقصود جو بات ہے وہ یہ ہے کہ حقدار تک اس کا حق پہنچ جائے تو جس طرح یہ اجتہاد سے حاصل ہو گا اسی طرح تقلید سے بھی ممکن ہو گا کہ مقلد فیصلہ کے لئے اپنے مذہب کی مشہور رائے و فتوی کی طرف رجوع کرے اور پھر اس کے مطابق فیصلہ کرے جس طرح کوئی ان پڑھ فقہاء سے پوچھ کر فیصلہ دے سکتا ہے۔(۳)

۲۔ ان کا کہنا ہے کہ مقلد کسی ایک مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے سے خواہش نفس کی پیروی کی تہمت سے نکل جاتا ہے۔ ایک مذہب کی پابندی کا فائدہ یہ ہے کہ طرح طرح کی رایوں اور متضاد خیالات کے بجائے ایک منہج پر چلتے ہوئے فیصلہ آسانی اور جلدی سے ہو جاتا ہے اور فریقین کو اندازہ

۱۔ دیکھئے ادب القاضی جلد اول صفحہ ۶۴۸ اور احکام الماوردی صفحہ ۶۶

۲۔ المرجع السابق میں اس کا ذکر ہے۔

۳۔ بدائع الصنائع جلد ۷ صفحہ ۳

رہتا ہے کہ فیصلہ کس طرح کا ہو گا۔

خلاصہ اور تبصرہ

جو کچھ اس معاملے میں تفصیل آئی ہے اس کی روشنی میں اس کے بارے میں ہم مندرجہ ذیل خلاصہ نکال سکتے ہیں۔

۱۔ جو شخص اہل اجتہاد میں سے نہیں اس کی منصب قضاء کے لئے تقرری جائز نہیں۔ سلف میں جمہور علماء کی رائے یہی ہے اور یہی راجح رائے ہے۔

۲۔ چاروں مذاہب کے مقلدین میں سے کسی کی تقرری جائز ہے۔ یہ سلف کی اقلیت اور بعد کے علماء کی اکثریت کی رائے کے موافق ہے۔

۳۔ جاہل، ان پڑھ کی تقرری بطور قاضی جائز ہے۔ اس سلسلہ میں وہ اہل علم اور مفتی حضرات کی طرف رجوع کر کے ان کے علم کے مطابق فیصلہ جاری کر سکتا ہے یہ بات متاخرین حنفی اور مالکی فقہاء کی رائے کے مطابق ہے۔

اول - پہلی رائے رکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اگر مجتہد حقیقتاً یا حکماً نہ پایا جائے اور اگر پایا بھی جاتا ہے تو اس میں حق گوئی و راست بازی والی صفت نہ ملے جو کہ بعض لوگوں کے نزدیک شرط ہے تو مذاہب اربعہ میں سے کسی کے مقلد کو قاضی مقرر کرنے کے سلسلہ میں دونوں رائیں ایک ہو جاتی ہیں کہ یہاں مقلد کی تقرری معتبر ہو گی۔ فریق اول کے مطابق اس لئے کہ ضرورت اس کا تقاضہ کرتی ہے۔ فریق ثانی کے مطابق اس لئے ان کے نزدیک فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول کا تعین جائز ہے۔

دوم - جو یہ کہتے ہیں کہ مجتہد ہی منصب قضاء کا اہل ہے تو اس سے ان کی مراد مذاہب اربعہ کے تدوین سے پہلے کے حالات سے ہے اس کے بعد پھر ان مذاہب کی تقلید پر اجماع ہو گیا جیسا کہ ابن ھبیرہ نے اس کو نقل کیا ہے۔ اس کے مطابق جس مسلک کے مطابق بھی عمل کیا جائے جائز ہے

کیونکہ سبھی کا استدلال کتاب و سنت پر ہے۔ تو جب قاضی اپنے فیصلوں میں علماء مذاہب یا کسی ایک قول کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کا مطلب یوں لیا جائے گا گویا اس نے وہ قول لیا جو اس کے اجتہاد سے سامنے آیا ہے۔ اس طرح بقدر امکان خلاف سے نکل سکیں گے اور اس کے ساتھ جمہور کی رائے سے خروج بھی ہو گا۔ اس کی اجازت ہے کہ قول واحد پر عمل کرتے مگر احتیاط کی بات وہی ہے جو ہم نے کہی۔ (۱)

اس بات کا خیال رہے کہ جو اجماع مذاہب اربعہ ہی کی تقلید پر منعقد ہوا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب اجتہاد ہی ناجائز ہے۔ کیونکہ جنہوں نے اجماع نقل کیا ہے ان کی مراد اس سے یہ نہیں تھی۔

رہا کسی جاہل یا ان پڑھ کے نسب قضاء پر تقرری کے جواز کا تو وہ تو بالکل ہی ناقابل قبول ہے۔ ہم یہ مان لیں کہ وہ کسی سے پوچھ کر حکم دے سکتا ہے مگر وہ پیش کردہ مقدمہ پر اس کی صحیح طور پر تکلیفیں کرے یہ بھی ضروری نہیں۔ امام ابن قیم کا کہنا صحیح ہے کہ فقہ دو قسم کی ہوتی ہے ایک فقہ کلی احکام میں اور ایک فقہ عوام کے حالات و معاملات کی اور یہ دوسری تو اور گہری نظر کی محتاج ہے۔ اسی لئے قضاء تو ایک علم بھی ہے اور حق بھی۔

قاضی کی تقرری کی شروط میں علماء کے اختلاف کا جائزہ لے کر راجح قول کا بیان حاصل کرنے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ سعودی نظام قضاء نے ان شرائط کو اپنانے میں ان ہی راجح اقوال کو سامنے رکھا جو نصوص و اجماع سے ثابت ہیں' سابقہ علماء کی بیان کردہ شرطوں میں سے دو شرطیں ایسی ہیں جن کا ذکر ہی اس نظام میں نہیں کیا گیا ہے وہ آزادی اور ہوش و حواس کی سلامتی جس سے مراد سماعت کلام اور بصارت ہے۔

۱۔ دیکھئے ابن ہبیرہ الحنبلی کی "الافصاح عن معانی الصحاح جلد دوم صفحہ ۳۴۳ اور کشاف القناع عن متن الاقناع جلد ۶ صفحہ ۲۹۵ نیز ان کے کلام کے خلاصہ کے لئے الدرر السنیہ فی الاجوبہ النجدیہ۔ جلد سوم صفحہ ۲۴

۱۔ حریت و آزادی قاضی کی تقرری میں جمہور فقہاء کے نزدیک شرط ہے کہ غلام کی تقرری جائز نہیں کیونکہ نظام قضاء کا تعلق باب ولایت سے ہے اور غلام اپنے نفس پر اختیار نہیں رکھتا ہے تو پھر دوسرے پر کسی طرح اس کی حکمرانی قائم ہوگی مزید یہ کہ اس کی گواہی درست نہیں تو بہتر بات یہ ہوئی کہ وہ منصب قضاء پر فائز ہونے کا اہل نہ ہو۔(۱) اور یہی حکم مدبر و مکاتب کا ہے۔(۲) اور وہ شخص جو ابھی پوری طرح آزاد نہیں ہوا۔(۳) بعض فقہاء غلام کی تعین کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو دلیل بناتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا تھا اگر سالم مولی ابن حذیفہ زندہ ہوتے تو مجھے ان کی تقرری میں کوئی پس و پیش نہ ہوتا۔ فقہاء کہتے ہیں کہ جب اس کا فتوی دینا اور روایت کرنا دونوں جائز ہوئے تو پھر اس کا منصب عدل و انصاف پر تقرر بھی جائز ہونا چاہئے۔

الماوردی اس قول کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سالم آزاد غلام تھے جن کی غلامی اس وقت ختم ہو چکی تھی اور ایسے شخص کی تقرری جائز ہے اور عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا سالم کی تعریف میں مبالغہ کے طور پر تھا۔ جب کہ اجماع علماء کا اس پر انعقاد ہے کہ امت کے امام کے طور پر غلام کی تقرری درست نہیں اس لئے اس کا حوالہ دینا بھی صحیح نہیں۔(۴)

۲۔ سلامتی حواس اور جسمانی صحت و کمال

ا۔ امیدوار کو اچھی سماعت کا مالک ہونا چاہئے کہ بہرے کی تقرری جائز نہیں کیونکہ وہ فریقین کا کلام نہیں سن سکے گا۔ اقرار و انکار میں فرق نہیں کر سکے گا۔ گواہی کس کے لئے ہے اور کس کے خلاف ہے اس میں تمیز کر سکے گا اور نہ اندازہ کر سکے گا کہ شہادت سے کوئی بات ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ ایسا شخص جو اونچا سنتا ہے اور ہلکی آواز نہیں سن پاتا' تین اماموں کے نزدیک اس کی تقرری جائز

۱۔ یہ دلیل مانعین کے لئے درست ثابت نہیں ہوتی کیونکہ غلام کی شہادت قابل قبول ہے۔ دیکھئے المغنی الشرح الکبیر جلد ۱۲ صفحہ ۷۰

۲۔ مدبر وہ غلام جو آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے

۳۔ دیکھئے احکام الماوردی صفحہ ۶۵ اور احکام ابن علی صفحہ ۶۱

۴۔ دیکھئے الماوردی کی ادب القاضی جلد اول صفحہ ۶۳۰ ۔ ۶۳۱

ہے۔ احناف کے نزدیک یہ درست ترین قول ہے اگرچہ کامل سماعت کا ہونا افضل ہے۔ (۱)

ب - قوت گویائی کا مالک ہو سلامتی زبان ' منصب قاضی کے لئے شرط ہے گونگا شخص اس کا اہل نہیں کیونکہ وہ اپنے فیصلہ کو بول کر سنا نہیں پائے گا۔ اور نہ ہی سب لوگ اس کے اشارہ کو سمجھ سکیں گے۔ لہٰذا مقصود حاصل نہ ہو سکے گا۔

ابو عباس بن سریج سے ایک روایت ملتی ہے کہ اگر اس کے اشارہ سے مفہوم سمجھا جا سکتا ہو تو پھر اس کی تعین کا جواز ہے۔ (۲) مگر یہ رائے قابل قبول نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے ایک فریق اس کا اشارہ سمجھ لے مگر ضروری نہیں کہ دوسرا بھی سمجھ لے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ ہر جگہ کے لوگ اس کے پاس آئیں گے کوئی اس شہر کے رہنے والے ہوں گے اور کئی دوسرے شہروں کے رہنے والے بالفرض اس کے شہر کے رہنے والے اس کے اشارہ کے مفہوم کو سمجھ لیتے ہوں تو یہ بات یقینی نہیں کہ دوسرے علاقہ کے رہنے والے اس کے اشارہ کو سمجھ پائیں ' لہٰذا خصوصیت اور متنازعات میں جو فیصلہ مقصود ہے وہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ اگر اس کی زبان میں توتلا پن ہے یعنی بولتے وقت (ت) (ف) بار بار اس کی زبان پر آتا ہے یا گرہ سی ہو یا رکاوٹ ہے یعنی فوری طور پر گفتگو نہیں کر سکتا بلکہ رک رک کر بولتا ہے اور اس کا کلام مبہم و مشکل سا ہو جاتا ہے تو اسے شخص کی تقرری و نامزدگی درست ہے کیونکہ یہ ایک ایسی نوعیت کا نقص ہے جو فہم کلام کا مانع نہیں ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ سامع کچھ حصہ اچھی طرح نہ سن پائے۔ اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام ان پر اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ رب العزت کی رحمتیں و برکتیں نازل ہوں کا معاملہ دیکھ لیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے زبان کی گرہ صحت رسالت میں مانع نہ ہوئی۔ یہ بات انہی کی زبان سے اللہ رب العزت نے اس طرح نقل کی ہے :

﴿ وَيَسِّرْ لِيٓ أَمْرِي ۝٢٦ وَٱحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝٢٧ يَفْقَهُوا۟ قَوْلِي ۝٢٨ ﴾ [طه : ۲۶--۲۸]

۱۔ الماوردی صفحہ ۶۴۳ اور ابن عابدین کا حاشیہ جلد ۵ صفحہ ۳۵۹

۲۔ ادب القاضی الماوردی جلد اول صفحہ ۶۲۴

"اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔"

ج ۔ قاضی صاحب بصارت ہو' کہ نابینا کا اس منصب پر ہونا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مدعی اور مدعی علیہ میں سے کسی کو پہچان سکتا ہے نہ کسی اقرار کرنے والے کو اور نہ ہی جس کے حق میں گواہی ہے یا جس کے خلاف گواہی ہے اور نہ ہی گواہ کو دیکھ سکے گا۔ لہٰذا مقصود حاصل نہ ہو گا۔ اسی طرح جس کی نظر کمزور ہو صورتوں کو دیکھنا ممکن نہ ہو اگر دیکھنا بھی ہو تو دھندلا مگر ایک آنکھ والا' اور کمزور نگاہ والا جن چیزوں کو صرف قریب ہی سے دیکھتا ہو۔ اس طرح اعمش جو صرف دن کو دیکھ سکتا ہو تو ایسے تمام اشخاص کی تعین درست ہے کیونکہ یہ دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان کی تقرری سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو جاتا ہے اور یہی جمہور کی رائے ہے۔ (۱)

دوسری رائے وہ ہے جو امام مالک اور بعض اصحاب امام شافعی سے بیان کی گئی ہے(۲) اور ایسا ایک قول حنابلہ کا بھی ہے کہ نابینا کی تقرری جائز ہے لیکن مالکیہ کے نزدیک تحقیق شدہ یہ ہے کہ نابینا کو قاضی بنانا صحیح نہیں لیکن اگر مقرر کر دیا جاتا ہے تو پھر اس کا حکم نافذ العمل ہو گا۔(۳) جو لوگ جواز کے قائل ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا تھے اور پھر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے بعض غزوات میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔ حالانکہ وہ نابینا تھے اور قضاء تو ولایت میں شامل ہے کیونکہ اس وقت تک حاکم ہی قاضی بھی ہوا کرتا تھا اور اس کی علیحدگی بعد میں ہوئی تھی۔ جمہور فقہاء کے استدلال کے مطابق یہ عیب قبول شہادت کے آڑے ہے۔ لہٰذا ولایت بھی بطریق اولی جائز نہ ہو گی۔ کیونکہ قضاء عمومی ہو یا خصوصی شہادت

۱۔ دیکھئے الماوردی کی ادب القاضی ۱۔۶۳۲ اور المغنی و الشرح الکبیر ۱۱۔ ۳۸۱

۲۔ دیکھئے ابوبکر بن محمد الحسین الشافعی کی کفایہ' الاخیار جلد ۲ ۔ ۲۹۰ اور ابن ابی الدم الحموی کا مخطوطہ ادب القاضی ورقہ ۵ اس قول کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ قول غریب ہے اور میرے خیال میں کسی نے بھی اسے بیان نہیں کیا سوائے جرجانی کے اور ایسی بات کو مذہب میں شمار نہیں کیا جاتا ہے۔

۳۔ الشرح الکبیر از دردیر ۴۔ ۱۳۰

اس سے کم تر ہے۔ جمہور مخالفین کا دلائل کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو بات حضرت شعیب علیہ السلام کا نابینا ہونا ثابت نہیں اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو امامت صلوۃ کے لئے مقرر فرمایا تھا نہ کہ منصب قضاء کے لئے۔

مخالفت کی دلیل کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ حنبلی مذہب میں نابینا کی گواہی ایسی صورت میں قابل قبول ہے اگر وہ آواز پہچان سکتا ہو اسی طرح شوافع ' احناف میں سے ابو یوسف اور خود امام ابوحنیفہ سے ایک روایت کے مطابق ایسی شہادت جس میں بصارت کی حاجت نہیں بلکہ اس کا تعین ایک دوسرے کی بات سننے سے ہے تو وہ نابینا سے قبول کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اس بنیاد پر نابینا کی منصب قاضی کے لئے تقرری جائز ہو گی۔ یہی رائے درست ہے اگر اس کے دوسرے حواس ہوں جو سمجھنے اور سمجھانے میں معاون ثابت ہوتے ہوں وہ درست ہو اور وہ پوری طرح بیدار چوکس ہو کامل ذھانت والا ہو اور سچی فہم و فراست کا مالک ہو اس کی ان صفات کی بدولت وہ ایک آواز سے دوسری آواز کو پہچان سکتا ہے' ایک بات سے دوسری بات کی تمیز کر سکتا ہے۔ اصل مقصد تو مقدمات و جھگڑوں کی معرفت ہے' جو اس طرح حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا انصاف نفس شئے کو دیکھے بغیر اس کی صفات جان کر ویسے ہی ہو سکتا ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام نے دو فریقوں میں کہا تھا۔ جب ایک نے کہا تھا کہ میرے پاس ایک بھیڑ ہے میرے بھائی کے پاس ۹۹ کہ وہ چاہتا ہے کہ میری بھی ایک بھیڑ لے لے اس پر آپ نے صرف سن کر فیصلہ دیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى ٱلْأَبْصَـٰرُ وَلَـٰكِن تَعْمَى ٱلْقُلُوبُ ٱلَّتِى فِى ٱلصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ ﴾ [الحج : ٤٦]

"حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔"

اس آیت سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اول خرابی تو دل کی ہوتی ہے ورنہ آنکھ نہ دیکھنے والا بھی صحیح

دل رکھے تو ہدایت پا سکتا ہے۔

جی ہاں اگر کسی شخص میں یہ تین کمزوریاں یا دو اکٹھی ہو جائیں تو اجماعا اس کی تقرری منصب عدل و انصاف کے لئے درست نہیں کیونکہ اس وقت اجماعا اس کی شہادت بھی قبول نہ کی جائے گی۔(۱)

رہی بات اور دوسرے اعضاء کی سلامتی تو تعین قاضی میں اس کی اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ لہٰذا اپاہج لنگڑے ہاتھ کان اور ناک کٹے کی تقرری بطور قاضی جائز ہوگی کیونکہ یہ نقص و امراض نظام عدل و انصاف کے مقصود کے مانع نہیں لیکن افضل بات یہی ہے کہ انسان پورے کامل جسم کا مالک ہو تاکہ یہ اس کے منصب و حاکمیت کے لئے زیادہ رعب و دبدبہ کا باعث ہو۔

نظام قضاء کی شرائط میں ان دو شرطوں کے عدم ذکر کا سبب

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ دوسری شرائط کی ان دو شرطوں کے بیان نہ کرنے کا کیا سبب ہے جب کہ بعض دوسرے ملکوں کے نظام عدل میں ان کا ذکر ملتا ہے مثلاً شامی نظام عدالت کے قانون سن ۱۳۷۲ھ بمطابق ۱۹۵۳ء میں فقرہ ج بند ۶۴ میں یہ نص مقرر کی گئی ہے کہ نظام عدل و انصاف پر فائز ہونے والے شخص کو ہر قسم کی بیماریوں سے محفوظ ہونا چاہئے۔ تاکہ وہ اس کے منصب کی بجا آوری میں رکاوٹ نہ بنیں اور وہ آسانی سے ملک میں ہر جگہ آ جا سکے اور اپنا کام انجام دے سکے۔ یہ شرائط جن کو تیاری حکومت سعودیہ نے طے کیا ہے میرے خیال میں سعودی نظام قضاء میں ان کا عدم ذکر کسی غفلت کے سبب سے نہیں ہوا ہے بلکہ یا تو اس کو الگ سے لائے بغیر شرطوں میں اس کی طرف اشارہ ہو گیا ہے۔ مثلاً ۳۷ کے فقرہ (ج) میں ہم ان کو شامل مان سکتے ہیں جس کی عبارت میں اس کی گنجائش ہے کہ اس میں منصب پر فائز ہونے والے کے لئے کامل اہلیت کی شرط ہے اور یہ شرطیں پوری ہوں تب بھی وہ کامل اہل شمار ہوگا۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس تفصیل کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ان شرطوں میں سے ایک شرط حریت کی ہے اس کو اب ایک تاریخی واقعے تک ہی بیان

۱۔ حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴۔ ۱۳۰

کیا جا سکتا ہے کیونکہ ساری دنیا میں ویانا (Viena) کانفرنس ۱۸۱۵ء اور جنیوا معاہدہ ۱۹۵۶ء کے بعد غلامی کا وجود نہ رہا خود سعودی حکومت نے عرصہ ہوا غلامی کا قانون کالعدم کر دیا ہے اس طرح اس شرط کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن مناسب تو یہی تھا کہ اس کا ذکر ہوتا کیونکہ اس کا بالکل ذکر نہ کرنے سے ہی نظام پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب اللہ کے احکام میں کئی جگہ غلامی کا ذکر ہے تو اس صورتحال سے ہم انکار تو نہیں کر سکتے ہیں۔

کچھ خاص شرائط

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس نظام میں اس کی گنجائش ہے کہ ایسے بعض لوگ جنہیں عدالتی معاملات سے آگاہی حاصل ہو یا شرعی کالجوں میں فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم دیتے رہے ہوں۔ انہیں سیدھا محکمہ عدالت کے درجہ دوم یا اس سے بلند درجہ پر متعین کر دیا جائے۔ اور یہ تعیناتی یوں ہو گی۔

۱۔ درجہ قاضی (ب) میں تقرری پانے والے پہلے کم از کم ایک سال درجہ قاضی (ج) کی حیثیت سے کام کرے گا یا پھر عدالتی امور سے مشابہہ اعمال میں کم از کم چار سال کا عرصہ گذر چکا ہو۔ یا پھر کسی سعودی یونیورسٹی میں کم از کم چار سال تک فقہ و اصول فقہ کی تدریس کا کام انجام دے چکا ہو یا کسی قضاء کے اعلیٰ ادارے سے ماسٹر ڈگری (M.A.) حاصل کر چکا ہو۔

۲۔ قاضی (ا) کی نسبت ضروری ہے کہ وہ پہلے کم از کم چار سال درجہ قاضی (ب) میں گذارے یا عدالتی امور سے ملتے جلتے اعمال میں کم از کم چھ سال کا عرصہ صرف کر چکا ہو یا پھر کسی شرعی یونیورسٹی میں کم از کم سات سال تک تدریس کے فرائض انجام دے چکا ہو۔

۳۔ نائب سربراہ محکمہ (ب) میں تقرری کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے کم از کم تین سال درجہ قاضی (ا) میں گذار چکا ہو۔ یا اس طرح کے مشابہ اعمال میں یا کم از کم دس سال تدریس کے فرائض ادا کر چکا ہو۔

۴ - درجہ نائب سربراہ محکمہ (ا) کی نسبت ضروری ہے کہ وہ کم از کم دو سال تک درجہ وکیل محکمہ (ب) میں کام کر چکا ہو یا اس جیسے امور سرانجام دے چکا ہو یا پھر کم از کم بار برس تک فقہ و اصول فقہ کی تدریس کے فرائض ادا کر چکا ہو۔

۵ - درجہ سربراہ محکمہ (ب) میں تقرری کے لئے ضروری ہے کہ وہ کم از کم دو سال درجہ نائب سربراہ محکمہ (ا) میں گذار چکا ہو یا کم از کم چودہ برس اعمال قضائیہ سے مشابہہ امور یا اتنی ہی مدت تدریس کا کام کر چکا ہو۔

۶ - سربراہ محکمہ (ا) کی تقرری کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سے پہلے والے درجہ پر کم از کم دو سال گذار چکا ہو یا سولہ برس تک اس کے مشابہ اعمال یا پھر سولہ سال کسی یونیورسٹی میں تدریس کے فرائض انجام دے چکا ہو۔

۷ - درجہ قاضی تمیز میں تقرری کے لئے ضروری ہے کہ وہ کم از کم دو سال درجہ سربراہ محکمہ (ا) کے طور پر گذار چکا ہو یا اس سے مشابہہ عدالتی امور کم از کم اٹھارہ برس تک انجام دے چکا ہو' یا پھر اسی مدت تک کسی سعودی یونیورسٹی کی شریعہ فیکلٹی میں تدریس کے فرائض انجام دے چکا ہو۔ (ا)

درجہ بندی اور اس میں بھرتی ہر چند ملاحظات :-

ا - نظام نے جب قاضی حضرات کی تقرری اور ان کی تنخواہوں کی درجہ بندی بیان کی تو وہیں نائب سربراہ محکمہ (ب) نائب سربراہ محکمہ (ا) سربراہ محکمہ (ب) اور سربراہ محکمہ (ا) کا ذکر تو کیا لیکن ان میں سے کسی محکمہ کے لئے اس کی ذمہ داریوں فرائض کے درجے کا ذکر نہیں کیا۔ جسے آج کل گریڈ یا رینک کہا جاتا ہے اور یہی چیز باقی عدالتی کیڈر کے سلسلے میں بھی ہے تو درجات کی درجہ بندی نہ ہونے

ا- مجلس وزراء کے اجلاس نمبر ۵۵ مؤرخہ ۵ - ۴ - ۱۴۰۱ھ میں یہ قرار داد پاس کی گئی کہ وہ اعمال قضائیہ جن کا ذکر نمبر ۳۲۹ مؤرخہ ۱ - ۲ - ۱۳۹۹ھ کے تحت قرار داد مجلس وزراء میں آیا ہے ان سے مراد کون سے عمل ہیں تو قواعد اور فقہی اصولوں پر غور و فکر کے بعد طے کیا گیا کہ ان سے مراد اعمال قضاۃ' اعمال مشیر' اعمال محققین اور ممبران کمیٹی وغیرہ سب ہیں۔

سے تنخواہ کا تعلق ملازم سے ہوا نہ کہ ملازمت سے۔

۲۔ نظام نے درجات قضاء میں ترقی پا کر ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں منتقلی کے سلسلہ میں بہت سی مدتیں رکھی ہیں جیسے درجہ قاضی (ج) تک ترقی پانے کے لئے تین سال کی لازمی مدت رکھی گئی اور اس طرح قاضی (ا) تک جانے کے لئے بھی یہی مدت ہے' قاضی (ج) کے لئے ایک اور قاضی (ب) تک ترقی پانے کے لئے چار سال کا عرصہ درکار ہے جب کہ نائب سربراہ محکمہ (ب) تک یا اس سے اوپر کے لئے دو سال مقرر کئے گئے ہیں۔ بظاہر مدتوں میں اس تضادات کا کوئی جواز نہیں ہے۔ بہتر تو یہ تھا کہ مرحلہ اول کے لئے تین سال اور مرحلہ عالیہ کے لئے دو سال مقرر کئے جاتے یا پھر تمام درجوں کے لئے تین سال کا عرصہ مقرر کر دیا۔

۳۔ درجہ سربراہ محکمہ (ا) اور درجہ قاضی تمیز کے درمیان بہت زیادہ فرق موجود ہے۔ قاضی حضرات کے تنخواہوں کے اسکیل کے مطابق سربراہ محکمہ کی تنخواہ (۸۴۱۰) ریال تک پہنچتی ہے جب کہ قاضی تمیز (سیشن کورٹ کے قاضی) کی تنخواہ کا سکیل (۳۰۰۰۰) تیس ہزار سعودی ریال تک جا پہنچتا ہے۔ اگر ایسا کہا جاتا کہ ان دو درجوں کے درمیان پیدا شدہ فاصلے کو ایک تیسرے درجہ سے پر کر لیا جاتا۔ مثلا درجہ قاضی قاضی تمیز (سیشن کورٹ) (ب) کے نام سے ایک عہدہ وجود میں لایا جاتا اور موجودہ درجہ قاضی تمیز (سیشن کورٹ) (ا) کا نام دیا جاتا تو اس طرح دونوں کا فاصلہ کم ہو جاتا۔

۴۔ قاضی حضرات کی ترقی کے لئے نظام بہت سخت ہے جب کہ دوسرے محکموں سے آنے والوں کے لئے اس میں بہت سہولت تھی۔ مثلاً عدالتی قواعد و ضوابط کے مطابق کسی قاضی کے درجہ (ا) تک پہنچنے کے لئے آٹھ سال کا عرصہ گذارنا ضروری تھا۔ جب کہ دوسرے محکموں سے لئے گئے قاضی کے لئے یہ مدت چھ سال تھی پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مملکت میں نظام عدل و انصاف کو فروغ دینے اور مختلف شہروں و قصبوں میں عدالتی نظام کو رائج کرنے کے لئے دوسرے میدانوں کے اہل افراد کو اس میں مواقع دیئے جائیں۔

تجربہ کی بنیاد پر تعیناتی

قاضی کے انتخاب میں کسی غلطی سے بچنے کے لئے اور اس بات کی یقین دہانی کے لئے کہ منتخب قاضی ذہانت ثابت قدمی ' دلیری اور وسعت علمی کی صفات رکھتا ہے اور عملاً اس میں اس صفات کا اظہار ہوا ہے۔ اس کے لئے نظام قضاء نے ایک مخصوص تجرباتی مدت کی شرط رکھی ہے۔ چنانچہ دفعہ نمبر(۵۰) کی عبارت کے مطابق جسے منصب عدل و انصاف کے لئے متعین کیا جائے گا اس کا پہلا سال تجربہ کا ہو گا۔ یعنی پہلے ایک سال اس کی کارکردگی کو جانچا جائے گا' پھر اس مدت کے گذرنے کے بعد مجلس قضاء اس کی اچھی کارکردگی یا بری کارکردگی طے کرے گی' ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس حکم سے قبل ہی مجلس القضاء الاعلی اس کے انتخاب کو کالعدم کر دے تو پھر قضاء کونسل کے فیصلے کی کوئی ضرورت رہتی ہے۔ اس نص کا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص پہلی مرتبہ منصب عدل و انصاف سے متعلق اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی اور کارکردگی کا اندازہ ہو سکے ' فقہی زبان میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ قاضی کی تقرری فسخ کی شرط سے متعلق ہوتی ہے یعنی اس کی کارکردگی کے ساتھ مشروط ہے تو جب ثابت ہو جائے کہ متعلقہ فرد کی کارکردگی ٹھیک نہیں ہے تو مجلس کو اختیار ہو گا کہ وہ اس کی ملازمت فوراً ختم کر دے۔ یہی کسی پہلی مرتبہ متعین کردہ قاضی کی صلاحیت کو بڑھنے کے لئے ایک سال کے عرصے میں ہی حکمت یہی ہے کہ اس مدت میں اس کی کارکردگی اس کی ذمہ داریوں کی بجاآوری اور ذھانت و متانت کی روشنی میں سامنے آجائے گی۔[1] ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ اسی وقت کیا جا سکے گا کہ جب اس کی کارکردگی کا بغور جائزہ لیا جائے جس کے بعد اس کی کارکردگی سامنے آجائے گی تو وہ منصب عدل و انصاف کا اہل شمار ہو گا ورنہ اس کو وہاں سے منتقل کر دیا جائے گا یا معزول کر دیا جائے گا۔

۱۔ دیکھئے رسالہ معہد الادارہ ریاض اپریل ۱۹۷۲ء میں التعیین تحت الاختبار فی ضوء نظام الموظفین العام عبدالفتاح خضر کا مضمون ۔

تجربے کے تحت تعیناتی کا عملی پہلو سے جائزہ

اس موضوع کے بارے میں گفتگو کے اختتام پر یہ بات سامنے لانا چاہوں گا کہ عملاً ایسا اب تک نہیں ہوا ہے کہ مجلس اعلیٰ نے دوران تجربہ کسی کو بھی بری کارکردگی کا ذمہ دار قرار دے کر سبکدوش کیا ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو لوگ منصب عدل و انصاف سے منسلک ہوتے ہیں وہ سبھی بھرپور کارکردگی کے مالک ہوتے ہیں۔ اصل میں مجلس اس قانون کے مطابق کارکردگی کو جانچنے کے ساتھ ایک مہلت بھی دیتی ہے پھر جب اندازہ ہو جاتا ہے کہ متعلقہ شخص میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم موجود نہیں خواہ جسمانی کمزوری کی وجہ سے خواہ نفسیاتی پہلو سے اور اس کے نارمل ہونے کے اثرات براہ راست اس کے عمل پر پڑھ رہے ہیں اور وہ پابندی سے فرائض انجام بھی نہیں دے پا رہا ہے تو اسی صورت میں مجلس اس کو عدالتی کیڈر سے نکال کر انتظامی کیڈر کی طرف منتقل کر دیتی ہے مگر اس کو ملازمت سے برطرف نہیں کرتی ہے۔ اس کو مجلس کی طرف سے شامل نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جس شخص کی کارگردگی اس میدان میں ثابت نہیں ہوئی ہے اس کو دوسرے میدان میں موقع دیا جائے کیونکہ بسا اوقات ایسے شخص میں قضاء کو چھوڑ کر دوسرے عدالتی امور کی انجام دھی کی صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں۔

قاضی کی قضاء کا منصب سنبھالنے میں نااہلی رد قضاۃ کے اسباب اور قاضی کو نامنظور کرنے کے اسباب :

ان مکمل شرائط کے باوجود جن کا بیان گذر چکا ہے اور امور عدل و انصاف کے لئے قاضی کی اہلیت ثابت ہونے کے باوجود بعض اوقات قاضی کو دوران مقدمات ایسے اسباب کا سامنا ہو جاتا ہے جو اس کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کبھی خود محکمہ کی تشکیل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کبھی قاضی کے جیوری کے دوسرے ممبروں کے تعلق سے ہوتا ہے کبھی مقدمہ میں دفاع کرنے والے افراد کے

سبب ایسا ہوتا ہے۔ کبھی قاضی کی کسی ایک فریق سے دوستی یا دشمنی بھی اس کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتی ہے یا ہو سکتا ہے کہ خود نفس مقدمہ اس کے لئے مسئلہ ہو کہ اس نے ایک فتویٰ دیا ہو یا کچھ لکھا ہو یا گواہی دی ہو یا مقدمہ پیش کیا ہو تو ان اسباب سے اگر وہ مقدمہ میں فیصلہ دے بھی دے تو فریقین کے ذہنوں میں جو شک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ جنہیں محسوس کر لینے کے باوجود قاضی انہیں دور نہیں کر سکتا۔ ان اسباب کو جدید قوانین میں اس طرح متعین کر کے بیان کر دیا گیا ہے کہ ان پر قیاس کر کے نئے اسباب کو پیش نہیں کیا جا سکتا ہے اور ان کو پھیلا کر مقدموں کے فیصلوں کو معطل کرنے کا بہانہ نہ مل سکے گا۔ اس لئے نظام نے دعویدار کے لئے یہ ضروری قرار دے دیا ہے کہ وہ دعویٰ کرنے یا دفاع پیش کرنے سے قبل اپنی بات کو تحریری طور پر پیش کرے اور اس کو اعتراض ہو تو وہ لکھ کر دے ایسا نہ کرنے کی صورت میں اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔ ہاں اگر اعتراض کا سبب مقدمہ دائر کرنے کے بعد واقع ہوا ہو یا دعویدار کو مقررہ وقت گذرنے کے بعد علم ہوا ہو تو اس کے اعتراض کو بعد میں لیا جا سکتا ہے۔ یہ اسباب دو قسموں میں ہیں۔

۱۔ ایسے اسباب جنہیں عام اسباب کہا جا سکتا ہے یہ وہی اسباب ہیں جن کا آزادی عدل و انصاف کے قانون کا ذکر ہے۔ جنہیں اسباب عدم صلاحیت کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:۔

۱۔ کسی ایسی سماعت میں نہ حصہ لے جس میں قاضی حضرات ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوں جس طرح کہ مصری قانون میں اس کی وضاحت موجود ہے' اس کا تعلق درجہ چہارم یا درجہ عمومی تک ہے یعنی والدہ کی طرف سے رشتہ دار یا بھتیجے نہ ہوں مغربی نظام عدل و انصاف میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

۲۔ کسی قاضی کے لئے یہ بات درست نہیں کہ اس کا کوئی سسرالی رشتہ دار' یا والدہ کی طرف سے عزیز یا بھتیجا یا بھانجا جیسا کہ مغربی نظام عدل میں بھی ہے اور جس طرح کہ مصری قانون میں بھی مذکور ہے۔ وکیل اٹارنی جنرل یا مدعی و مدعا علیہ کی جانب سے نمائندہ ہو اور وہ اس مقدمہ کی سماعت کرے

اگر اس حکم کی خلاف ورزی پائی جائے تو پھر مقدمات کی کارروائی اور اس کے فیصلے دونوں کو کالعدم قرار دیا جائے گا۔(۱)

دوسرے قسم کے وہ اسباب ہیں جو خاص شمار ہوتے ہیں۔ان کی دو قسمیں ہیں:۔

۱- بدنامی کے اسباب ایسے سبب کی موجودگی میں قاضی کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے کا اہل نہیں ہو گا چاہے فریقین میں سے کوئی اس سبب سے علیحدگی کا مطالبہ نہ بھی کرے لہٰذا ایسے اسباب نااہلی کے اسباب کہلائیں گے ایسی حالت میں اگر وہ فیصلہ دے بھی تو وہ فیصلہ کالعدم ہو جائے گا وہ اسباب یہ ہیں۔

۱- جب کہ چوتھے درجہ تک کسی ایک فریق سے رشتہ داری ہو۔

۲- اگر اس کی یا اس کی بیوی کی فریقین میں سے کسی ایک ایک فریق یا فریقین کی بیوی سے پہلے سے مقدمہ بازی ہو۔

۳- جب کہ اس کے خاص کاموں میں کسی ایک فریق کا وکیل ہو یا سرپرست ہو یا وارث ہو یا چوتھے درجہ کی رشتہ داری ہو جس سے کوئی فریق اسے وصی یا سرپرست مقرر کر سکتا ہو۔

۴- جب کہ فریقین میں سے کوئی اس کے یا اس کی بیوی کے سلسلہ نسب میں آتا ہو یا پھر وہ اس کی طرف سے وکیل ہو یا دائرہ شدہ مقدمہ میں اس کی کسی قسم کی مصلحت وابستہ ہو۔

۵- اس موضوع پر اس نے پہلے فتویٰ دیا ہو یا مقدمہ میں کسی ایک فریق کی حمایت میں مقدمہ دائر کیا ہو یا اس بارے میں اس نے کچھ لکھا ہو خواہ قاضی بننے سے قبل یا بطور قاضی کے بعد میں یا بطور ماہر یا ثالث کے وہ اس مقدمہ کو پہلے دیکھ چکا ہو' یا اس میں اپنی گواہی دے چکا ہو۔(۲)

۱۔ قواعد المرافعات المصدر السابق ۱۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵ اور جدید مغربی نظام عدل صفحہ ۹۶۔ ۹۷

۲۔ اس رائے کو اپنا کر علماء کے دونوں اقوال یعنی حکم قاضی کے جواز یا عدم جواز میں ایک مشترکہ رائے اپنائی جا سکتی ہے اس میں عدم جواز کی رائے رکھنے والوں سے بھی اتفاق ہے وہ اس طرح کہ قاضی اپنے علم کی بنا پر عمل نہیں کرتا ہے اور جائز رکھنے والوں کی رائے سے بھی اتفاق ہو گیا کہ اس نے اپنے علم کے خلاف بھی نہیں کیا۔

۲- دوسرے وہ اسباب ہیں جن کو فیصلہ رد کرنے کے یا فیصلے کو کمیٹی کے حوالے کرنے کے اسباب کہیں گے۔ ایسے سبب کا اندازہ قاضی اور فریق کر سکیں گے اس لئے یہ ان پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سبب کی وجہ سے مقدمہ سے علیحدگی اختیار کر لے اور فریق کو بھی یہ حق حاصل ہے اگر دونوں میں سے کوئی بھی ایسا اعتراض نہ کرے تو پھر قاضی کو مقدمہ دیکھنے کا حق حاصل ہے' اگر دونوں میں سے کوئی بھی ایسا اعتراض نہ کرے تو پھر قاضی کو مقدمہ دیکھنے کا حق حاصل ہے۔ اور ایسی صورت میں اس کا فیصلہ درست ہو گا اور فریق کو اس پر اعتراض کا حق حاصل نہ ہو گا ایسے اسباب یہ ہیں۔

۱- اگر قاضی کی طرف سے یا اس کی بیوی کی طرف سے کوئی دائر شدہ مقدمہ ایسا ہو جس کی مماثلت اس دعوی سے ہو جو اس کے زیر نظر ہو یا قاضی یا اس کی بیوی سے کسی فریق یا اس کی بیوی سے نزاع ہو (جس میں حقوق کا معاملہ ہو) اور قاضی کے سامنے دعوی دائر ہو چکا ہو مگر اس کو ابھی قبول کر کے اس میں کارروائی نہ شروع کر دی گئی ہو اور یہ اس کے سامنے ہو جس پر قاضی کو اعتراض ہو۔

۲- اس کی مطلقہ بیوی جس سے اس کا بیٹا بھی ہو اور اس سبب سے دشمنی پائی جائے۔ اسی طرح مقدمہ اس کے کسی رشتہ دار کا ہو اور مدعا علیہ اس مقدمے میں ہو اور دونوں میں نزاع اس مقدمے کے بعد کا ہو جو اس خاص کے پاس آیا ہو۔

۳- فریقین میں سے کوئی قاضی کا خدمت کار ہو یا قاضی کا فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ کھانا پینا رہتا ہو یا اسے دعوی کے درمیان یا دعوی سننے سے قبل تحائف ملے ہوں۔

۴- فریقین میں سے کسی ایک قاضی کے ساتھ دوستی یا دشمنی(۱) کا چرچا ہو جو انصاف کے آڑے آتا ہو۔

ان اسباب کا حاصل یہ ہوا کہ ان سے روح انصاف کمزور پڑ جاتی ہے۔

۱- عداوت سے مقصود عداوت دنیوی ہے نہ دینی اختلاف اگر ایک فریق غیر مسلم سے ہوتا تب بھی قاضی کا غیر جانبداری ہونا ضروری ہو گا

پس اس اسباب میں قدر مشترک یہ ہے کہ ان سے نفس عام طور پر کمزور پڑ جاتے ہیں اور یہ قاضی کے علم میں ہوتے ہیں کہ ان سے انکا ناواقف ہونا بعید از قیاس ہے۔(۱) حکومت سعودیہ نے نظام قضاء میں اس اصول کو بیان تو کیا ہے مگر ان حالات کی حدبندی کو نظام مرافعات کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا مگر وہ نظام ابھی تیاری کے مرحلے میں ہے۔ مقدمہ کی تمییز کے لئے جو ہدایات دی گئی ہیں ان میں بھی بعض وہ اسباب بیان کئے گئے ہیں جو کسی ممبر کے حکم کی تحقیق و تدقیق میں شرکت سے روکتے ہیں۔(۲) ان حالات میں قاضی کو سماعت سے اس لئے روکا گیا ہے کہ ایسی صورت میں قاضی کے خود فریق بننے کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے قاضی حضرات کا کردار متاثر ہوتا ہے۔ اس لئے قاضی پر اعتراض کی شکایت کو بہت باریک بینی سے پرکھا جانے کی بھی شرط ضروری سمجھی گئی ہے اور قانون مرافعات میں اس کی تفصیلی شقیں رکھی گئی ہیں جن کی بنا پر یہ ضروری ہوگا کہ یہ حکم ان قاضی حضرات کے بورڈ کے سامنے پیش کیا جائے گا جس میں وہ زیر غور قاضی شامل نہ ہوگا۔ یہ ایک ایسا نظام عدل و انصاف ہے کہ جس کا فقہ اسلامی میں کوئی وجود نہیں ہے بلکہ بعض فقہاء تو اس کے عدم جواز کے قائل ہیں کیونکہ اس میں قاضی اور اس کے پیشہ کی توہین مضمر ہے۔

اس بارے میں ابن فرحون کہتے ہیں کہ یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ لوگ اپنے قاضیوں پر اعتراض کریں۔ کیونکہ اس سے دو میں ایک صورت پیدا ہوتی ہے کہ یا تو وہ قاضی عادل ہے تو اس سے اس کی توہین ہوگی اور اس وجہ سے وہ سخت ذہنی اذیت کا شکار ہوگا یا پھر وہ فاسق فاجر ہوگا اور چونکہ اپنی دلیل کو بہت خوبصورتی سے پیش کرتا ہے لہٰذا اس سے شکایت کنندہ کا حق تلف ہوگا اور اس طرح ایسا قاضی لوگوں پر مسلط رہے گا۔(۳)

۱۔ دیکھئے قواعد المرافعات اور التنظیم القضائی المغربی الجدید اور کویتی قانون ۱۹۶۰ء برائے قوانین شہری و تجارتی

۲۔ دیکھئے ترکیز مسئولیات القضاء کا دفعہ نمبر ۳۱۱ اور تعلیمات تمییز الاحکام الشرعیہ کا دفعہ نمبر ۲۳

۳۔ دیکھئے تبصرہ الاحکام ۱۔ ۴۴

مگر جو بات ہم پر واضح ہوتی ہے وہ تو یہ ہے کہ جب تک یہ تنظیمی ضابطے نص، اجماع، قیاس یا قاعدہ معتبرہ کی مخالفت نہیں کرتے اس وقت تک ان کو اپنانے میں رکاوٹ نہیں ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک فریق کے قاضی پر اعتراض سے قاضی کی عزت نفس مجروح ہو تنظیم میں اس بات کی گارنٹی ہے کہ اگر کوئی فریق کسی قاضی پر اعتراض کرتا ہے لیکن تحقیق کے بعد وہ اس میں سچا ثابت نہیں ہوتا ہے تو ایسے شخص پر تعزیری سزا نافذ ہو گی۔

کیونکہ ایسے شخص کا قصور محض قاضی پر الزام تراشی کرنا اور اس کے متعلق غلط فہمی پھیلانا تصور کیا جائے گا۔ اگر قاضی نے کسی دعوے میں ان خاص اسباب کے ہوتے ہوئے فیصلہ کیا جو اس کے فیصلے کو رد کرنے کے لئے عذر بن سکتے تھے اور اس فیصلے پر اعتراض کی مدت بھی گذر جائے اور کوئی اعتراض نہ کیا جائے تو پھر وہ فیصلہ قانونی قوت کا حامل مانا جاتا ہے اور اس کی تنفیذ ضروری ہو گی اور اس کو رد نہ کیا جائے گا۔ اس وجہ سے کہ جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس کو ضرر کا امکان تھا وہ اسے قبول کر رہا ہے۔ بہر حال فقہ اسلامی کے مطالع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایسے فیصلے کو صحیح نہیں مانا گیا ہے کیونکہ اس میں دعوے کو پیش کرنے کے قواعد کو اور جمہور فقہاء کے نزدیک ایسا فیصلہ باطل ہو گا جس کی نہ کوئی اہمیت ہو گی اور نہ ہی نافذ العمل ہو گا۔ یہاں فقہ اسلامی اور انسانی قوانین طلب اعتراض کے ذریعے حصول مقصود پر ایک رائے ہیں تاہم فقہ اسلامی حصول حقوق کے لئے قوانین انسانی سے زیادہ انصاف والا اور محفوظ ترین ہے کیونکہ وہ بیک وقت مستحق کو اس کا حق بھی دیتا ہے اور قاضی حضرات کے مقام کا تحفظ بھی فراہم کرتا ہے۔(۱)

برطرفی و تبادلے سے قاضی کا تحفظ

جدید حکومتوں کے دستوری وضابطوں میں یہ بات تسلیم کی جا چکی ہے کہ قاضی صاحبان کو خصوصی عدالتی تحفظ حاصل رہے گا جس کی وجہ سے وہ برطرفی اور کسی اور محکمہ میں تبادلے وغیرہ سے

۱۔ محاضرات فی طرق القضاء صفحہ ۵۷

محفوظ رہیں گے۔ سعودی نظام عدالت کے مطابق قاضی حضرات سوائے ان مخصوص حالات کے جن کا ذکر نظام میں کیا جا چکا ہے برطرف نہیں کئے جا سکتے۔ اسی طرح ایکٹ نمبر ۱۳ میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ سوائے قاضی کی اپنی مرضی کے اسے کسی دوسرے محکمے میں منتقل نہیں کیا جا سکتا اور ایکٹ نمبر (۵۵) کے مطابق ممبران عدالتی کیڈر کو عدالتی کیڈر سے منتقل کرنے یا ان کو عارضی طور پر کسی اور کیڈر میں بھیجنے کے لئے قضاء کی مجلس اعلی منظوری ضروری ہو گی۔ جب کہ عدالتی کیڈر کے ممبران کا اس کیڈر سے باہر تبادلہ یا عارضی تقرری شاہی فرمان کے ذریعے ہی ہو گی جس کے لئے مجلس ابھی اس کی سفارش کرے گی جس میں ایسے قاضی کے لئے وہ تمام مالی حقوق بھی بصراحت بیان ہوں گے جو اس کو اس مدت میں ملیں گے عارضی تقرری ایک سال کی ہو گی جو پھر دوسرے سال تک بڑھ سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومتی قوت نافذہ کو قاضی کی برطرفی یا اسے ایک شہر سے دوسرے شہر میں تبادلے یا ایک نوکری سے دوسری نوکری کی طرف تبدیلی کا (چاہے یہ تبادلہ اس کی موجودگی نوکری سے اعلی ہی کیوں نہ ہو) اختیار حاصل نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ قاضی خود سے اس کا خواہشمند ہو۔ مخصوص حالات میں قاضی کو برطرف کرنے کا فیصلہ اس اصول قانون کے منافی نہیں ہے۔ مثلاً تادیبی کارروائی کی اتھارٹی کی قرارداد سے ایسا کیا جا سکتا ہے یا منصب قضاء کے لئے جو اعتماد اور بھروسہ مطلوب ہوتا ہے وہ اس پر نہ رہے قاضی کی معزولی سے بالاتر ہونے کا وہ قانون جس کو بعض قانون کے شارح عدالتی تحفظ یا تقدس کا نام دیتے ہیں وہ صرف شخصی فائدے کی خاطر نہیں بنایا گیا ہے بلکہ اس میں عام مفاد بھی ہے اس سے اصل مقصد عدالتی نظم و نسق کی حسن کارکردگی کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور اس کے لئے یہ امر لازمی ہے کہ انتظامیہ عدلیہ سے الگ رہے۔ اور انتظامیہ کی مداخلت سے عدلیہ محفوظ رہے۔

یہ اعتراض کیا گیا ہے[1] کہ اس قاعدے کو اپنانے سے نااہل اور منصب عدالت کی عزت کو ٹھیس

۱۔ قواعد المرافعات صفحہ ۳۲

پہنچانے والے اس سے فائدہ اٹھائیں گے اس اعتراض کو دور کرنا اس طور سے ممکن ہے کہ ایک تو قاضی حضرات کو انتخاب کے وقت پرکھا جاتا ہے اور اس سے مطلوبہ ضمانت ملتی ہے دوسرے نظام کے مطابق تادیبی عدالتیں ہیں جو ایسے قاضیوں کی تادیب کا موثر ذریعہ ہیں۔

قاضی صاحبان کی تنخواہیں اور ان کے مالی حقوق

ابھی تک جو بات ہوئی اس کا تعلق نظام کے معنوی اور اخلاقی ضمانتوں سے تھا رہی بات مادی ضمانتوں کی تو نظام عدل و انصاف کی نص کے مطابق قاضی حضرات کو شہری ملازمت کے مقرر کردہ تمام حقوق و ضمانتیں حاصل ہوں گی۔ اس پر مزید یہ کہ جو عدالتی کیڈر میں پہلی مرتبہ تقرر کیا جائے گا اسے تین ماہ کی تنخواہ کے برابر الاؤنس دیا جائے گا۔ یہ اس کی ماہانہ تنخواہ سے الگ ہوگا۔ خود تنخواہ پر حکومت کئی بار نظرثانی کر کے اس میں اضافے کر چکی ہے چنانچہ مورخہ ۲ر۸ر۱۴۰۱ ہجری کو سرکاری شاہی اعلامیہ نمبرم ر ۳۳ کے تحت قاضی صاحبان کی تنخواہوں کے سکیل اور خاص الاؤنس کا نیا اضافہ شدہ حکم جاری کیا گیا۔ جس سے سربراہان محکمہ اور کمیشن کورٹ کے قاضی صاحبان کی تنخواہیں وزراء کے نائبین کے برابر ہو گئیں۔ قضاء کی مجلس اعلیٰ کے رئیس کا درجہ وزیر کے رتبہ کے برابر قرار پایا۔ قاضی حضرات کی یہ حوصلہ افزائی اس حکومت سے غیر متوقع نہ تھی جو اپنے عدالتی نظام کے اصول و قواعد کو شریعت اسلامیہ کے انسانی مصالح پر مشتمل احکام سے اخذ کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب قاضی امت کی فلاح و بہبود کے لئے پابند ہے تو پھر اس کی کفالت اور معاشی ضروریات کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ فقہاء کے مطابق قاضی حضرات کو مالی طور پر ایسا بے نیاز کر دیا جائے کہ پھر ان کے ہاتھ لوگوں کے مال کی طرف نہ بڑھیں۔ اور نہ ہی تنگدستی اور معاشی بدحالی انہیں لوگوں سے رشوت لینے اور تحائف قبول کرنے کی طرف مائل کر سکے۔

اسلام میں پہلی تنخواہ کا آغاز اس وقت ہوا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید

رضی اللہ عنہ کو مکہ المکرمہ کا والی مقرر کر کے ان کے لئے روزانہ ایک درھم مقرر فرمایا۔ جس طرح کہ اس کی طرف ہم اشارہ کر آئے ہیں۔ ہماری نگاہوں سے خلیفہ راشد عمر رضی اللہ عنہ کا وہ خط گذر چکا ہے جو انہوں نے معاذ بن جبل اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما کو شام روانہ کرتے وقت دیا تھا کہ تم سے پہلے جو اہل لوگ موجود ہیں ان پر نگاہ ڈالو۔ ان کو منصب عدالت و انصاف پر نامزد کرو۔ ان کی سہولتیں اور معاشی ذمہ داریوں کا اہتمام کرتے ہوئے اللہ کے مال سے انہیں ان کے اخراجات عطا کرو۔ مزید برآں پھر وہ خط بھی ہمارے سامنے ہے جو علی بن ابی طالب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جس میں انہوں نے اپنے عامل مصر اشتر النخعی کو لکھا کہ قاضی کی مالی اعانت کے سلسلہ میں دل کھول کر کام لینا چاہیئے جس سے اس کی مالی پریشانیاں دور ہوں اور لوگوں کی طرف اس کی نظر نہ اٹھے۔

موضوع دوم

قاضی صاحبان کی ذمہ داریاں اور ان سے پوچھ گوچھ واجبات

قاضی صاحبان کے لئے واجبات کی حد بندی کے سلسلہ میں عام طور پر سول سروس (Civil Service) کے نظام کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے کہ قاضی بھی حکومت کے ان دوسرے ملازمین کی طرح ہی جو خدمت عامہ کی ادائیگی بجالاتے ہیں اور ان قوانین کو ادائیگی فرائض میں لازم جانتے ہیں جو نظام سول سروس نے متعین کئے ہیں اور عدالتی امور کی بجا آوری میں متعارض نہیں ہوتے' قاضی پر فرض شدہ واجبات نہ صرف دوسرے ملازمین کی طرح اس کی ملازمت سے مرتبط ہوتے ہیں بلکہ اس کی ذاتی زندگی اور معاشرہ میں اس کے طرز عمل اور خارجی مشاغل سے بھی وابستہ ہوتے ہیں۔ منصب عدالت و انصاف ایک خاص متعین شدہ صفات کا تقاضہ کرتا ہے جس میں سب سے اہم صفت حکام کا غیر جانبدار ہونا ہے تاکہ تمام احوال میں وقار رعب و دبدبہ 'عزت و شرف پر قائم رہے۔ اسی لئے قاضی کے لئے جائز نہیں کہ وہ :

۱۔ کسی ایسے عمل کا مرتکب ہو جو منصب عدالت کے وقار و شرف کے منافی ہو یا کوئی ایسا عمل اس سے صادر ہو جو آزادی عدالت اور اس کے منصب سے ہم آہنگ نہ ہو جیسے کہ عدلیہ کی ملازمت اور تجارتی کام ایک ساتھ کرنا یا کوئی ایسا کام جو مجلس عدل و انصاف کے نقطہ نظر سی ملازمتی واجبات کی بہتر ادائیگی میں مانع ہوتا ہو (ایکٹ ۵۸) مثلاً ٹریڈ یونین (Trade Union) کی بنیاد ڈالنی یا اس سے تعلق رکھنا۔

۲۔ قاضی صاحبان کے لئے مقدمات کے سلسلہ میں منعقدہ نشستوں کے مباحثات کو افشاء کرنا جائز

نہیں (ایکٹ ۵۹) اسی طرح کوئی خلاصہ تیار کرنا یا دستاویز کی کاپی کرنا یا ایسی معلومات جمع کرنا جو مقدمہ کی فائلوں سے متعلق ہوں یہ سب اسی ذیل میں شمار ہو گا۔

۳۔ قاضی کو چاہئے کہ جہاں اس کی ملازمت ہے اسی شہر میں رہن سہن کا التزام کرے تا کہ وہ بغیر کسی رکاوٹ کے ہمیشہ اپنے فرائض کی بجا آوری کے قابل ہو سکے تا ہم اس کی گنجائش ہے کہ وہ بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر مجلس اعلیٰ کی اجازت سے وہ دوسرے شہر میں قیام پذیر ہو سکتا ہے۔ (ایکٹ ۶۰)

۴۔ اسی طرح قاضی پر واجب ہے کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی پابندی سے کرتا رہے اپنے دفتر سے غیر حاضر نہ رہے یا بغیر کسی ناگہانی ضرورت کے اپنے عمل کو ترک نہ کر۔ جب تک اسے تحریری طور پر ایسا کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ (ایکٹ ۶۱)

۵۔ ایکٹ ۲۵۶ کے متن کے مطابق قاضی حضرات ان کے نائبین اور ملازمین عدالت کے لئے یہ بالکل جائز نہیں کہ وہ عدالت سے باہر مقدمات کے فریقوں 'ان کے وکیلوں سے مقدمہ کے تعلق سے رابطہ کریں یہ انتظامی واجبات ہیں ان کے علاوہ نظام عدل کے اساسی واجبات کی بارے میں نظام قضاء تفصیل سے خالی ہے۔ اس ذیل میں بھی بین السطور سے مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے۔ مثلا شریعت اسلامیہ کی پابندی اور احکام کے سلسلہ میں نافذ ضابطوں کی پابندی اور بعض وضاحت طلب امور کی تفصیل کے لئے نظام دستور العمل سے رجوع کرنا۔ یہ وہ حالات ہیں کہ جن میں قاضی کے لئے فیصلہ دینا جائز نہیں۔ فقہاء رحمھم اللہ ان واجبات کو آداب قاضی کے عنوان کے تحت بیان کرتے ہیں۔ ان واجبات اور آداب قاضی کو ایک عنوان کے تحت ذکر کرتے ہیں۔ کہ جن سے آراستہ ہونا قاضی کے لئے پسندیدہ بات ہے یعنی اپنے ہر لفظ میں اور ہر آن و مجلس میں ان اوصاف حمیدہ سے مزین ہو۔(۱)

۱۔ بدائع الصنائع جلد ۷ اور الموا ردی کی الاحکام السلطانیہ اور بھوتی کی کشاف القناع عن متن الاقناع ۷۔ ۳۰۹

مخاصمت قاضی (قاضی کو فریق بنانا)

عام قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ فعل جو مضر اثرات مرتب کرتا ہے تو وہ اس کے فاعل کے لئے باز پرس کا سبب بنتا ہے۔ اگر قاضی کے تعلق اس قاعدہ کو علی الاطلاق لے لیا جائے تو پھر بہت سے مقدمات میں قاضی صاحبان کے خلاف ہرجانہ اور تفویض کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ فریقین کے ذہن میں یہ بات غالب طور پر پختہ ہو جاتی ہے کہ قاضی حضرات اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں لاپرواہی سے کام لے رہے ہیں یا پھر جب تک وہ ان کے فائدہ کی بات نہیں کرتا وہ غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ محکوم علیہ یہ تسلیم کرے کہ وہ اپنے دعوے میں حق پر نہ تھا۔ اور قاضی کے فیصلہ کو بے چون و چرا قبول کر لے۔ پھر ایسے سازشی و فریبی مقدمات جو سارا وقت قاضی کو اپنے دفاع میں ہی لگائے رکھیں ان سے قاضی صاحبان کا تحفظ ضروری ہے تاکہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی بطریق احسن انجام دے سکے۔ بالفرض اگر قاضی کی ایمانداری اور احکام و کارروائیوں میں عدم سلامتی کا شبہ پیدا ہو یعنی اس کی طرف سے جان بوجھ کر جانبداری دھوکہ فریب یا جان بوجھ کر بھٹک جانے کا کوئی پہلو نظر آئے تو پھر اس کی باز پرس ضروری ہوتی ہے اور پھر جو اس کا شکار ہوا ہو وہ اپنا دعوی پیش کرنے میں حق بجانب ہو گا۔

سعودی نظام عدل و انصاف میں ایسی مخاصمت سے عدم تعرض کرتے ہوئے اصول مخاصمت کو قائم رکھا گیا ہے چنانچہ نظام عدل کے دفعہ نمبر چہارم کے مطابق جب تک تادیب قاضی کے لئے وہ تمام شرائط و قواعد جو مخاصمت قاضی کے لئے ضروری ہیں پورے نہیں ہو جاتے ہین تب تک ان کی مخاصمت جائز نہیں۔ پہلے سے اشارہ شدہ قواعد کے مطابق قاضی کا کسی جرم میں ملوث ہونے کا اگر شبہ ہو تو تب تک اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی یا ہرجانہ کا دعوی دائر نہیں ہو گا۔ جب تک کہ اس کے لئے دفعہ نمبر ۸۴ کے مطابق مجلس اعلیٰ برائے قضاء سے منظوری نہ لے لی جائے۔ اس نص سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مخاصمت قضاء کو برقرار رکھا گیا ہے مگر اس کے لئے

ضابطے بھی طے کردئے گئے ہیں۔

اس کی کارروائی کی کیفیت یہ ہوگی کہ مسئلہ بغیر کسی معینہ احکام اور نصوص کی حد بندی کے مجلس قضاء کے سپرد کردیا جائے گا۔ لہٰذا مجلس قدرتی طور پر احکام شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ پر غور کرے گی۔ اور اگر اعتراض میں جان نہ ہوگی تو خود ہی دعوے کو خارج کردے گی۔

جدید نظام عدل میں واجبات قضاء (جج) کے سلسلہ میں جو خاص قواعد مرتب کئے ہیں اور جن کی طرف ہم پہلے ہی کئی بار اشارہ کر آئے ہیں وہ دو طریقوں سے ہیں:۔

اول : ان حالات کی حدبندی جن حالات میں سول جج (Civil Judge) سے پوچھ گچھ کی جا سکتی ہے وہ حالات میں دھوکہ فریب یا بھیانک غلطی یا انکار عدل سے مراد کسی ایسے مقدمہ کے فیصلے سے رک جانا ہے جو فیصلہ کے آخری مراحل سے گذر چکا ہے۔ یا اس کے احکام کے صادر کرنے میں تاخیر کرنا اسی طرح گویا تحدید کے یہ معنی ہوئے کہ جب تک کوئی قاضی دھوکہ فریب نہ کرے مرتکب رشوت نہ ہو یا فیصلہ کے لئے تیار شدہ مقدمہ سے رک نہیں جاتا تب تک اس کے صادر شدہ احکام کے بارے میں کوئی اپیل جائز نہیں' چاہے اس کے احکام سے افراد کو ضرر پہنچا ہو یا اس فیصلے میں غلطی پائی گئی ہو۔

دوم : ذاتی اسباب سے بازپرس جو خصوصیت کے عام قواعد کے تابع نہیں یہاں تک کہ قاضی کے خلاف اتہام لگانے میں خاص نوعیت کی کارروائی سے گذرنا ہوتا ہے جو اتنی پیچیدہ ہیں کہ ان کو اپنائے ہوئے مدعی کو کئی بار سوچنا پڑتا ہے کہ وہ واقعی دعوی ثابت بھی کر سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی حد بندیوں کی ضرورت تھی تاکہ اس طرح قاضی کی عزت نفس اور اس کے مقام کا تحفظ یقینی بنا رہے۔ اسی لئے اس میں یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ ایسی دعوے کی سماعت اپیل کورٹ یا اپیل کو کالعدم کرنے والی اس سے اونچی عدالت ہی کرے گی۔ (۱)

۱۔ دیکھئے قواعد المرافعات جس میں مصری قانون واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے نیز دیکھئے ڈاکٹر محمد عبدالخالق عمر کی نظام القضاء المدنی صفحہ ۵۴۲

فقہ اسلامی میں قاضی حضرات کی اپنے اعمال کی ذمہ داری

بشری[۱] قوانین کے طے شدہ اصولوں کی روشنی میں قاضی کے محاسبے کے ذکر کے بعد اب ہم دیکھیں گے کہ اس کی ذمہ داری کے متعلق فقہ اسلامی میں کیا کہا گیا ہے۔

فقہاء کرام فیصلہ میں لغزش کے بارے میں کلام کرتے ہوئے یہ دیکھتے ہیں کہ فیصلہ حقوق اللہ سے متعلق ہے! یعنی (حق عام) ہے یا حقوق العباد یعنی (حق خاص) سے متعلق ہے اگر تو فیصلہ حق خاص میں ہوا یہ دیکھیں گے کہ اس کی تلافی و تدارک ممکن ہے یا نہیں اگر اس کا تدارک ممکن ہو سکے جیسے کہ قاضی نے مال میں حق مہر میں یا طلاق میں یا غلامی میں آزادی کا حکم سنایا ہو پھر ظاہر ہوا کہ گواہ تو کافر ہیں یا کسی بہتان میں سزا پا چکے ہیں تو ایسی صورت میں فیصلہ باطل قرار پائے گا اور جس کے حق میں فیصلہ دیا گیا تھا اس سے مال لے کر جس سے لیا گیا تھا اسے واپس کر دیا جائے گا اور جسے آزادی کا حکم سنایا گیا تھا تو پھر غلام بن جائے گا جس طرح کہ پہلے تھا۔ اور اس طرح عورت خاوند کو واپس لوٹ جائے گی اور اگر تدارک ممکن نہیں مثلاً فیصلہ قصاص کا تھا اور فیصلہ نافذ ہو چکا اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ فیصلہ غلط تھا تو جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اسے قصاص کے بدلہ قتل نہ کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اس کے حق میں شبہ پایا گیا جس کا اس کو فائدہ ملے گا اور اس سبب اس سے قتل روک دیا جائے گا لیکن اس کے مال سے دیت ادا کی جائے گی اس لئے کہ وہ متہم پر قصاص کا سبب بنا مگر یہ اسی صورت میں ہے جب قاضی کی لغزش ظاہر ہو جائے خطا پر دلیل قائم ہو جائے اور سبب بھی ظاہر ہو جائے یا جس کے حق میں فیصلہ سنایا گیا تھا وہ خود فیصلہ کی غلطی کا اقرار کرے اگر حکم قاضی کی بنیاد اجتہاد تھا تو پھر کوئی ایسی بات نہیں ہوئی لیکن فیصلہ واجب فسخ ہو گا اور وہ نافذ نہ ہو گا خواہ اس کے خلاف اپیل کی مدت بھی گزر جائے۔

اور اگر فیصلہ حقوق اللہ میں سے کسی ایک حق کے بارے میں ہوا تھا جیسے زنا' شراب یا چوری

۱۔ انسان یا ماہرین قانون کی طرف سے مدونہ شدہ قوانین

میں فیصلہ سنایا گیا تھا پھر حد بھی جاری کردی گئی تھی مگر بعد میں گواہوں کے بارے میں وہی بات سامنے آئی جو پہلے بتائی گئی تو ایسی صورت میں ضمان بیت المال سے ادا کیا جائے گا نہ کہ قاضی کی طرف سے کیونکہ قاضی تو عامتہ المسلمین کے لئے ایک کارکن کی طرح ہے جو اپنے منصب کے ذریعے حدود قائم کرتا ہے اور اس کے منافع سے معاشرہ مستحکم ہوتا ہے۔ بگاڑ کو عامتہ المسلمین کی طرف جانے سے روکنے کا سبب ہوتا ہے۔ ورنہ برائی کے اثرات معاشرہ پر برے مرتب ہوتے ہیں اس لئے اگر قاضی سے لغزش ہوئی تو عامتہ المسلمین کو اس کا ازالہ کرنا چاہئے وہ اس طرح کہ بدلہ قاضی سے نہ لیا جائے گا اس کا ضمان بیت المال سے ادا کیا جائے گا کیونکہ جلاد نے جو کام کیا وہ قاضی کے حکم کے نفاذ کے لئے کیا۔ ہاں اگر ثابت ہو جائے کہ فیصلہ حق کے خلاف ہوا ہے اور قاضی نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہے اور اس نے اس ظلم کا اعتراف بھی کرلیا ہو تو پھر قصاص اسی سے لیا جائے گا۔

جب قاضی اپنے خلاف گواہی دے کہ اس نے قتل نفس قطع یدیا قصاص میں انصاف سے کام نہیں لیا تو اس پر کوئی صحیح دلیل ثابت ہو جائے تو اس سے قصاص لیا جائے گا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم ابوبکرو عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے آپ کو قصاص کے لئے پیش کیا تھا۔

اگر قاضی کسی شخص کے خلاف اموال میں ناانصافی 'کا فیصلہ سنائے یعنی حقدار تو محکوم علیہ تھا مگر فیصلہ محکوم لہ کے حق میں دیا گیا اور جس کے حق میں فیصلہ سنایا گیا تھا وہ پہلے ہی مال کو ختم کرچکا تھا یا استعمال میں لا چکا تھا اور اب اس کے پاس کچھ نہ رہا تھا کہ حقدار کو واپس کر سکے تو اس ناپسندیدہ فعل کے مرتکب ہونے پر قاضی کے خلاف تعزیری کارروائی کی جائے گی اور اس کے مال سے حق دلوایا جائے گا اور اسے منصب سے معزول کردیا جائے گا کہ اس نااہلی کے بعد اس کا اس منصب پر باقی رہنا درست نہیں ہے۔ (۱)

۱۔ دیکھئے کاسانی کی بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۷۔۱۶ اور حاشیہ ابن عابدین جلد ۵ صفحہ ۴۱۸ المغنی ابن قدامہ جلد ۹ صفحہ ۳۳۲ اور ابن فرحون کی تبصرہ الاحکام جلد ۱۰ صفحہ ۶۷ اور الملا تقی میں ہے جو شخص فتویٰ کا اہل ہوتا ہے وہ ایک بلند مشاہدات کا مالک ہونا چاہئے اس کا اشارہ الاستغناء لابن عبدالغفور اور المقنع فی الفقہ المالکی کی طرف ہے۔

قاضی حضرات کی کارکردگی کا معائنہ

سعودی نظام عدلیہ میں اعمال محاکم و قضاء کی تفتیش کا حکم نیا نہیں ہے۔ یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے کہ قاضی اعلیٰ (چیف جسٹس) وقتاً فوقتاً یہ خدمت انجام دیا کرتا تھا اور جس کا مقصد عدالتی امور کی حسن کارکردگی کی ضمانت تھا۔ حاکم وقت یا اس کے نائب کی طرف سے اہم ترین واجبات میں یہ ذمہ داری بھی تھی کہ رفتار کار کی نگرانی کی جائے۔ قاضیوں کی مقدمات میں اور فریقوں کے ساتھ رویئے پر نگاہ رکھی جائے۔ چنانچہ سن ۱۳۵۷ھ اور سن ۱۳۷۲ھ میں شرعی نظام عدل کی ذمہ داریوں کو لاگو کرنے کے سلسلہ میں جو نظام بنا' اس کا باب دوم تفتیش سے متعلق تھا اور اس کے پہلے ایڈیشن کے ۵۶ سے لے کر ۶۹ تک کے آرٹیکلز میں اس کے احکام کو منتظم کیا گیا تھا پھر اضافہ شدہ نئے ایڈیشن کے آرٹیکل ۴۷۔۵۰ اسی موضوع پر بنائے گئے تھے کہ قاضی حضرات اور امور عدالت پر نگاہ رکھی جائے اور یہ امر مطلق جائز ہے جو کچھ کتب فقہ اسلامی میں مذکور ہے اس نے اس کی تائید ہوتی ہے۔ "معین الحکام" کے مصنف لکھتے ہیں کہ حاکم وقت کے لئے یہ بات مناسب ہے کہ وہ اپنے قاضی حضرات کے احوال سے آگاہی حاصل کرتا رہے کیونکہ وہ اپنے حکم کا نگہبان اور اپنے اقتدار کا سربراہ ہے اور اسی طرح اس کے نائب قاضی اعلی پر بھی ایسی ہی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ وہ ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرے لوگوں میں ان کی حیثیت کو پرکھے اور ان کے متعلق معتبر صالح افراد سے پوچھتا رہے۔ (۱)

سعودی نظام عدل و انصاف کی فصل چہارم باب سوم کی آرٹیکلز ۶۲ تا ۷۰ میں اعمال قضاء کی تفتیش کو منتظم کیا گیا ہے وہ اس طرح کے وزارت عدل کے ماتحت ایک عدالتی تفتیش ادارہ ہو گا جس کا ایک سربراہ اور دوسرے ممبران کی ایک معقول تعداد ہو گی جنہیں سپریم کورٹ یا محاکم عامہ کے قاضی حضرات سے منتخب کیا جائے گا اور ان کا کام سپریم کورٹ کو چھوڑ کر ڈسٹرکٹ کورٹ اور سمری کورٹ

۱۔ دیکھئے معین الاحکام صفحہ ۳۲

کے اعمال کی نگرانی ہو گی یہ اور یہ کام اس طرح ہو گا کہ وہ تمام بیانات اور معلومات کے ذریعے قاضی صاحبان کی استعداد کار اور ان کی ادائیگی واجبات سے واقفیت رکھیں گے اور دیکھیں گے کہ وہ فرائض میں کیسے ہیں پھر ان معلومات کو وہ متعلقہ اداروں کو بھیجیں گے اور قاضی صاحبان کی طرف سے پیش کردہ شکایات کی تحقیق یا ان کے خلاف شکایات کی تحقیق کریں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ تفتیش ایک اعلیٰ و مثالی طریقہ کی طرف رہنمائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس عمل سے ایک نمونہ سامنے آتا ہے اور یہ اس شخص سے مل سکتا ہے جو اس کام کا طویل تجربہ رکھتا ہو اسی لئے نگرانی کرنے والا زیر نگرانی سے حیثیت اوپر کے مرتبے کا ہونا چاہئے یعنی اس سے سینئر ہونا چاہئے۔ چاہے وہ دونوں ایک عہدے پر ہوں اسی بات کو ۶۲ ۔ ۶۳ آرٹیکلز میں واضح کردیا گیا ہے۔

جو اصول و قواعد سعودی نظام نے وضع کئے ہیں وہی دوسرے عرب ممالک کے نظاموں میں بھی ملتے ہیں۔ مثلاً مصر میں جو ڈیشنل پاور (عدالتی اختیار) کا ترمیم شدہ آرٹیکل (آرٹیکل نمبر ۸۶) ہے جو اس بات کو بیان کرتا ہے کہ وزارت عدل کی مدد سے ایک ایسا عدالتی تفتیش کا ادارہ قائم کیا جائے جو ابتدائی عدالتوں کے قاضی صاحبان اور سربراہوں کے اعمال کی تفتیش کرے' یہ ادارہ سپریم کورٹ یا اپیل کورٹ کے چیف جسٹس اور ایک وکیل اور بہت سے ابتدائی عدالتوں کے مشیروں' قاضیوں اور چیف ججوں سے تشکیل پائے گا جو وزیر عدل کے فیصلے کے مطابق ایک سال تک اپنے فرائض انجام دے گا۔ پھر مجلس عدالت عالیہ کی موافقت سے یہ مدت قابل تجدید بھی ہو سکتی ہے اور ضروری ہے کہ قاضی حضرات کے متعلق جو کچھ ریمارکس ہوں وہ ان کے علم میں لائے جائیں۔

عراق میں عدالتوں کے کاموں کی نگرانی وزیر عدل کی ذمہ داری ہے۔ یہ کام وہ خود انجام دے یا پھر اپنی طرف سے سپریم کورٹ کے جج یا عدالتی امور کے تفتیش بورڈ کے سربراہ یا دوسرے جج کو اپنا نائب مقرر کرے' سپریم کورٹ کے اعمال اور فیصلوں کی تفتیش اس کے سربراہ کے ذمہ ہو گی جسے وہ اپنی رپورٹ کی شکل میں وزیر عدل اور مجلس عدل کو سالانہ پیش کرے گا۔ (۱)

۱۔ دیکھئے قانون تنظیم القضاء سنہ ۱۹۷۹ء

لیبیا میں بھی عدالتی قانون کے تفتیشی نظام کو آرٹیکل ۹۴-۹۷ کے تحت بیان کیا گیا ہے چنانچہ آرٹیکل ۹۴ میں طے کیا گیا کہ عدل کی نگہبانی تفتیشی ادارہ انجام دے گا جو عدالتی امور سے منسلک افراد اور نیابہ عامہ (Office of the Attorney general)[1] پر نگاہ رکھے گا۔[2] پس یہ تمام عدالتی تفتیشی تنظیمات چاہے تطبیق کے لحاظ سے مختلف ہیں مگر یہ فقہ اسلامی کے تمام بنیادی مقررہ اصولوں اور اسلام میں تاریخ قضاء سے موافقت رکھتی ہیں اور اس کے ساتھ شرعی سیاست کی روشنی میں موجودہ زمانہ کی ضروریات کے مطابق عدالتی نظم ونسق کی نشوونما کی تصویر پیش کرتی ہیں۔

یہ بات واضح رہے کہ عدالتی نگرانی کا کام فیصلوں کی جانچ اور نظر ثانی سے مختلف کام ہے ان کا دائرہ تو عدالتی اسلوب کار اور اس کی ہر قسم کی کارگزاری سے آگاہی حاصل کرنے تک ہے۔ چاہے اس کا تعلق خاص عدالتی امور سے ہو یا اس سے متعلق لازمی انتظامی کارروائیوں سے ہو اس نگرانی کا مقصد ان اقدامات اور ضروریات کو پورا کرنے کی طرف متوجہ کرنا ہے جس سے قاضی حضرات یا تو غافل رہے یا پھر متنبہ نہ ہو سکے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض اوقات تفتیشی افسر کے سامنے کوئی ایسی بات آئے جو بعض احکام میں کسی واضح غلطی کی نشاندھی کرتی ہو تو وہ اس کارروائی کے لئے بھی لکھ سکتا ہے۔

قضاۃ کو متنبہ کرنا اور ان کے خلاف ریمارکس سے ان کو آگاہ کرنا

نظام عدل و انصاف کی نص کے مطابق عدل و انصاف کی غیر جانبداری اور آزادی کو چھیڑے بغیر وزیر انصاف کو تمام عدالتوں اور قاضی حضرات پر نگاہ رکھنے کا حق حاصل ہو گا اسی طرح ہر محکمہ کے سربراہ کو اپنے ماتحت عملہ پر نگرانی کا حق ہو گا۔ اس کا مقصد عدالتوں کو حسن کارکردگی کی گارنٹی فراہم کرنا اور فرائض کی ادائیگی میں کسی قسم کی غفلت ولاپراہی کو دور کرنا ہے اسی طرح نظام عدل یہ بھی

۱۔ اٹارنی جنرل وہ مرکزی حکومت کا سب سے بڑا افسر قانون

۲۔ دیکھئے قانون نظام القضاء ۱۹۵۸ء

تقاضا کرتا ہے کہ سربراہ محکمہ اپنے ماتحت قاضی حضرات کو ان کے بارے میں پیش کردہ شکایات کے سلسلہ میں انہیں زبانی یا تحریری وارننگ دے۔ خاص طور سے اگر قاضی صاحبان کی طرف سے ادائیگی عمل کی پابندی نہیں ہو رہی ہے یا پابندی وقت کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جا رہا ہے اور وارننگ تحریری ہے تو پھر اس کی ایک کاپی وزارت عدل کو روانہ کی جائے گی۔ اگر ایسی کوتاہیاں باربار سرزد ہو رہی ہیں تو پھر تادیبی کارروائی کے لئے ان کا معاملہ مجلس اعلی برائے عدالت کو پیش کیا جائے گا' متعلقہ قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ تنبیہہ کے پہنچنے کے دو ہفتے کے اندر وہ مطالبہ کرے کہ وہ واقعہ کی تحقیق کی جائے جس کے بعد وزیر عدل سپریم کورٹ کے چیف کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دے گا جو معاملہ کی چھان بین کرے گی اور نتیجہ میں اگر الزام ثابت ہو تو اس کی کارروائی کی جائے گی ورنہ یہ مان لیا جائے گا کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ (دیکھئے آرٹیکل ۶۱۔ ۷۱ ۔ ۷۲ اس کی تائید کرے گی یا پھر اسے ایسے تصور کرے گی گویا کہ وہ تھا ہی نہیں (آرٹیکل ۶۱ ۔ ۷۱ ۔ ۷۲)

اسی طرح نظام عدالت اس بات کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ تفتیشی اور عدالتی و انتظامی امور میں قاضی صاحبان کے متعلق جو تفتیش اور رپورٹ تیار کرے وہ انکے علم میں لائی جائے تاکہ وہ اپنے اوپر لگے الزامات سے آگاہ ہوں اور اعتراضات کے جو جوابات ہوں وہ پیش کر سکیں۔ نظام عدل و انصاف نے قاضی حضرات کو یہ حق دیا ہے کہ وہ تفتیشی رپورٹ کے ان کے سامنے آنے کے تیس دن کے اندر اندر اس کے خلاف جوابی وضاحت پیش کریں۔

بیانات کی وصولی کے بعد انہیں ایک کمیٹی کے سامنے پیش کر دیا جائے گا جو عدالتی تحقیقاتی ادارہ کے سربراہ کی قیادت میں تشکیل دی جائے گی یہ کمیٹی بیانات کی چھان بین اور قاضی صاحبان کی طرف سے بیان کردہ اعتراضات اور وضاحتوں کا جائزہ لے گی۔ یہ نظام عدل کی ایسی ضمانت ہے جو اس عزت و احترام کو یقینی بناتی ہے جو ایک قاضی کو ملنا چاہئے اور جس کے بیانات پر کمیٹی اعتماد کرتی ہے۔ نظام عدل نے ایسی ایک ضمانت اس قاضی کو بھی ہے جس کی ملازمانہ رپورٹ میں اس کی کارکردگی متوسط

سے کم رہی ہو تو اس کے خلاف داد رسی کا حق دیا گیا ہے۔ ۳۰ دن کے اندر اس رپورٹ سے آگاہی کے بعد وہ مجلس اعلیٰ کے سامنے درخواست دے گا مجلس جو فیصلہ کرے گی وہ قطعی ہو گا۔ (دیکھئے آرٹیکل ۶۶۔۸۶)

تادیبی قاضی صاحبان

نظام عدل و انصاف کی نص کے مطابق قاضی حضرات پیش کردہ مقدمات کے سلسلہ میں اپنی رائے آزادی اور غیر جانبداری کے ساتھ دینے کے پابند ہیں۔ اس لئے لغزش ہو جائے تو اس کے نتیجے میں فیصلہ کو چیلنج کیا جا سکتا ہے اور بدلا جا سکتا ہے۔ مگر اس وجہ سے اسے کسی تادیبی معاملہ کے لئے پیش نہیں کیا جائے گا ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ قاضی سے ایسی چیز واقع ہو جاتی ہے جو باز پرس کا سبب ہو سکتی ہے۔ اس طرح کی باز پرس قاضی کے اپنے فرض منصبی کو بہتر طور پر ادا کرنے کی ضمانت کے لئے ضروری ہے اور ذمہ داری میں کوتاہی پر باز پرس اور عدم بر طرفی کے قانون میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ یہ اس آخری اصول کا تعلق قاضی سے نہیں ہے بلکہ اس کو عدالت کی حسن کار کردگی کی ضمانت کے طور پر طے کیا گیا ہے۔ اب اگر قاضی اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی برتے گا تب ہی اس کی باز پرس کا سوال اٹھے گا۔ (۱)

یہ بات بہت مشکل ہے کہ حوادث یا واقعات کی ایسی حد بندی کی جائے جس سے تادیبی کارروائی ممکن ہو تاہم واجبات میں اس قسم کا خلل و کوتاہی جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں' وہ تادیبی کارروائی کے اسباب میں بھی شمار ہوں گے۔ نظام عدل و انصاف نے تادیب قاضی پر اختصار کے ساتھ (آرٹیکل نمبر ۷۲۔۷۳) میں روشنی ڈالی ہے۔ اور مجلس اعلیٰ برائے قضاء اپنی عام تشکیل کے ساتھ یہ کام بھی انجام دینے کی پابند کی گئی ہے اگر تو مقدمہ میں پیش کردہ قاضی مجلس اعلیٰ برائے قضاء کا ممبر تھا

۱۔ دیکھئے ڈاکٹر ادریس العلوی العبدلاوی کی التنظیم القضائی المغربی الجدید صفحہ ۹۲

تو پھر وزیر عدل سپریم کورٹ میں سے کسی قاضی کو اس کی جگہ مقرر کرے گا۔ آرٹیکل نمبر(۸۲) نے ان تادیبی عقوبات کی حدبندی مقرر کر دی ہے۔ جو قاضی کے لئے طے کی جا سکتی ہیں۔ وہ ہیں چارج شیٹ دینا اور پنشن پر قبل از وقت' ریٹائر قبل از وقت ریٹائر کرنا جب کہ آرٹیکل نمبر(۸۲) میں مجلس تادیب کے فیصلے کو نافذ کرنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ وہ اس طرح کہ قرار داد وزارت عدل کو پہنچانے کے بعد اگر سزا پنشن پر ریٹائر کرنے کی ہے تو اس کے لئے شاہی فرمان ضروری ہوگا اور اگر سزا صرف چارج شیٹ دے کر ملامت کی حد تک ہے تو اس کے لئے فیصلے پر وزیر عدل کی منظوری کافی ہوگی۔ تاہم تادیبی دعوی قاضی کے مستعفی ہونے سے خود بخود ختم ہو جاتا ہے یہی معاملہ دوسرے فوجداری اور دیوانی مقدمات کا ہے اگر اس تادیب سے جڑے ہوئے ہوں تو وہ بھی غیر موثر ہوں گے۔

قاضی صاحبان کی برطرفی کے حالات

شارحین قانون کہتے ہیں کہ قاضی صاحبان کی عدم برطرفی کا قانون عدل و انصاف کی آزادی کیلئے اہم ترین گارنٹی تصور کی جاتی ہے جس سے قاضی کو قانونی تحفظ ملتا ہے اور اس کی عظمت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے انتظامیہ کی مداخلت سے قاضی حضرات محفوظ رہتے ہیں نیز مقدمے کے فریق بھی من مانی سے رکے رہتے ہیں۔ اس طرح افراد کی زیادتی کی اس قانون سے ہمت شکنی ہوتی ہے۔ عدم برطرفی سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ ان سے ایسی بات بھی صادر ہو جائے جس کی وجہ سے ان کے خلاف پوچھ گچھ ہو یا ان کی برطرفی کا باعث بنے تب بھی وہ اپنے منصب پر باقی رہیں گے کیونکہ یہ بات طے ہی کہ انتظامیہ قاضی کے سلیکشن میں کتنے ہی احتیاطی قدم اٹھائے پھر بھی ان میں کچھ نہ کچھ کمی ضرور رہ سکتی ہے جس کی وجہ سے قاضی منصب کے تقاضے پورے نہ کر سکے یا شبہ کا نشانہ بنے اس طرح بعض اوقات بعض سے ایسے اعمال بھی ان سے سرزد ہو جاتے ہیں جو منصب

عدل و انصاف کے وقار و شرف کے منافی ہوتے ہیں۔ قاضی صاحبان کی عدم بر طرفی کے اصول پر دنیا کے اکثر ممالک عمل کرتے ہیں۔ دساتیر اور قانون میں یہ بات طے شدہ ہے کہ قاضی صاحبان جب تک حسن سیرت و حسن کارکردگی سے آراستہ رہیں گے انہیں معزول نہیں کیا جا سکے گا۔ (۱)

بالاتفاق جب قاضی منصب عدل و انصاف کے منافی کسی عمل کا ارتکاب کرے تو اسے معزول کر دیا جائے گا۔

سعودی نظام عدل و انصاف نے ان حالات کی حدبندی کر دی ہے جن کے بموجب کسی عدالتی ادارہ کے ممبر کی خدمات اختتام کو پہنچتی ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ نوکری سے استعفی جسے قاضی کی طرف سے تحریری طور پر متعلقہ ذمہ دار کو پیش کیا جائے گا۔

۲۔ پنشن پر سبکدوشی اور یہ تین حالتوں میں ہے:۔

الف۔ پنشن پر سبکدوشی اس بنا پر کہ قاضی باقاعدہ ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہنچنے سے قبل ہی سبکدوشی کا طالب ہو۔

ب۔ سبکدوشی کی عمر تک پہنچ جانے پر یہ عمر ستر(۷۰) برس مقرر کی گئی ہے جو ناقابل تجدید ہے۔

ج۔ جس دیانت و اعتبار کا تقاضہ یہ منصب کرتا ہے اس کے مفقود ہونے کے باعث ریٹائر کر دینا۔

۳ ۔ عدالتی کام کے لئے نا اہلی

الف۔ نوکری کے ابتدائی آزمائش میں غیر اطمینان بخش کارکردگی دکھانا۔

ب۔ خرابی صحت کی وجہ سے مثلا قاضی کسی دائمی بیماری میں مبتلا ہو یا قوت گویائی یا سماعت میں ایسا خلل ہو جائے جس کے باعث مطلوبہ صورت میں فرائض نہ انجام دے سکتا ہو۔

ج۔ کارکردگی کی رپورٹ میں پے درپے کمی ہوتی جائے یعنی پے دے پے تین مرتبہ متوسط درجے سے بھی کم کارکردگی کی رپورٹ حاصل کرنا۔

۱۔ قواعد المرافعات صفحہ ۳۱۔ ۳۲

۴ ۔ تادیبی اسباب کی بنا پر طرفی

۵ ۔ وفات پا جانا (۱)

حالت وفات اور مقررہ عمر پر ریٹائرمنٹ کے علاوہ دوسری صورت میں کسی عدالتی ادارہ کے ممبر کی خدمات مجلس اعلیٰ برائے قضاء کی قرارداد کی بنا پر سرکاری حکم نافذ کے ذریعے ہی ختم کی جا سکتی ہیں۔ (دیکھئے آرٹیکل نمبر ۸۶)

رہی بات فقہ اسلامی کی تو جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر قاضی کی حالت کسی فسق و فجور زوال عقل یا کسی دوسرے مرض کے باعث متغیر ہو جائے جس سے وہ اپنا عمل جاری نہ رکھ سکے یا کسی ایسی بات سے اس کا دامن آلودہ ہو جائے جو اہلیت منصب کے منافی ہو یا پھر نظام عدل کی بعض شرائط اس میں نہ پائی جائیں تو ایسی صورت میں اس کی برطرفی کا اختیار حاصل ہو گا۔ اسی طرح رشوت کا قاضی صاحبان میں پھیل جانا جس کے باعث وہ عدل کے راستوں سے ہٹ جائیں تو ولی الامر قاضی کو اس کے منصب سے علیحدہ کر دے۔

قاضی سے فسق صادر ہونے کی صورت کے مسئلہ میں احناف اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قاضی اس سے معزول نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک عدل اہلیت قضاء کی شرط نہیں جس طرح کہ یہ اہلیت شہادت کی شرط نہیں۔ احناف کے اور الاصم کے علاوہ کسی سے یہ قول منقول نہیں ہے۔ الاءصم کا کہنا ہے کہ قاضی کا فاسق ہونا قضاء میں رکاوٹ نہیں ہے۔ ان کا یہ قول جمہور کے نزدیک مرجوع ہے۔[۲] ائمہ کرام کے درمیان ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ قاضی سے اگر عدل و انصاف کے منافی کوئی بات صادر نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی ایسی بات کا مرتکب ہوا ہو جو باعث معزولی ہو تب بھی کیا وہ اپنے اختیارات کے ساتھ بحال رہے گا؟

۱۔ نظام القضاء کا آرٹیکل نمبر ۵۱۵۰ ۷ ۶۹۵۸۵

۲۔ بدائع الصنائع ۷ ۔ ۷ اور المغنی والشرح الکبیر ۱۱ ۔ ۳۸۸ ۔ ۳۸۰

۱ ۔ جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ بغیر وجہ کے وہ معزول نہ ہو گا اس لئے کہ اس کا معاہدہ مسلمانوں کی مصلحت کے لئے ہے لہٰذا درستگی حال کے ہوتے ہوئے امام یا اس کا نائب اس کو معزول نہیں کر سکتا۔ جس طرح اگر وہ اپنی آزاد کردہ باندی سے نکاح کر لے تو پھر اسے فسخ نہیں کر سکتا ہے۔

۲ ۔ احناف کا مذہب ہے کہ سلطان یا اس کے نائب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قاضی کو برطرف کر کے اس کی جگہ دوسرا قاضی مقرر کرے اسی طرح کی معزولی میں دو شرطوں سے قاضی معزول ہو جائے گا:۔

اول : معزولی کی خبر اس تک پہنچے' خبر نہ ملنے کی صورت میں وہ اپنے منصب پر قائم رہے گا مگر جب خبر پہنچ گئی تو وہ معزول ہو جائے گا۔

دوم : معزولی کی خبر اس تک پہنچے' خبر نہ ملنے کی صورت میں وہ اپنے منصب پر قائم رہے گا مگر جب خبر پہنچ گئی تو وہ معزول ہو جائے گا۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ وہ معزول نہ ہو گا چاہے اس کو خبر بھی مل گئی ہو جب تک کہ دوسرا قاضی اس جگہ مقرر نہ ہو جائے تاکہ اس سے لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہو سکے' اس کا استدلال انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے لیا ہے کہ انہوں نے ابو اسود رضی اللہ عنہ کو والی مقرر فرمایا پھر معزول کر دیا اس نے کہا آپ نے مجھے معزول کیوں کیا جب کہ میں نے نہ تو خیانت کی اور نہ ہی کوئی جرم کیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ تیری گفتگو فریقین کے لئے تند و تیز ہے۔ چونکہ علی رضی اللہ عنہ اپنے امراء و والیان کی بھی معزولی کا حق رکھتے تھے۔ لہٰذا وہ اپنے مقرر کردہ قاضی صاحبان کو بھی معزول کر سکتے تھے۔[1] اس میں راجح قول جمہور فقہاء کا ہے یعنی بغیر کسی ایسے سبب جو کہ معزولی کا تقاضہ کرتا ہو اس کا عزل صحیح نہیں ہے اور یہ احناف کے قول سے زیادہ راجح ہے جو شبہ یا عدم شبہ میں عزل قاضی کو جائز کہتا ہے۔ عزل قاضی کے سلسلہ میں جو روایات آئی ہیں ان کی تاویل یہی ہے کہ وہ کسی ایسی مصلحت کے تحت تھا جو واقعی اس کا تقاضہ کرتی ہو مثلاً علی رضی اللہ عنہ کی ابو اسود کے بارے میں جو روایت ہے اور جس طرح روایت کیا گیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے

۱۔ دیکھئے المغنی والشرح الکبیر جلد ۱۱ صفحہ ۴۸۹

کہا :(لاعزلن ابامریم و اولین رجلا اذار آہ الفاجر فرقہ)"میں ابو مریم کو معزول کر کے ان کی جگہ ویسے شخص کو ذمہ داری دوں گا جس کو فاجر دیکھے تو لرز جائے"پھر آپ نے اسے بصرہ کی عدالت سے معزول کر دیا۔

عزل قضاہ کے بارے میں امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ کی گئی ہے کہ قاضی کو اس کے منصب پر ایک سال سے زائد عرصہ تک نہ چھوڑا جائے' اس کی علت وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ عدل و انصاف میں مشغول ہو جائے گا تو مطالعہ سے کٹ کر علم کو بھول جائے گا اور اس سے ادائیگی میں خلل پڑے گا اور غلط فیصلے اس سے صادر ہوں گے۔ اس لئے چاہئے کہ سلطان اسے منصب سے ہٹا دے اور اسے کہے کہ میں نے تجھے کسی بگاڑ کی وجہ سے معزول نہیں کیا لیکن ڈرتا ہوں کہ تو کہیں علم کو بھول نہ جائے۔ پس علم کو پڑھ کر پھر ہمارے پاس آ۔ تاکہ ہم تجھے دوسری مرتبہ اسی منصب پر فائز کریں۔(۱)

عجیب بات یہ ہے کہ ہم عصر زمانہ میں بعض ممالک قاضی کی مدت بقاء کی حد بندی کرتے ہیں جیسے سوئٹزرلینڈ کے قانون میں عدالت عالیہ کے جج صاحبان کی مدت چھ سال مقرر کی گئی ہے اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بعض ریاستوں میں قاضی کی مدت بقا طے ہے خواہ کہیں کم اور کہیں زیادہ ہو۔

اگر قاضی اپنی خواہش سے منصب قضاء سے معزول ہوتا ہے تو وہ معزول مانا جائے گا اور جب مستعفی ہو جائے تو بھی معزول ہو جائے گا۔ اس لئے کہ وہ تو ایک ایسی قوم کی طرف سے وکیل ہے جو ولی الامر کی اطاعت میں ہے اور وکالت غیر لازم عقد ہے(۲) لہٰذا وکیل جب چاہے جس وقت چاہے خود کو

۱۔ بعض مصنفین نے اس رائے کے تعلق سے یہ سوال اٹھایا ہے کہ حنفی مذہب میں تو قاضی کے لئے علم کی شرط نہیں ہے پھر اس قول کی کیا تاویل ہوگی اس سوال کا جواب یوں ہے کہ علم کی عدم شرط بعض متاخرین مذہب کی اپنی رائے ہے مذہب حنفی کے اولین ائمہ سے ہی کوئی بات اس بارے میں منقول نہیں ہے۔

۲۔ غیر لازم عقد وہ معاہدہ جس میں ایک فریق جب چاہے اسے ختم کر سکتا ہے اور اسے دوسرے فریق کی منظوری کی ضرورت نہیں ہے جب کہ لازم عقد میں طرفین کی رضامندی ضروری ہے۔

معزول کر سکتا ہے جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کا خود کو معزول کرنا اور اس کا نفاذ حاکم کے علم میں آنے پر موقوف نہیں ہے کیونکہ اس میں کسی کا حق ضائع نہیں ہوتا۔

ایک قول میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ خود کو معزول کرنے سے معزول نہ ہوگا۔ جب جب تک کہ اس کو مقرر کرنے والا اس سے آگاہ نہ ہو جائے اور طلب فراغت یا استعفی قبول نہ کرلے۔ آج کل عمل اسی قول پر ہے۔

اگر قاضی کو نامزد کرنے والا امام' والی' یا اس کا نائب مرجائے یا اپنے اقتدار سے ہٹ جائے تو اس کا متعین کردہ قاضی معزول نہ ہوگا کیونکہ اس کی تعیناتی امت کی مصلحت کی خاطر کی گئی تھی للذا کسی کی موت سے وہ معزول نہ ہوگا اس لئے کہ قاضی تو ولایت مسلمین اور ان کے حقوق کے لئے کام کرتا ہے۔(۱)

۱۔ بدائع الصنائع ۷۔۱۶ اور المغنی والشرح الکبیر ۱۱۔ ۴۷۹

موضوع سوم

قاضی صاحبان کے معاونین

قاضی صاحبان کے کندھوں پر پڑی ذمہ داریوں کا بوجھ اتنا عظیم ہے کہ عدلیہ کا کام تنہا انجام دینا ممکن نہیں۔ خاص طور پر جب کہ معاشرہ کی اقدار تبدیل ہو جائیں۔ مسائل بڑھ جائیں اور عدالتوں کے کام میں بے پناہ اضافہ ہو جائے تو پھر ایسے اشخاص کی اشد ضرورت ہے جو پیش کردہ مقدمات کو داخل دفتر کرنے پیشی کے سمن جاری کرنے کے نوٹس جاری کرنے' مقدمات کی فائلوں کو ترتیب دینے' سرکاری کاغذات (اسٹامپ وغیرہ) کی حفاظت کرنے تحقیق کرنے اور بالاخر احکام کو نافذ العمل کرنے میں قاضی صاحبان کا ہاتھ بٹا سکیں۔ وہ تمام اشخاص جو قاضی صاحبان کا ہاتھ بٹاتے ہیں انہیں معاونین کیا جاتا ہے' نظام قضاء کے دفعہ نمبر ۷ ۹ میں ان میں سے بعض کو شمار کیا گیا ہے جس کی نص مندرجہ ذیل ہے:۔

معاونین قاضی صاحبان میں کاتبین' بیانات پیش کرنے والے' مترجمین مشیران اور افسران بیت المال کا شمار کیا جاتا ہے۔

نئے نظام میں وکیل کو بھی قاضی کا معاون و مددگار شمار کیا گیا ہے۔

اول :(کاتبین ضبط) بیانات نویس منشی

کاتبین ضبط سے مراد ملازمین کا وہ عملہ ہے جو قاضی صاحبان کے ساتھ رہ کر منشیوں کی تیاری مقدمات کی کتابت فریقین اور گواہوں کے بیانات کی قلم بندی عدالت میں پیشی کے سمن تنبیہہ و تبلیغ کے تمام اعمال عدالتی رجسٹروں میں مقدمات کے اندراج کارروائی کی کتابت' فیصلوں کے قلم بند کرنے اور معاملات کے کاغذات کی ترتیب' دستاویز نویس' جس کا جواب دینا ضروری ہو۔ اس کا

جواب دینا وغیرہ جیسے دفتری کام انجام دیتے ہیں۔

شرعی نظام عدل و انصاف کی فصل ثانی میں عدالتی ذمہ داریوں کی درجہ بندی سے متعلق باب چہارم کی دفعہ (۱۰۸-۱۲۵) میں کاتب ضبط کے اختصاصات و اختیارات اور فرائض مذکور ہیں۔

دوم :(محضر)یعنی پیشی کرانے یا اعلان کرنے والے

پیش کرنے والے یہ وہ ملازمین ہیں جنہیں کاغذات کے اعلان اور انہیں فریقین تک پہنچانے اور فریقین کو حاضر کرنے کا کام سونپا گیا ہے۔ عدالتی کارروائی کے قانون اور جدید عدالتی طریقہ کار دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ مدعا علیہ کے خلاف مقدمہ کا اعلان اور عدالت میں حاضری کی میعاد نظام عدل و انصاف میں ایک ضروری امر ہے لہذا مدعا علیہ کو مدعی کی طرف سے دائر شدہ مقدمہ کی مختصر مگر وضاحت کے ساتھ خبر روانہ کی جائے گی جس میں مدعی کی طرف سے جو مطالبہ کیا ہے اس کو بیان کیا جائے گا تاکہ مدعا علیہ مقدمہ کی نوعیت سے آگاہ ہو جائے اور عدالت میں مقررہ مدت تک پیش ہونے سے قبل اپنے دفاع کی تیاری مکمل کرے۔ عدالتی نظام العمل میں مقدمہ کا سامنا کرنے کے قانون کی بالادستی کا یہی تقاضا ہے۔

فقہ اسلامی کے احکام میں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جو مقدمات کے اعلان مطالبہ سے آگاہی اور اس کے اسباب کی طرف اشارہ کرتی ہو۔ فقہاء کرام نے تو بس مدعی کی طرف سے دعوی کے سلسلہ میں مدعی علیہ کو تحریری یا زبانی طور پر مجلس عدالت میں حاضر کرنے کو ضروری قرار دیا ہے چاہے اسے زبردستی ہی کیوں نہ لایا جائے یعنی جب وہ خود سے حاضر نہ ہو جب کہ وہ شہر یا اس کے قریب رہائش پذیر ہو۔ اور جب مدعی علیہ حاضر ہو جائے اور مقدمہ کی جواب دہی کے بارے میں مہلت طلب کرے تو فقہاء نے قاضی کے لئے یہ جائز قرار دیا ہے کہ وہ اسے ایک مناسب مدت کی مہلت دے اس طرح فقہاء نے بھی اس غرض کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس کے لئے جدید نظام عدالت مذکورہ طریقہ اعلان کو ضروری قرار دیتا ہے۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بشری قانون مقدمہ بنانے کی مدت سے مہلت کی مدت کو کم کر دیتا ہے جس کو مدعیٰ علیہ طریقہ فقہاء کے مطابق جواب کے لئے طلب کرتا ہے لیکن قانون نے قاضی کے لئے یہ بھی جائز رکھا ہے کہ وہ مقدمہ کے سلسلہ میں مدعیٰ علیہ کو جواب کے لئے مدت مہلت دے۔ باوجود اس کے کہ اس کو مقدمہ سے پہلے ہی آگاہ کیا جا چکا ہو۔ آج کل بھی اسی پر عمل ہے۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ مدعا علیہ اپنے دفاع میں جو کہنا چاہتا ہو وہ ساری بحث پہلی پیشی میں مکمل کر لے۔[1] شرعی نظام عدل کی ترکیز مسئولیات کی (دفعہ نمبر ۱۶۸ سے لے کر دفعہ نمبر ۱۷۶ تک) میں محضرین کے اختصاص و وجبات کی تفصیلات شامل ہیں۔

سوم : مترجمین

مقدمات میں فریقین میں سے کوئی گواہ یا گواہوں میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو عربی زبان سے واقف نہ ہوں اور اسی طرح بعض دستاویزات تحریری دوسری زبانوں میں تحریر ہو سکتی ہیں اور قاضی کے لئے سماعت دعویٰ اور تحریر سے واقفیت مشکل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں قاضی ایک یا ایک سے زیادہ مترجمین کی خدمات حاصل کرتا ہے اسی لئے نظام نے مترجمین کو بھی معاونین قاضی حضرات میں شامل کیا ہے' مگر ابھی تک کوئی ایسا قانون یا نظام نہیں پایا جاتا ہے جو عدالتوں میں اعمال ترجمہ کے نظام کو منظم کر سکے یعنی عدالت میں منتخب افراد ہوں جو برائے ترجمہ رکھے جائیں۔ ان کے ترجمے کی کوئی سرکاری حیثیت بھی متعین نہیں کی گئی ہے۔ ابھی تک ہوتا یہ ہے کہ بڑے شہروں میں عالم اسلام اور مغرب میں بولی جانے والی زبانوں کے مترجمین کا کچھ اہتمام کیا ہے اور کبھی دوسرے سرکاری محکموں میں کام کرنے والے مترجمین سے مدد لی جاتی ہے۔

مترجمین کی تعداد کے تعلق سے یہ سوال علماء کے درمیان رہا ہے کہ آیا ایک مترجم کافی ہے یا ایک سے زائد ہونے چاہئیں؟ تعداد کے بارے میں اختلاف اس سبب سے ہے کہ کیا ترجمہ خبر کی جگہ مانا

۱۔ دیکھیئے ڈاکٹر عبدالخالق النوادی کی العلاقات الدولیہ والنظم القضائیہ صفحہ ۳۰۷

جائے یا یہ بمعنی گواہی کے ہے! تو جس کی رائے میں یہ اخبار ہے وہ تعداد کی شرط کا قائل نہیں ہے اور جو اسے بمنزلہ گواہی سمجھتا ہے وہ تعداد میں دو کی شرط کا قائل ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ چھٹے طریقہ کے بارے میں یعنی بغیر قسم کے شاہد واحد کی گواہی پر فیصلہ دینے کے بارے میں کہتے ہیں۔ ترجمہ تعارف خط اور جرح و تعدیل میں بغیر قسم کے ایک کی شہادت قبول کی جائے گی۔ امام احمد سے ایک روایت میں یہی منقول ہے اور امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں اس عنوان سے ایک باب باندھا ہے (باب ترجمہ الحکام)' باب حکام کے سامنے ترجمانی کرنا' کیا ایک ترجمان جائز ہے' اس پر انہوں نے خارجہ بن یزید کے واسطہ پر زید بن ثابت سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے انہیں یہودیوں کی کتاب سیکھنے کا حکم دیا یہاں تک کہ میں سیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کو پڑھ کر سناتا۔ ایک دفعہ جب کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی' حضرت عثمان عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم تشریف فرماتے تو آپ نے ایک یہودی عورت جو کہ حاملہ دکھائی دیتی تھی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ کیا کہتی ہے؟ تو عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ یہ آپ کو اس شخص کے بارے میں بتلا رہی ہے جس نے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے ابو جمرہ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس اور لوگوں کے درمیان ترجمان کا کام انجام دیا کرتا تھا۔ اور بعض لوگوں کا کہنا ہے (کہا جاتا ہے کہ وہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھی محمد بن الحسن کا قول ہے) کہ (حاکم کے لئے مترجمین کا رکھنا اشد ضروری ہے)۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ یہی قول امام مالک و شافعی کا ہے اور اسی کو خرقی نے اختیار کیا ہے۔ ایک ترجمان پر اکتفا کرنا امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور وہ درست ہے۔ (۱)

ان اقوال کو جمع کرتے ہوئے ہماری رائے ہے کہ جہاں معاملہ خبر دینے کا ہو جیسے دعوے کا معاملہ تو اس میں تو ایک مترجم کافی شمار ہونا چاہئے اور جہاں معاملہ گواہی کا ہو اس میں شہادت کا نصاب پورا کرنا ضروری ہو۔ واللہ اعلم۔

۱۔ دیکھئے الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۳۱۔ ۱۳۲ اور فتح الباری جلد ۱۳ اور صفحہ ۱۸۶ اور اس کے بعد

چہارم : ماہرین

بعض اوقات عدالتوں میں پیش کردہ مقدمہ میں بعض معاملات میں ماہرین کی رائے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً مالی قواعد کا اجراء غیر منقولہ جائیداد کی اصل کیفیت سے آگاہی حاصل کرنا یا اس کی تقسیم یا محل نزاع میں دستاویز سے مطابقت یا فوجداری مقدمات میں زیادتی کی نوعیت معلوم کرنا اس کے معاوضے کی شکل معلوم کرنا یا نفقہ کی مقدار کو حالات کے مطابق طے کرنا۔

یہ سب امور ماہرین کی رائے کے محتاج ہوتے ہیں اور ان کی رائے سے قاضی کے سامنے صحیح صورتحال سامنے آتی ہے اور غیر واضح پہلو سے قاضی واقف ہو جاتا ہے۔ جس کے لئے اس کی اپنی معلومات کافی نہ ہو سکتی ہوں یا اس کے پاس وقت نہ ہو۔ نیز ایسے کام کی بجاآوری سے جو نتیجہ سامنے آئے گا وہ محض قاضی کے اپنے علم پر مبنی ہو گا۔ جب کہ عدل و انصاف کے قواعد کی رو سے اپنے علم سے فیصلہ کرنا قاضی کے لئے ممنوع ہے۔ جیسا کہ جمہور فقہاء کا قول ہے لہٰذا ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہاء نے اہل علم و رائے سے مدد حاصل کرنا قاضی کے لئے جائز قرار دیا ہے جس طرح کہ ترکہ تقسیم کرنے والا اور دوسرے اہل علم و نظر (ماہرین) ہیں۔ موجودہ قواعد بھی اپنی معلومات کی تکمیل کے لئے ماہرانہ رائے سے استفادہ اور ان سے مدد لینے کو قاضی کے لئے جائز قرار دیتے ہیں۔ تاکہ درپیش مقدمات میں اس کو اطمینان حاصل کرنے کا راستہ مل جائے۔ یہ بات سامنے رہے کہ اہل علم سے مشورہ ان تمام دوسرے وسائل اثبات سے مختلف ہو جاتا ہے۔ جن کا مقصد مقدمات میں دلائل کو اکٹھا کرنے سے ہے۔(۱)

یہ ماہر عدالتوں کا تنخواہ والا بھی ہو سکتا ہے جیسے کہ تحقیق و معائنہ کی کمیٹی کے ملازمین جن کا کام متنازعہ غیر منقولہ جائیداد کی چھان بین کرتا ہے اور مقدمہ کے دوران میراث کی تقسیم کے معاملات طے کرنا بھی اس کمیٹی کا کام ہے۔ اس طرح دوسرے معاملات مثلاً زمین کی پیمائش و حد بندی ہے اگر

۱۔ دیکھئے التنظیم القضائی المغربی صفحہ ۱۳۴ اس موضوع کے بارے میں شارحین کے خلاف باتیں لکھی جاتی ہیں۔

قاضی ان سے کام کے لئے کہے تو وہ یہ امور طے کرتی ہے ایک خاص قانون کے مطابق اس درجہ بندی میں تنخواہ دار طبیب (ڈاکٹر) بھی آتے ہیں جو سرکاری ہسپتالوں میں کام کرتے ہیں اور عدالتوں میں بھی زخموں کی گہرائی و خطرناکی کا اندازہ کرتے ہیں۔ یہ ماہر غیر تنخواہ دار بھی ہو سکتا ہے۔ جس طرح کہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہیں جن سے عدالتیں متنازع فریقوں کے اتفاق کی صورت میں بعض مقدمات کے حل کے لئے مدد حاصل کرتی ہیں۔

پنجم۔ افسران خزانہ

نظام نے افسران خزانہ کو معاونین قاضی صاسٔبان میں شمار کیا ہے۔ بیت المال کی ذمہ داریوں واجبات اور عدالتوں سے اس کے ارتباط کے متعلق پہلے بات ہو چکی ہے جس سے اب دھرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ششم : مقدمات کے وکیل

مقدمات کے وکیل وہ افراد ہیں جو عدالت میں فریقین کا دفاع کرتے ہیں اور اپنی عدالتی امور سے واقفیت کو بطور قانونی مشورے کے استعمال کر کے مقدمے کو آگے بڑھاتے ہیں۔ شہری قانون میں وکیل کو عدالتی مددگار اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ اظہار حقیقت میں اور حق دار کو اس کا حق پہنچانے میں عدل و انصاف کے مددگار ثابت ہوتے ہیں اور قاضیوں کی ذمہ داری آسان بناتے ہیں۔

ہم مقدمات میں وکیل کرنے کے سلسلہ میں مملکت میں عدالتی نظام اور ہدایات کے بارے میں گفتگو پہلے عدالتوں کے منسوخ شدہ نظام کے درمیان کر چکے ہیں چنانچہ شرعی اداروں (جن پر حالیا عمل درآمد جاری ہے) میں انتظامی اعمال کی ان تعلیمات میں یہ مقرر کیا گیا ہے کہ ہر شخص کو بغیر کسی قید کے وکیل کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ یعنی ہر مقدمہ میں چاہے اس کی نوعیت کیسی ہی ہو اور چاہے یہ شخص شہر میں تقسیم ہو یا شہر کے باہر ان تعلیمات نے براہ راست ہر شخص کو اپنا وکیل بنانے کا حق دیا

ہے خواہ وہ کسی علمی استعداد کا ہو۔ مگر وکیل کے لئے شرط ہے کہ وہ بیک وقت تین سے زیادہ مقدمات کی وکالت نہیں کر سکتا ہے۔ اگر کوئی وکیل مختلف اشخاص کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کر رہا ہے تو پھر ان کے علاوہ کسی اور کی طرف سے اس کی وکالت قبول نہ کی جائے گی ہاں اپنے ان تین موکلوں کی پیروی کرتے ہوئے ان کے کئی مقدمات کی پیروی کر سکتا ہے اس وکالت کی پیشہ ورانہ تنظیم کے جو قواعد طے کئے گئے ہیں ان کے مطابق مندرجہ ذیل شرائط پائے جانے کی صورت میں ہی کسی شخص کو وکالت کرنے کا اجازت نامہ جاری کیا جاتا ہے۔

ا۔ اس کی عمر اکیس برس سے کم نہ ہو۔

ب۔ بہتر کیرکٹر رکھتا ہو۔

ج۔ سعودی عرب کا شہری ہو۔

د۔ سعودی انسٹیٹیوٹ کا آخری ڈپلومہ یا مدارس فلاح یا اس کے برابر مدارس سے درجہ عالی کی سند رکھتا ہو۔

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ سند کی شرط مملکت کے عہد اول کے علمی معیار تصویر پیش کرتی ہے مگر اب جب کہ اعلیٰ تعلیم اپنی بلندیوں کو چھو رہی ہے تو پیشہ وکالت کا رخ کرنے والے ان افراد سے منتخب ہوتے ہیں جنھوں نے کسی شرعی کالج یا اس کے برابر کسی ادارہ سے بی.اے (B.A.) حاصل کیا ہو تو جب کہ ہم گفتگو کے اختتام پر ہیں تو میں چاہوں گا کہ اس طرف بھی اشارہ کرتا چلوں کہ جس طرح بلا قید ہر شخص کے لئے حق توکیل ہے اسی طرح اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ مقدمہ کو خود نپٹائے یا کسی وکیل کے سپرد کرے اور اس گنجائش کی وجہ سے مملکت کا نظام وکالت دوسرے ممالک کے قوانین وکالت سے ممتاز ہے جس میں کسی شخص کو اپنی طرف سے لازماً وکیل کرنا ہوتا ہے۔ خصوصاً مقدمات کے بعض درجوں میں تو وکیل کے بغیر مقدمہ کا تصور ہی نہیں ہے۔

شرائط برائے تعیناتی معاونین قضاۃ۔ اور انکی تادیب'
حقوق اور واجبات کے طریقہ کار :

دفعہ نمبر۹۹ میں یہ طے کیا گیا کہ سول سروس کی مقررہ کردہ تعیناتی شرائط میں بغیر کسی بے جا مداخلت کے جو شخص کاتب مترجم ماہر یا پیش کار متعین کیا جائے گا اس کا اس امتحان کو پاس کرنا لازمی ہو گا۔ جس تفصیلات و شرائط وزیر عدل کی قرارداد کے مطابق طے کی گئی ہیں اور ان کی تعیناتی تجرباتی طور پر کی جائے گی جو نہ تو ایک سال سے کم ہو گی اور نہ ہی دو سال سے زیادہ ہو گی نظام عدل کی دفعہ ۹۸ کے مطابق مقدمہ کے طریقہ کار کے نظام میں یہ تفصیلات طے ہوئی ہیں کہ تجربہ کا طریقہ کار کیا ہو گا اور ماہرین کے حقوق اور ذمہ داریاں کیا ہوں گی اور ان کی بازپرس کیسے کی جائے گی۔ مگر یہ نظام ابھی تیاری کے مراحل میں ہے۔ نظام عدل کی دفعہ نمبر۱۵۰ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ حکومتی ملازمین پر جو احکام نافذ ہوتے ہیں وہی عدالتی ملازمین پر بھی جاری ہوں گے۔ بشرطیکہ یہ احکام عدل کے نظام سے متعارض نہ ہوتے ہوں اور یہ کہ ہر محکمہ کے ملازمین اپنے انتظامی امور کے سربراہ کے تحت کام کریں گے اور تمام ملازمین اور سربراہ محکمہ کی نگرانی اپنے ملازمین پر ہو گی۔

فقہ اسلامی میں معاونین برائے قاضی صاحبان

فقہاء کے نزدیک قاضی کے معاونین کا جو نظام ہے وہ جدید عدالتی نظام میں بتائے گئے معاونین سے زیادہ وسیع ہے۔ اسلامی تاریخ کے کئی مرحلوں سے گذرتا ہوا جو نظام قضاء ہم تک پہنچا ہے اس کے مطابق قاضی کے معاونین وہ ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا اور یہ درج ذیل بھی اس زمرے میں آتے ہیں۔

ا۔ فقہا : جن مسائل میں قاضی کو دشواری کا سامنا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ان میں فقہاء سے مشورہ لے۔ جدید عدالتی تنظیم نے جن کو مشیر عدلیہ کا نام دیا ہے یہ وہی کام کرتے ہیں جو فقہاء سے مطلوب تھا۔

۲۔ گواہ : ان فقہاء کے طریقے کے مطابق جو گواہوں میں تنظیم کے قائل ہیں کہ ان کے علاوہ کسی اور کی گواہی قبول نہ کی جائے یا پھر ایسا طریقہ وضع کیا جائے کہ غیر متعین افراد کی شہادت بھی قبول کرلی جائے ان کے مطابق گواہ قاضی کو معاون شمار ہوں گے آج کے لحاظ سے یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے۔

۳۔ کردار توثیق کرنے والے :

بعض فقہاء کی اصطلاح میں اصحاب مسائل۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو قاضی کے بیان معتبر ہوتے ہیں اور قاضی ان سے گواہوں یا گواہ کی سچائی و راست بازی کے بارے میں دریافت کر کے حقیقت تک پہنچتا ہے اس طرح قاضی صاحبان گواہی کے لئے لوگوں کی درجہ بندی کرتے ہیں اور ان کی سچائی و راست بازی سے آگاہ ہو کر بعض کو توثیق کا اہل قرار دیتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ موجودہ عدالتیں گواہوں کی شہادت نہیں لیتی ہیں یا ان کی سچائی و راست گوئی جاننے کا اہتمام نہیں کرتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس غرض کے لئے لوگوں کا ایک مخصوص گروہ ان کے بیاں متعین نہیں ہوتا ہے۔ تاہم گواہی مسائل اثبات میں سے ایک اہم وسیلہ ہے۔ اور گواہ کی توثیق کر کے اس کو اہل عدل قرار دینا ایک عظیم اور شریفانہ سوچ ہے اور حق کو ثابت کرنے کا ایک لازمی وسیلہ ہے۔ اسلام کے اولین ادوار میں اس پر عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ سلطنت عثمانیہ میں اس کو ختم کر کے اس کی جگہ گواہوں سے ان کی صحت شہادت کا حلف لیا جانے لگا۔ بعض فقہاء نے بھی شہود سے حلف لینے کا ذکر کیا ہے مگر جب کہ گواہ کی گواہی میں شک پیدا ہو جائے اور اس کی توثیق و عدل میں کلام نہ ہو۔ مملکت میں تعدیل و توثیق کے اصول پر عمل اب بھی جاری ہے اور کتب فقہ اسلامی کے مطابق مزکّی۔ (توثیق کرنے والا معتمد شخص) وہ ہے جو اہل شہادت میں سے ہو اور مزید یہ کہ وہ اندرونی حالات سے واقف ہو اور گواہ کے بارے میں قدیم معلومات رکھتا ہو۔

۴- حاجب یا دربان : یہ بھی معاونین قضاۃ میں شمار ہوتے ہیں۔ حاجب وہ شخص ہے جو مقدمات سے متعلق افراد کو قاضی کے سامنے پیش ہونے کے لئے حسب ترتیب کمرہ عدالت میں داخل کرتا ہے' قاضی کو مقدمات میں مشغول پا کر لوگوں کو ان سے دور رکھتا ہے۔ بعض زمانوں میں اس پر لفظ جلواز کا بھی اطلاق کیا جاتا ہے جس کے معنی "پولیس" کے ہیں اس کی جمع "جلاوزۃ" ہے۔ اس لقب کی اصل "جلوزت" ہے اور ان کو اس وجہ سے جلواز کہا گیا کیونکہ وہ امیر کے سامنے بڑی تندھی سے کام کرتے تھے۔

دربان : (اپنے مختلف ناموں کے ساتھ) موجودہ نظام عدل میں بھی ہے اور اس کا کام فریق مقدمہ کو قاضی کے سامنے پیش کرنے اور کارروائی میں نظام کو بحال رکھنا ہے۔ قاضی کے دربان مقرر کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے' امام شافعی و احمد بن حنبل اور ایک جماعت کے نزدیک قاضی کے لئے دربان مقرر کرنا مناسب بات نہیں ہے۔ وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضرت معاذ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملات کا امیر مقرر کیا گیا پھر وہ کمزور و ضرورت مندوں سے چھپا رہتا ہے تو اللہ رب العزت بھی اس طرح اس سے روز قیامت میں حجاب فرمائیں گے۔(۱)

حضرت عمرو بن مرۃ الجہنی سے مروی ہے کہ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی امام یا والی حاجت مندوں' محتاجوں اور ناداروں کے لئے اپنے دروازے بند رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حاجت محتاجی و مسکینت کے سامنے آسمان

۱- امام احمد بن حنبل نے اس کی روایت کی ۵ - ۲۲۹ اور ۴ - ۲۳۱ اور امام ترمذی ۲ - ۳۹۵ نے علی بن الحکم کے طریق سے روایت کیا اور کہا کہ ابو الحسن نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے عمرو بن مرہ - ابو مریم سے انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ایک باب میں ابن عمر سے روایت ہے عمرو بن مرہ والی حدیث غریب ہے لیکن یہ اس کے علاوہ دوسری صورتوں میں روایت کی گئی ہے۔ ابو داود نے باب (فیما یلزم الامام من امر الرعیہ) کے تحت جلد ۳ صفحہ ۱۳۵ میں اس کی روایت کی ہے۔

کے دروازے بند کر دیتا ہے۔(۱) اور صحیح بخاری میں اسی عورت کا قصہ مذکور ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک قبر کے پاس روتے ہوئے پایا اس حدیث میں یہ مذکور ہو رہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس آئی تو اسے آپ کے دروازے پر کوئی دربان نہ پایا۔(۲)

ایک دوسرا فریق دربان مقرر کرنے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے ان کا استدلال صحیح بخاری میں مذکور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کے ازواج مطہرات کے پاس نہ جانے کی قسم کے واقعے سے ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ مہینہ بھر اپنی ازواج کے پاس نہیں جائیں گے اور انہوں نے اپنے دروازے پر اپنے غلام رباح اسود کو مقرر فرمایا تھا اور یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے داخل ہونے کی اجازت طلب کی تھی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بعض اوقات بوقت ضرورت دربان کے فرائض انجام دیتے تھے اور پھر خلفائے راشدین نے بھی دربان مقرر کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ منع کی احادیث کا جواب دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ایک سخت و مسلسل حجاب ہے جو کہ جابر و فرعون صفت انسانوں کا طرہ امتیاز ہے اور جس کا مقصد کسی کو بھی ملنے سے روکنا۔ ہے اس طرح سے احادیث کا اختلاف دور ہو جاتا ہے اور اس طرح سے دوسری رائے کے رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ یعنی مقدمات میں مطلوب افراد کی ترتیب اور حفظ نظام کی خاطر دربان کی تقرری شرعاً درست ہے۔

۵- نائب قاضی

جن معاونین کا شمار فقہ اسلامی نے کیا ہے ان میں نائب قاضی بھی شامل ہے وہ اس لئے کہ بعض اوقات قاضی بیمار پڑ جاتا ہے یا اسے سفر کرنا پڑ جاتا ہے تو ایسی حالت میں اگر اس کی ولایت عام ہے(۳) تو وہ اپنا ایک نائب مقرر کرے گا جو اس کی مدت غیر حاضری کے دوران مقدمات کی کارروائی

۱- امام احمد جلد ۴ صفحہ ۲۳۱ اور ترمذی ۴- صفحہ ۳۶۵ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے حدیث دوسرے طریقوں سے بھی مروی ہے منتقی الاخبار (۱۸۷۷) حاکم اور بزار اس کی تخریج کی ہے۔

۲- دیکھئے نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ (۲۷۹- ۲۸۰)

۳- ولایت خاص یعنی کسی خاص شخص کے تعلق سے ذمہ داری اور ولایت عام پورے ملک کی ذمہ داری

جاری رکھے گا۔ فریقین کے اقوال گواہوں کی گواہی متعلقہ زمین کا معائنہ وغیرہ سب کام انجام دے گا۔ سعودی عرب کی قدیم عدالتی تنظیم میں قاضی صاحبان کی درجہ بندی کے سلسلہ میں (نائب قاضی) کا اصطلاحا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح عدالتی ذمہ داریوں کے نظام میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ عدالتی ملازمین کی اب تنظیم جدید میں یہ ذمہ داری قضاء سے وابستہ عملے کو دی گئی ہے۔

۶ - مددگار : فقہاء کا کہنا ہے کہ قاضی کو ایسے مددگاروں کی ضرورت رہتی ہے جو مقدمات میں مطلوب افراد کو قاضی پر پیش کریں اور منصب کی عظمت کے پیش نظر قاضی کی مجلس میں کھڑے رہیں تاکہ کمرہ عدالت میں رعب و ہیبت کا منظر بنا ہو اور حق کا منکر مرعوب ہو کر سر تسلیم خم کر دے۔ فقہا احناف میں سے کاسانی (م ۵۸۷ھ) معاونین قاضی کے سامنے کھڑے ہونے کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حالات ہمارے زمانہ کے ہیں۔ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں ایسے لوگوں کی ضرورت نہ تھی کیونکہ لوگ قاضی حضرات کو بڑی عزت و تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ مگر موجودہ دور میں جب کہ اہل زمانہ بگاڑ کا شکار ہو چکا ہے لوگوں کی اقدار ہی بدل چکی ہیں۔ علم اور اہل علم بے وقعت ہو چکے ہیں تو ایسے تکلفات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ حق کو اجاگر کیا جا سکے اور مظلوم کو ظالم سے بزور انصاف لاگو کر کے حق دلایا جائے۔(۱) کاسانی کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ یہ سلوک سیاست شرعیہ کی رو سے صحیح ہے مگر ہمیں اس کی سند بھی اس طرح ملتی ہے کہ پہلے گذری حدیث کے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اس طرح کھڑے رہتے تھے جس طرح کسی امیر کے سامنے کوئی سپاہی رہتا ہے۔

فقہاء پیش کاروں کو مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً "معاونین" صاحب مجلس اور "جلواز" و "اجریاء" وغیرہ موجودہ اصطلاح میں اسے (المحضر) یا پیش کار کہا جاتا ہے جس کا کام ان سے مختلف نہیں ہے۔

۱۔ بدائع الصنائع جلد ۷ صفحہ ۱۲

موضوع چہارم

عدالتوں کے اختیارات اور استعداد کار اور ان کی سرپرستی

عدالتی تنظیموں کو الگ الگ قضاء' فریاد رسی سے خاص عدالت اور اجتماعی ادارہ میں تقسیم کیا گیا ہے جب کہ اسلامی فقہ و فقہا میں یہ تقسیم ملتی ہے اور جس کو جدید اصطلاح میں عام عدالت اور تنظیمی عدالت کا نام دیا گیا ہے۔ اس طرح کئی طرح کی عدالتیں ہیں جو اپنے دائرہ کار مکانی اختیارات اور پیش کردہ مقدمات کی مالی حیثیت اور تعداد نیز عام و خاص ہونے کے لحاظ سے اپنے دائرہ عمل اہمیت اور مقدمات کی درجہ بندی کے سبب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اسی لئے ہر عدالت کے لئے اختیار اور عدالتی دائرہ کار طے کیا گیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ولی الامر یا اس کے نائب ایک عدالتی ادارہ کو عام یا خاص مقدمات میں ایک متعین زماں و مکاں کے ساتھ عدالتی اختیار دیتا ہے جس کی بنا پر جھگڑوں کے فیصلہ کے سلسلہ میں وہ ادارہ عدالتی اختیارات استعمال کرتا ہے۔[1] مصلحت عامہ اور مصلحت خصوصی میں دائرہ کار کی حد بندی میں عام مصلحت اور فریقین کی مصلحتوں کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ سابقہ بیان کی روشنی میں دائرہ کار کی تقسیم درج ذیل ہے:۔

۱۔ ملازمانی دائرہ کار : جو مختلف عدالتی اداروں اور ان کے دائرہ کار کی حدبندی کو اس اختیار سے پہچانا جاتا ہے ملازمانی دائرہ کار عام معنی میں مخصوص نوعیت کا دائرہ کار ہے عدالتی اداروں کے درمیان مقدمات کی نوعیت کے مطابق اس پر انحصار کیا جاتا ہے پس جو دعوی انتظامی نوعیت کا ہے وہ ان ممالک میں جن میں انتظامی تنازعوں کے لئے علیحدہ عدالتی نظام قائم ہے۔ وہاں یہ دعوی انتظامی عدالت کے دائرہ کار میں آئے گا۔ مثلا ہمارے یہاں اس نوعیت کا ادارہ دیوان مظالم ہے یا جس طرح ملازمین کے جھگڑے یا رشوت و دھوکہ دہی کے معاملات کے لئے مختلف عدالتی تنظیموں کا قیام عمل

۱۔ دیکھئے قواعد المرافعات ا۔ ۳۵۳

میں لایا گیا ہے اسی طرح وہ کمیٹیاں اور یہ بورڈ ہیں جو کسی گروہ کے کسی متعین مسئلے کے لئے تشکیل دیئے جائیں گے جیسے لیبر کورٹ یا رشوت اور جعلسازی کے معاملات کی کمیٹی یہ بورڈ ہمارے یہاں نظام قضاء کا حصہ ہیں اور دوسرے نظاموں میں اس سی الگ مستقل نوعیت رکھتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ نظام کے تشکیل کے وقت ہی ایسی کیٹیوں کی تشکیل بھی کردی جاتی ہے تاکہ نظام کی مخالفت پر نظر رکھے۔ مگر اس طریق کار میں خرابی یہ ہے کہ اس طرح بہت سے مسئلے عدالتوں کے دائرے سے نکل جاتے ہیں اور عدالتوں کا دائرہ کار گھٹ کر رہ جاتا ہے اور ہر تنازعہ میں وہ اپنی کارکردگی نہیں دکھا سکتی ہیں۔ شرعاً طے شدہ اصل بات یہ ہے کہ تمام مقدمات عدالتوں کے سامنے پیش ہوں سوائے ان مقدمات کو جن کو کسی خاص سبب کے تحت کسی کمیٹی کے لئے طے کردیا جائے۔ نظام عدل کی عام پالیسی یہی ہے کہ تنازعوں میں فیصلہ کرنے کا اختیار عدالتوں کا ہے۔ سوائے ان تنازعوں کے جن کو دفعہ نمبر۲۶ میں مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ ہوا یہ کہ یہ استثناء ات بڑھتی چلی گئیں لہٰذا مناسب بات یہی ہے کہ مسئلے کے مزید پیچیدہ ہونے سے قبل اور مسئلے کے ہاتھ سے نکل جانے سے قبل اس کا تدارک کرلیا جائے اور تمام عدالتی اداروں کو ایک فریم میں لاکر عدالتی اختیار کو یکجا کیا جائے جس کے تحت تمام عدالتی ادارے آجائیں اس میں یہ گنجائش رکھی جاسکتی ہے کہ عدالتی مقدمے کا نظام اور سزا کی کارروائی کا جو لائحہ عمل آنے والا ہے اس کے لئے کچھ خصوصی نوعیت کا دائرہ چھوڑ دیا جائے یا پھر ایسی مخصوص قسم کی عدالتیں تشکیل دی جائیں جو نظام عدل و انصاف کے ماتحت ہوں جس طرح کہ نفس نظام میں اس کی صراحت ہے۔

۲۔ نوعیت کا دائرہ کار :

اس سے مراد ان عدالتوں کے اختیارات طے کرنا ہیں جو ایک عدالتی نظام کے تحت مختلف درجوں اور گروپوں میں کام کر رہی ہیں اور ان تنازعوں کو سنتی ہیں جن کے لئے نظام عدل کی طرف

سے وہ مجاز ہیں۔ اس دائرہ کار کو مالی دائرہ کار بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی تحدید مقدمہ کی مالی حیثیت کی روشنی میں ہوتی ہے۔

نظام عدل و انصاف کے طے شدہ قوانین کے مطابق عدالتوں کی تشکیل کچھ یوں ہو گی۔

الف : قضاء کی مجلس اعلیٰ

ب : عدالت تمیز (سپریم کورٹ یا عدالت عظمیٰ) (Supreme Court)

ج : عام عدالتیں

د : جزوی اختیارات کی عدالتیں (Summary Court)

نظام عدل و انصاف کی دفعہ نمبر ۵ کے مطابق ان عدالتوں میں سے ہر ایک عدالت کا دائرہ کار متعین ہے اور ہر عدالت اس دائرہ میں رہ کر سماعت کا اختیار رکھتی ہے ہم ان عدالتوں کے دائرہ کار کو الگ الگ بیان کریں گے۔

الف : قضاء کی مجلس اعلیٰ

مملکت سعودیہ میں پہلے عدالتوں کی تشکیل اول سے ہی جو نظام عدل کام کر رہا تھا جو جدید تشکیل کے بعد قدیم شمار ہوا اس میں ایک شعبہ عدالتی نگرانی کی عام باڈی کے نام سے تھا جس کو پھر ۱۳۵۷ھ میں نظام عدل و انصاف کی ذمہ داریوں کے مرکزی نظام کے بعد تبدیل کر کے "ادارہ برائے تدقیقات شرعیہ" کا نام دیا گیا جس کے سربراہ رئیس القضاۃ بنائے گئے۔ اس وقت اس کے دائرہ کار میں سماعت اپیل کا اختیار بھی تھا کہ اس وقت قضاء کی مجلس اعلیٰ بھی وہی تھا اور یہ ادارہ تمام دیوانی فوجداری تجارتی عدالتوں کی فیصلوں کی چھان بین کرتا تھا اور پرسنل لاء کے متعلق فیصلے کے خلاف اپیل کی سماعت بھی وہی کرتا تھا اور انتظامی امور کے تعلق سے قضاء کے تمام معاملات میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ اس ادارہ کا وجود مملکت کے مغربی حصے میں

تھا اور جب ایک سرکاری فرمان نمبر۱۶ار ۳ر ۱۷۵۰ مورخہ ۲۱ر ۴ھر ۱۳۸۱ ھجری کے مطابق قضاء کے دونوں ایوانوں کو متحد کر کے ایک کر دیا گیا تو (اپیل) تمییز کے دو ادارے تشکیل دیے گئے۔ ایک مغربی صوبے کے لئے جس کا مرکز مکہ المکرمہ تجویز کیا گیا اور دوسرا مملکت کے وسطی، مشرقی اور شمالی صوبوں کے لئے جن کا مرکز ریاض مقرر کیا گیا۔ پہلے ادارہ نے اپنے فرائض مورخہ ۱۴ر ۱۱ر ۱۳ ھجری سے انجام دینے شروع کئے جب کہ دوسرے نے مورخہ ۱ر ۵ر ۱۳۸۱ ھجری میں کام شروع کیا۔ مملکت کے صوبوں کے تمام محاکم سے صادر شدہ تمام احکام کی چھان بین ان دونوں اداروں کے دائرہ کار میں شمار کیا گیا ہے۔ شرعی احکام کے مطابق جو فیصلہ بھی اپیل کے دائرے میں آئے گا اس کے لئے ان ہی اداروں سے رجوع کیا جائے گا۔

رہ گئے قاضی صاحبان اور مقدمات کے متعلق وہ امور جن کے بارے میں ادارہ تمییز میں خود بھی اختلاف ہو جائے یا کبھی حاکم یہ محسوس کرتا ہے کہ کسی مقدمے میں رئیس القضاۃ سے براہ راست مشورہ کی ضرورت ہے تو ایسے تمام امور مملکت میں رئیس القضاۃ کو سونپے گئے ہیں اور وہ یہ امور اپنے مشیروں کے ذریعے نمٹائے گا۔ ان مشیروں کو قضاء کے ریاستی بورڈ کا ممبر مانا جائے گا۔

ایوان قضاء کو ۱۳۹۸ ھجری میں وزارت عدل میں تبدیل کر دیا گیا اور اس کے لئے پہلے وزیر کی تعینائی کے بعد نمبر ۲۱۲۴۴ مورخہ ۱۸ر ۱۱ر ۱۳۹۰ ھجری کے تحت ایک شاہی فرمان کے ذریعے ادارہ عدالت عالیہ کی تشکیل دی گئی جس کا کام مذکورہ جگہوں میں رئیس قضاۃ کے عدالتی اختیارات کو استعمال کرنا تھا۔ یہ ادارہ ایک سربراہ اور چار مستقل ممبران پر مشتمل تھا۔ یہ ادارہ ان مقدمات کے بارے میں اپنی تجاویز دیتا ہے جو تمییز کے دونوں اداروں میں سے کسی کی طرف سے کسی عدالت کے فیصلے کی تصدیق کی بابت ہوتے ہیں یہ ادارہ اس تصدیق کی تائید کے اسباب پاتا ہے یا پھر یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ توثیق شرعی قواعد کے اصول کے دوش بدوش نہیں چلتی ہے تو اس پر اپنی رائے دیتا ہے یا اس کو کالعدم کرتا ہے اس طرح یہ ادارہ مملکت میں سپریم کورٹ کا مقام رکھتا ہے۔

پھر مورخہ ۱۴ر ۷ر ۱۳۹۵ ہجری میں نظام القضاء صادر ہوا۔ جس میں عدالتوں کو ترتیب وار ان کے ناموں کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ اس کا ذکر ہم آغاز گفتگو میں کر آئے ہیں۔ اس کے مطابق عدالت کی مجلس کا ذکر آیا ہے اور جس نے اپنی مستقل تشکیل کے ساتھ ادارہ برائے عدالت عالیہ کی جگہ لے لی۔ سرکاری اعلان نمبر م ر ۴ مورخہ ار ۳ر ۱۴۰۱ ہجری کی دفعہ ۲ کے مطابق اس کے ۱۱ ممبر ہوں گے جن کی تقسیم اس طرح سے ہوگی:۔

الف : پانچ کل وقتی ممبران جن کا درجہ محکمہ تمیز کے سربراہ کے برابر ہوگا اور جن کا تقرر شاہی فرمان سے ہوگا یہ اس ادارہ کے مستقل ممبر ہوں گے اور انہی میں سے ایک شاہی فرمان کے ذریعے ان کا سربراہ مقرر کیا جائے گا۔

ب ۔ پانچ جز وقتی ممبران کی تقرری جن میں محکمہ تمیز (عدالت عظمی) کا سربراہ یا اس کا نائب سیکرٹری برائے وزارت عدل اور مکہ المکرمہ' مدینہ المنورہ' ریاض 'جدہ' دمام اور جیزان کی عام عدالتوں کے تین سب سے سینئر سربراہان ہوں گے اور مذکورہ ممبران کے ساتھ عام مجلس کا بورڈ بھی ہوگا جو عدل کی مجلس اعلیٰ کے سربراہ کے ماتحت ہوگا۔

عدل کی مجلس اعلیٰ نظام قضاء میں واضح کردہ حدود میں رہ کر عدالتوں کی نگرانی کرے گی مزید براں جو نظام نے اس کو اختیارات دیئے ہیں وہ استعمال کرے گی ان اختیارات کا تعین قاضی صاحبان کی تقرری ان کی ریٹائرمنٹ اور تادیب سے ہے۔ نیز یہ امور بھی مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ ان شرعی مسائل میں غور کرنا جن کے تعلق سے وزیر عدل عام اصولوں کی تشکیل کے لئے کہیں۔

۲۔ ان مسائل پر غور کرنا جن پر حکم وقت مجلس سے رائے طلب کرے۔

۳۔ وزیر عدل کے حکم کی بنا پر عدالتی امور سے متعلق مسائل پر اظہار رائے کرنا۔

۴۔ قتل' قطع ید اور سنگساری کے صادر شدہ احکام پر نظر ثانی کرنا' عدل کی مجلس اعلیٰ کی مستقل باڈی کل وقتی ممبران اور سربارہ مجلس اور اس کے نائب سے تشکیل دی جائے گی۔ اجلاس کی صدارت

التنظيم القضائي م(۱۳)

سربراہ یا اس کا نائب سربراہی کرے گا۔ ان کی غیر موجودگی میں سب سے سینئر ممبر کی سربراہی میں باڈی اپنے اجلاس کرے گی۔ دفعہ ۸ کی شق ۲ '۳ '۴ میں مذکورہ مسائل میں باڈی دیکھے گی۔ سوائے اس کے کہ وزیر عدل کسی مسئلے میں یہ طے کرے کہ وہ جنرل باڈی کے سامنے ہی پیش ہو گا۔ مجلس کی جنرل باڈی اپنے تمام ممبران سے تشکیل پائے گی ان کا سربراہ مجلس اعلیٰ برائے عدالت کا رئیس ہو گا۔ ممبران کی اکثریت کی موجودگی میں مستقل باڈی کا اجلاس منعقد ہو سکے گا۔ لیکن قتل' قطع ید' و سنگساری جیسے احکام کی نظر ثانی کے لئے تمام کل وقتی ممبران کی موجودگی ضروری امر ہے۔ اگر ان سے کوئی ممبر غیر حاضر ہوتا ہے تو اسکی جگہ وزیر عدل جز وقتی ممبران میں سے کسی کا انتخاب کرے گا۔ رہا معاملہ جنرل باڈی کے اجلاس کا تو یہ بھی اس وقت تک صحیح نہ ہو گا جب تک تمام ممبران شریک نہ ہوں۔ ایک ممبر کی غیر حاضری کی صورت میں یا مجلس کے ایسے مسئلے میں غور کرنے کی وجہ سے جو خود اس ممبر سے متعلق ہو تو اسی صورت میں وزیر عدل محکمہ تمیز سے کسی ممبر کا انتخاب کرے گا۔ مجلس کی قرارداد جنرل باڈی کے انعقاد کی دونوں حالتوں میں ممبران کی مطلق اکثریت سے پاس ہو گی۔ (۱)

ب۔ محکمہ تمیز یا عدالت عظمی SupremeCourt

پہلے ہم اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ مملکت میں عدالتی تنظیم کی تشکیل اول مورخہ ۴ صفر ۶ ۴ ھ بمطابق اگست ۷ ۱۹۲ء میں ایک کمیشن بھی تشکیل دیا گیا تھا جسے کمیشن برائے نگرانی عدالت کا نام دیا گیا تھا۔ پھر مورخہ ۷ ۵ ۱۳ ہجری میں جب عدالتی واجبات و فرائض کے نظام کو لاگو کیا گیا تو اس کا نام تبدیل ہو کر شرعی تحقیقاتی کمیشن بن گیا' اس کے فرائض میں ان فیصلوں اور احکام کی تمیز کرنا تھا۔ جس سے محکوم علیہ مطمئن نہ ہوا ہو۔ اسی طرح حدود قصاص 'قتل' قطع ید اور رجم کے احکام میں نظر ثانی کرنا تھا۔ کیونکہ یہ ایسے احکام ہیں جن کی تمیز کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ خصوصا

۱۔ دیکھئے قواعد المرافعات۔ المصدر السابق ۱۔ ۱۱۱

جب کہ اس پر اعتراض ہو۔ شہری تجارتی' فوجداری اور شخصی احوال میں اکثر نظر ثانی اعتراض کے بعد ہوتی ہے ۔ اس طرح مملکت سعودیہ کا نظام عدل و انصاف اپنے طریقہ تمیز میں مصری نظام عدل پر سبقت رکھتا ہے۔ خصوصاً شہری و تجارتی احکام میں کیونکہ مصری نظام عدل ۱۹۳۱ء میں اس نظام سے متعارف ہوا جب قاہرہ میں محکمہ تمیز (Appeal Court) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ (۱)

اب اسی ادارہ کو جدید سعودی نظام عدل میں محکمہ تمیز کا نام دیا گیا ہے۔(۲) اس کا صدر دفتر شہر ریاض میں قائم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سعودی قانون ۱۳۹۵ھ میں طے کیا گیا اور اس کو دو اداروں کی جگہ ایک ادارہ بنا دیا گیا۔ جیسا کہ پہلے اشارہ گذر چکا ہے ۔ اس وقت دونوں ادارے ادارہ تمیز کہلاتے تھے' ان میں سے ایک مکہ المکرمہ اور دوسرا ریاض میں قائم تھا' تاہم اس کا ڈھانچہ انہیں پہلی والی حالت پر قائم رہا' محکمہ تمیز کی تشکیل کے تعلق سے نظام عدل و انصاف نے یہ قانون مقرر کیا ہے کہ اس کی تشکیل ایک سربراہ اور متعدد قاضی صاحبان سے ہو گی جن کا انتخاب حسب ضرورت اور سنیارٹی (Seniority) کی بنیاد پر کیا جائے گا۔ یہ نائبین رئیس (Deputy chirman) کہلائیں گے اور اس میں ایک محکمہ فوجداری کا ہو گا اور دوسرا شخصی احوال کا (Personal Law) اور تیسرا عدم مقدمات کا ہو گا۔ بقدر ضرورت ان محکموں کی تعداد کم یا زیادہ کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ہر ادارہ اپنے فرائض اپنے سربراہ یا اس کے نائب کے ماتحت انجام دے گا۔ محکمہ تمیز کا صدر دفتر ریاض میں ہو گا۔ اس کی جنرل باڈی کی قرارداد کے مطابق محکمہ کے بعض ادارے اپنی پوری سماعت یا جزئی سماعت دوسرے شہروں میں بھی کر سکتے ہیں اور جب مصلحت تقاضہ کرے تو دوسرے

۱۔ دیکھئے (آرٹیکل برائے نظام عدل ۷ ۔ ۸ ۔ ۹ اور سرکاری اعلان ۴ ۔ ۴ مورخہ ۱ ۔ ۳ ۔ ۱۴۰۱ھ نظام عدل کا ترمیم شدہ آرٹیکل نمبر ۹ اور دیکھئے رئیس القضاء کی استعداد کار اور عدالتی ذمہ داریوں کے نفاذ کا نظام برائے ادارہ ایوان القضاۃ آرٹیکل ۲ ۔ ۳۶

۲۔ یہی وہ نام ہے جسے عراقی نظام عدل میں بھی یہی نام دیا گیا ہے۔

شہروں میں اس کی شاخیں بھی کھولی جا سکتی ہیں۔ قتل' رجم اور قطع کے مقدمات کے علاوہ کہ جن کا فیصلہ پانچ قاضی صاحبان مل کر کرتے ہیں' محکمہ تمییز کے باقی فیصلے تین قاضی صاحبان انجام دیں گے۔

یہ سب کچھ اتنا واضح ہے کہ کسی مزید تشریح کی اور ضرورت نہیں ہے۔ ممبران کی تعداد میں حکمت یہ ہے کہ مجرم کو انصاف کی مکمل گارنٹی مل جائے خصوصاً فوجداری مقدمات میں خوب اطمینان کر لیا جائے کہ جو فیصلہ ہوا وہ ہر لحاظ سے منصفانہ ہے۔ اسی طرح محکموں کی تعداد میں تنظیمی پہلو سامنے رکھا گیا ہے اور قاضیوں کی تعداد میں جو اہتمام ہے اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اعلیٰ عدالتوں سے منسلک قاضی صاحبان کی تعداد ان سے نیچے والی عدالتوں کے قاضیوں کی تعداد سے زیادہ ہونی چاہئے۔ عدل و انصاف کا طے شدہ قاعدہ ہے کہ عدالت عامہ اور فوجداری مقدمات کی عدالتیں اپنے مقدمات ایک قاضی کے فیصلہ کے ذریعے دیں گی جب کہ قتل رجم اور قطع کے فیصلوں میں تین قاضی صاحبان شریک ہوں گے۔ اب ان کی نظر ثانی لازماً ان سے زیادہ کی تعداد سے ہونی چاہئے۔

اجلاس کاملہ یا اجتماعی دفاتر برائے محکمہ تمییز (Full Bench) [1]

قدیم عدالتی تنظیم نے محاکم کبری (ہائی کورٹس) میں جنرل باڈی کے طریقہ کار کو اپنایا تھا جس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے اور یہ وہ معاملات ہیں جن کے متعلق مذہب کی کتابوں میں کوئی نص نہیں ملتی ہے۔ اجتہاد ہی سے اس کو طے کیا جا سکتا ہے۔ اور ایسی حالت میں ممبران محکمہ کا اتفاق ضروری ہے چونکہ محکمہ تمییز ایک واحد ادارہ ہے جو قابل تمییز مقدمات میں غور و فکر کرتا ہے لہٰذا اجلاس کاملہ (Full Bench) کے نظام کو یہاں نہ اپنایا گیا تھا اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی' مگر جب محکمہ تمییز میں دفاتر بڑھ گئے اور اندیشہ ہوا کہ ان کی کثرت سے فیصلے بھی متضاد نہ ہونے لگیں۔ پھر عمومی مصلحت بھی اسی بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ محکمہ کے کسی بھی دفاتر سے اگر کوئی ایسی تجویز جو پچھلے اصول و ضوابط سے ہٹ کر ہو تو اسے کیسے قبول کیا جائے۔ چنانچہ ترمیم کے ساتھ نظام عدل نے

ا۔ یہ اجلاس تین یا تین سے زائد یا عدالت کے تمام ججوں پر مشتمل ہوتا ہے

مجلس کی تشکیل کی اور ممبروں کے اجلاس کے طریقہ کار کی تعین کے ساتھ محکمہ تمییز کے لئے اجلاس کاملہ (Full Bench) کا قانون بنایا گیا جس کے مطابق مطلوبہ غرض کے لئے تمام قاضی صاحبان کی شرکت ضروری ہوگی' کسی اصول کے ترک کرنے کی اجازت کے سلسلہ میں یہ واضح کیا گیا کہ وہ ممبران کی اکثریت سے ہوگا اور اکثریت دو تہائی سے کم نہ ہوگی۔ اگر مذکورہ طور پر قرار داد صادر نہیں ہو سکی تو یہ معاملہ قضاء کی مجلس اعلیٰ کے سپرد کر دیا جائے گا تاکہ وہ اس بارے میں اپنی قرارداد نظام عدل کے آرٹیکل نمبر۸ پیراگراف نمبر۱ کے مطابق صادر کر سکے۔

ہم نظام برائے اجلاس کاملہ (Full Bench) یا محکمہ تمییز یعنی عدالت عظمی کے دفاتر کے اجلاس کے بارے میں مندرجہ ذیل نتائج کو خلاصہ کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔

۱۔ مقدمہ کو عدالت کے اجلاس کاملہ (Full Bench) کے سپرد کرنے کا کام وہ محکمہ کرے گا جو ایسے مسائل کو دیکھنے کا کام کرتا ہے اور اگر وہ دیکھے کہ کسی مسئلے میں سابقہ اصول کا انطباق نہیں ہوتا ہے اور وہ مسئلہ جنرل باڈی کے سامنے پیش کرنے کا نہیں ہے تو مدعی اس کا مطالبہ نہ کر سکے گا۔ چاہے انہوں نے فیصلے پر اعتراض پیش کر دیا ہو یا فیصلے میں اپنائے گئے اصول پر اعتراض پیش کیا ہو۔

۲۔ مقدمہ کی سپردگی عدالتی محکمہ کے دفتر کو کسی بھی وقت کی جا سکتی ہے چاہے مقدمہ کسی بھی حالت میں ہو یعنی چاہے ابتدائی منزل میں ہو یا اس پر نوٹ لگایا جا چکا ہو۔ بہر حال جب تک اس میں فیصلہ نہ کر لیا جائے اس کو جنرل باڈی کی طرف تحویل کرنے کی اجازت ہے۔

۳۔ عدالت کی اجلاس کاملہ (Full Bench) کی طرف مقدمہ کی تحویل کے متعلق عدالتی اختیار کے ادارہ کا فیصلہ ہوتی ہے اس کا کسی بھی طرح یہ مطلب نہیں کہ لازما ثابت شدہ اصول سے ہٹ کر فیصلہ کیا جائے گا اور اس سے کوئی بھی فریق فائدہ اٹھا سکے گا۔ چاہے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں لہٰذا اس بنا پر اگر اجلاس کاملہ (Full bench) یہ دیکھتا ہے کہ اگر اس اصول سے ہٹ کر فیصلہ کرنے میں کوئی مصلحت نہیں تو پھر وہ سابقہ قانون کو برقرار رکھے گا۔

۴ ۔ نظام عدل و انصاف کے مطابق مقدمہ تحویل کرنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ایک یا دو فیصلے اس متعین اصول کو طے کرتے ہیں جس سے یہ محکمے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ بلکہ نص کے مطابق ایک متعین اجتہاد کی موافقت میں بہت سے احکام صادر ہونے چاہئیں۔ چاہے یہ احکام ایک ساتھ ہوں یا ایک کے بعد ایک' چاہے اس پر وہ عرصہ بھی نہ گذرا ہو کہ جس کی وجہ سے کہا جائے کہ اس عدالت میں ایک اصول معین استقرار پا چکا ہے۔

۵ ۔ اجلاس کاملہ (Full Bench) سے صادر شدہ احکام کی صحت کے لئے حاضر ممبران کی اکثریت کافی ہے۔ جب آراء مساوی ہو جائیں تو اس طرف کو ترجیح دی جائے گی ۔ جس طرف سربراہ عدالت ہو گا اور وزیر عدل کی موافقت کے بعد یہ قرار داد حتمی تصور کی جائے گی۔ وزیر عدل کی عدم موافقت کی صورت میں یہ قرارداد اجلاس کاملہ (Full Bench) کی طرف لوٹا دی جائے گی تاکہ دوسری مرتبہ اس کا جائزہ لیا جا سکے اگر پھر بھی ایسی قرار داد نہ طے کی جا سکی جس پر موافقت حاصل ہو سکے تو اسے ایک آخری و حتمی فیصلہ کے لئے قضاء کی مجلس اعلیٰ پر پیش کر دیا جائے گا۔ (۱)

محکمہ تمیز (عدالت عظمی) کا دائرہ اختیار

تمیز کی ہدایات کے مطابق جن کا اجراء ایک رفیع القدر اعلان سے بذریعہ نمبر ۲۴۸۲۶ مورخہ ۲۹ شوال ۱۳۸۶ھ میں ہوا۔ جس کو عدالتی انتظامی تعلیمات کے بارے میں جاری رفیع القدر حکم نامے نمبر ۲۰۳۲۰ مورخہ ۲۹ شوال ۱۳۸۱ ہجری سے یہ لاگو ہوا اور اس کے مطابق محکمہ تمیز کو وہ تمام عدالتی احکام جو قاضی صاحبان کی طرف سے صادر ہوتے ہیں ان کی تحقیق و چھان پھٹک کے اختیارات دیے گئے ہیں۔

۱۔ نظام القضاء کے آرٹیکل نمبر ۱۹ اور ۲۰ اور دیکھئے تعلیمات التمیز کے آرٹیکل نمبر ۲۱

وہ احکام جو تمیز سے مستثنیٰ قرار دیئے جا چکے ہیں یا وہ احکام جن میں تمیز کے لئے جرح جائز نہیں ہے

اصل قاعدے کے مطابق جو بھی احکام عدالتوں سے صادر ہوتے ہیں وہ تمام کے تمام دائرہ تمیز میں آتے ہیں مگر نظام عدل نے بعض حالتوں کو محکمہ تمیز (عدالت عظمیٰ) کے دائرے سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اس طرح ایسے معاملے بغیر نظر ثانی کے قطعی شمار ہوں گے اور جرح سے بالاتر ہوں گے یہ استثناء ایسے معاملات میں ضروری ہے جو فوری اور معمولی نوعیت کے ہوں اور ضرورت ہو کے مقدمہ میں ملوث فریق کو پریشانی سے بچایا جائے اور اس طرح جن مسائل میں ایک ہی عدالت کا فیصلہ کافی ہو اسے مزید دوسری عدالتوں پر پیش کر کے وقت ضائع کرنے سے بچا جائے۔ جو احکام تمیز سے مستثنیٰ میں وہ آرٹیکل نمبر ۴ کے مطابق یہ ہیں:۔

الف۔ ہر وہ حکم جس کی تمیز رئاسہ القضاۃ پہلے ہی کر چکی ہو یا کر رہی ہو۔

ب۔ ہر وہ حکم جو محکوم علیہ کے سامنے کیا گیا تھا اور پھر اس پر پندرہ روز گذر گئے ہوں لیکن اس دوران مدت قاضی (جج) کو کوئی اعتراض نہ پیش کیا گیا ہو۔

ج۔ ہر وہ حکم جس پر محکوم علیہ راضی ہو چکا ہو۔

د۔ وہ احکام جو مورخہ ۱/ ۴/ ۱۳۸۱ ہجری سے قبل صادر کئے جا چکے ہوں کیونکہ وہ ادارہ تمیز کے قیام سے قبل کے ہیں۔

ھ۔ جو فیصلہ پانچ سو "ریال" یا اس کے مساوی نقد یا اس کے بقدر منقولہ اشیاء سے زیادہ کا نہ ہو۔

و۔ حکم تعزیر سے متعلق ہو اور چالیس کوڑوں یا دس روز کی قید سے زائد کا نہ ہو۔

ز۔ وہ مقدمات جو بطریق صلح و رضا آپس میں طے کر لئے گئے ہوں ان تمام احکام میں تمیز سے منع کرنے میں مصلحت عامہ کی رعایت کی گئی ہے۔ اس لئے خصوم کے لئے طلب تمیز جائز نہیں اگرچہ

دونوں فریق اس پر اتفاق ہی کیوں نہ کرلیں بلکہ محکمہ کا یہ حق ہے کہ وہ قبول اعتراض یا طلب تمییز کو نظام عام سے متعلق ہونے کی بنا پر اپنی مرضی سے ختم کرنے کا فیصلہ دے۔ تاہم نظام عدل نے یہ سہولت رکھی ہے کہ رئیس قضاۃ (موجودہ وزیر عدل) استثنائی حالت میں جس حکم کا چاہے اس کی تمییز کا حکم صادر کر سکتا ہے۔ (آرٹیکل نمبر ۴ ہدایات)

تمییز احکام کے حالات

اگر محکوم علیہ کسی وقف کا نگراں ہے اور مقدمہ کا جو فیصلہ ہوا ہے وہ اصلاً وقف کے منافع کے خلاف ہوا ہو۔ چاہے وہ شخص حقیقی معنوں میں وصی ہو یا ولی ہو ان دونوں صورتوں میں متضرر اہلیت سے خالی ہے کہ یا تو وہ افسر بیت المال ہے یا اس طرح کا کوئی اور نمائندہ کہ جس کی رضامندی کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یا پھر محکوم علیہ فیصلہ کے وقت غیر حاضر تھا تو ایسی حالت میں محکمہ کا فرض ہے کہ وہ اس حکم کو اس کی تحقیق و تمحیص کے لئے محکمہ تمییز کی طرف تحویل کردے چاہے موضوع حکم کیسا ہی ہو۔ کیونکہ غیر حاضری کی وجہ سے وہ اپنے نفس کے دفاع سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔

اسی طرح رجم، قتل، قطع اور چوری کے مقدمات میں صادر شدہ فیصلوں کے بارے میں معمولی یہ ہے کہ ان کو بھی تمییز کے لئے بھیجا جائے۔ نظام قضاء نے قضاء کی مجلس اعلیٰ کی مستقل باڈی کو اس پر نظر ثانی کا اختیار دے رکھا ہے۔

وہ تعزیری احکام جو چالیس کوڑوں یا دس روزہ قید سے زائد کے ہوں۔

وہ تعزیری احکام جن میں کوڑوں اور قید کی سزائیں دونوں ایک ساتھ ہوں وہ محکوم علیہ کے اعتراض کی صورت میں قابل تمییز ہوں گے چاہے یہ دونوں سزائیں سابقہ فقرہ میں مقررہ نصاب سے کم ہوں یا ان میں سے ایک کا نصاب اس سے کم ہی کیوں نہ ہو۔

غیر منقولہ جائیداد میں تمییز کی جائے گی چاہے اس کی قیمت پانچ سو ریال سے کم ہی کیوں نہ ہو۔

یہ وہ تمام احکام ہیں جو قابل تمیز ہیں ان کا تمیز سے قبل فیصلہ موثر نہ سمجھا جائے گا اور یہ صحیح نہ ہو گا کہ ان کو تمیز پر پیش کرنے سے قبل نافذ کر دیا جائے اور جب دستاویز کی تمیز سے تصدیق ہو جائے تو اس کی قرار داد صادر کی جائے گی بشرطیکہ اس پر اعتراض نہ کیا گیا ہو اور قانونی طریقہ کار کے مطابق مہلت کی مدت میں درخواست نہ دیدی گئی ہو۔

احکام کا صادر کرنا اور کسی قاضی کے فیصلے میں شرکت سے ممانعت

مقدمہ میں غور و فکر اور اجزائے حکم کے وقت عدالت کے قاضی صاحبان کا اپنی پوری تعداد کے ساتھ شریک ہونا ضروری ہے۔ اگر عدد مطلوبہ حاصل نہیں ہو تو پھر باہر سے کسی کو مقرر کیا جائے گا تا کہ کورٹ مکمل ہو جائے۔ اور بالاجماع یا اکثریت کے ساتھ احکام صادر کئے جائیں گے۔ مخالف رائے رکھنے والے قاضی کو اپنی مخالفت کے اسباب واضح کرتے ہوں گے پھر اکثریت (نظام عدل کے آرٹیکل نمبر ۳۴ کے مطابق) کارروائی کے رجسٹر میں مخالف کے اعتراض کا جواب نوٹ کرائیں گی۔

نظام عدل کے آرٹیکل نمبر ۳۳ میں تمیز احکام کی ہدایات کے مطابق اس رئیس یا ممبران کی شرکت ممنوع قرار دی گئی ہے جن کے متعلق پیش کئے فیصلے میں چھان بین کی جاتی ہے یا ان کی شہادت اس معاملے میں قبول نہ کی جائے گی تو وہ قاضی چھان بین میں حصہ لے گا کہ نہ ہی سماعت میں شریک ہو گا اور نہ ہی اسے اس بارے میں کوئی خبر دی جائے گی۔ حکم اگر رئیس یا کسی ممبر سے متعلق ہو یا اس کی طرف سے صادر ہوا ہو تو ایسی حالت میں کوئی ممبر ادارہ جلسہ میں اس کی قائم مقامی کرتے ہوئے سربراہی کرے گا۔ اسی طرح نظام عدل کی ذمہ داریوں کے قانون کے آرٹیکل نمبر (۳۱) میں یہ طے کیا گیا ہے کہ اگر کسی فیصلے میں ادارہ کا ممبر نشانہ تدقیق ہے یا اس کے کسی قریبی یا دور کے رشتہ دار یا بیوی پر بحث ہوتی ہے۔ یا حکم ایسی نوعیت کا ہے جو اس کے نفع کا باعث بن سکتا ہے جیسے وقف

میں حق پانا وغیرہ وغیرہ تو ایسی صورت میں نہ تو وہ مقدمہ کی تحقیق و تمحیص میں حصہ لے گا اور نہ ہی نشست میں حاضر ہو گا اور نہ ہی اسے فیصلہ سے آگاہ کیا جائے گا۔

تمییز کی طرف سے صادر قرارداد کی حدود

شرعی اداروں میں انتظامی اعمال کی تنظیم کے آرٹیکل نمبر ۴۹ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ ہر وہ حکم جس کی تمییز مقررہ اصول و ضوابط کے مطابق کی گئی ہو اور فیصلے کو کالعدم کیا گیا ہو تو اس فسخ یا جرح سے پورا مقدمہ متاثر ہو گا۔ از سرنو سماعت صرف اس حصے کی ہو گی جو فسخ یا جرح کا سبب تھا۔ سوائے اس کے کہ تمییز کے فیصلے سے مقدمہ کی اصل بنیاد ہی متاثر ہوئی ہو تو اس صورت میں پورے مقدمہ کی مکمل سماعت کی جائے گی سوائے اس کے اس میں کوئی رکاوٹ حائل ہو۔

عمومی عدالتوں کا دائرہ عمل

نظام عدل نے عمومی عدالتوں کی تشکیل کا جو نظام مقرر کیا ہے اس کے مطابق ہر محکمے میں ایک یا ایک سے زائد قاضی ہو گا۔ اسکی تشکیل اور مرکز کے تعین اور اس کا دائرہ عمل کی حد بندی مجلس اعلیٰ برائے قضاء کی تجویز کی بنا پر وزیر عدل کے فیصلے سے ہو گی یہ محکمے شریعت اسلامیہ کے مطابق تمام مقدمات و معاملات میں غور و فکر کا اختیار کا استعمال کریں گے۔

"خادم حرمین شریفین" یا ان کے نائب کی طرف سے جو بھی احکامات صادر ہوئے ہیں اور جو سرسری سماعت کی عدالتوں، کاتب عدل کے حدود سے باہر ہیں اور اسی طرح جہاں جزئی عدالتیں نہیں ہیں وہاں کے تمام امور عدالت انہی عام عدالتوں کو سونپے گئے ہیں اس طرح عمومی عدالت کا قاضی اپنی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ان تمام اعمال کو بھی سرانجام دے گا جیسے قتل، رجم اور قطع وغیرہ کے مقدمات جن کی حد بندی نظام عدل نے کر دی ہے ان کے فیصلے تین قاضی صاحبان کے اشتراک سے

صادر ہوں گے۔ باقی مقدمات میں تمام احکام عمومی عدالت کے ایک قاضی کو صادر کرنے کی اجازت ہے۔ (۱)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مملکت سعودیہ کے عدالتی نظام میں عمومی عدالت کا وہی مقام ہے جو عصری عدالتی تنظیم کی اصطلاح میں عدالت برائے فوجداری مقدمات سول (Civil) کورٹ اور عدالت برائے احوال شخصی (Personal Law) کو دیا جاتا ہے۔

سرسری کورٹ کا دائرہ عمل

سرسری کورٹ (Summary Court) کے لئے نظام عدل کے قانون میں ایک یا ایک سے زائد قاضی صاحبان کی تقرری کی بات کہی گئی ہے۔ اس کی تشکیل، مرکز کا تعین اور دائرہ عمل کی حدبندی مجلس عدالت عالیہ کے مشورہ کی بناپر وزیر عدل کی قرارداد سے طے ہوگی۔

سرسری کورٹ (Summary Court) کو ان تمام مالی مقدمات میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جن کی مالیت آٹھ ہزار ریال سے زائد نہ ہو۔ اس کے علاوہ وہ دوسرے مقدمات ہیں جن کا تعلق امور زوجیت، نان و نفقہ، غیر منقولہ جائیداد اور ان فوجداری مقدمات سے ہو جن کے تاوان کی رقم دیت کی (۲۰٪) کی مقدار سے تجاوز کرتی ہو۔ (۲)

اور دوسرے مقدمات مثلاً بدعوانی و خلاف ورزی کے مقدمہ تعزیراتی مقدمہ اور حدود کے وہ مقدمے جن میں قطع کی سزا نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہر وہ مقدمات جن میں قانونی طور سے صادر حکم اور ہدایات پر غور و فکر کرنے کا اختیار ان محاکم کو دیا ہے جن کو محاکم عامہ کے دائرہ عمل سے باہر رکھا

۱۔ دیکھئے نظام عدل کا آرٹیکل نمبر ۲۲۔ ۲۳ اور نمبر ۱۰۹ مؤرخہ ۲۴۔۱۔ ۷۲ ۱۳ء سے صادر شدہ مسئولیات القضاء آرٹیکل نمبر ۵۲۔ ۸۵

۲۔ دیکھئے نظام عدل کے دونوں آرٹیکل نمبر ۲۴۔۲۵ اور ترکیز مسئولیات اقضاء نمبر ۱۴ از ۳۸۴ مؤرخہ ۶۔۱۔۱۳۹۲ھ

گیا ہے۔ اس طرح یہ سب مقدمات اس عدالت کے دائرہ عمل میں ہیں اس عدالت کے فیصلے ایک قاضی کی طرف سے صادر کئے جائیں گے۔(۱)

خصوصی عدالتیں

نظام عدل برائے ۱۳۹۵ ہجری کے قانون میں عدالت کی مجلس اعلیٰ کے مشورہ سے جاری سرکاری اعلامیہ کے ذریعے خصوصی عدالتوں کے قیام کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس سے قبل بھی عدالتی نظام میں دو خصوصی عدالتیں یہاں کام کرتی تھیں۔ اور ان میں سے ایک (محکمہ احداث کی عدالت جو جینئل کورٹ) (کم سن بچوں سے متعلق عدالت) اور دوسری ضمان و نکاح سے متعلق امور کی عدالت تھی۔ ان کا مختصر تعارف اس طرح سے ہے۔

کم سن بچوں کی عدالت (جو ینیل کورٹ Juvenile Court)
کم سن بچوں کے مقدمات سننے کے لئے مخصوص عدالت

کم سن بچوں کے مقدمات سننے کے لئے مخصوص عدالت سن ۱۳۸۹ ہجری میں قائم کی گئی تھی۔ اس وقت کی رئاستہ قضاء کے ایک سرکلر نمبر ۶/۴۰/ت مورخہ ۲۹/۴/۱۳۸۹ ہجری کو صادر ہوا تھا اس مذکورہ سرکلر میں جو ینیل کورٹ میں کارروائی کس طرح چلائی جائے گی اس کو بھی واضح کیا گیا تھا۔

۱۔ مقدمہ کی سماعت مخصوص نوعیت کی ہو گی اس میں زیر سماعت نوجوان اگر نابالغ ہے تو قاضی جسے چاہے اس کے سرپرستوں میں سے اجلاس میں آنے کی اجازت دے گا۔ اس میں رجسٹرار گواہان اور تحقیقاتی افسر اور مختار عام کو حاضر ہونے کی اجازت ہو گی۔ مختار عام کے بجائے مدعی عام (استغاثہ) ہی

۱۔ دیکھئے نظام عدل کے آرٹیکل نمبر ۲۴-۲۵ اور ترکیز مسئولیات القضاء کے آرٹیکل نمبر ۱۴-۱-۳۹۴ مورخہ ۶-۱-۱۳۹۷ھ

کافی ہو گا۔

۲۔ حسب امکان مقدمہ کو جلد نپٹانے کا اہتمام کرنا۔

۳۔ نوجوان سے جواب طلبی میں نرمی برتنا اور ایسا طرز عمل اختیار کرنا جو اس میں اطمینان و سکون بحال کر سکے اور اس کو یوں محسوس کرائے کہ گویا عدالت کا مقصد اس کی اصلاح و بہتری ہے۔

۴۔ قاضی کو چاہئے کہ اپنے سامنے نوجوان کو پیش کرنے سے قبل مقدمہ کے کاغذات کا مطالعہ کرے تاکہ تمام معلومات سے باخبر ہو جائے۔

۵۔ اگر قاضی اس کے قید کا حکم سنائے تو اس بات کا خیال رکھے کہ قید اس کی عمر سے مناسبت رکھتی ہو اور ایسے لوگوں کے درمیان اس کو قید نہ کیا جائے جن کی صحبت اسے بگاڑ دے ۔ اگر فیصلہ تعزیراً مار لگانے کا ہو تو اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جب تک مصلحت تقاضہ نہ کرتی ہو اعلانیہ سزا نہ دی جائے۔

۶۔ نوجوانوں کے امور کے بارے میں صادر شدہ احکام خاص ہدایات نامے کے مطابق لائق تمیز ہیں۔ ۱۳۹۳ ہجری میں امور نوجوانان کے بارے میں وزارت عدل کی موافقت سے ایک قاضی مقرر کیا گیا۔ جو وزارت محنت اور سماجی معاملات کی نگرانی میں ریاض میں کام کرنے والے نگرانی کے مرکز میں اپنے فرائض کی بجا آوری کرے گا اور پھر سن ۱۳۹۴ ہجری میں نوجوانوں کے امور سے متعلق ریاض میں ایک علیحدہ و خصوصی عدالت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مملکت کے بڑے شہروں جیسے مکہ' جدہ' دمام وغیرہ میں نوجوانوں کے مقدمات سننے کے لئے وہاں کی عدالتوں سے ایک قاضی کو قائم مقام بنایا جاتا ہے جب کہ باقی دوسرے شہروں میں نوجوانوں کے حقوق کے متعلق قاضی عدالت اصول و ہدایات کے موافق فیصلہ کرتا ہے امور نوجوانان کے متعلق اس خصوصی سلوک سے نوجوانوں کی نفسیات کا خیال رکھنا مقصود ہے۔ عدالت ان کے معاملے میں یہ چاہتی ہے کہ ان کی اصلاح ہو اور صحیح رہنمائی کا سامان بہم پہنچائے۔ یہ اسی صورت میں ہو گا کہ جب اس کی نفسیات کا لحاظ رکھا جائے

اور جرم پر آمادگی کے اسباب معلوم ہو جائیں پھر اس کے بعد مناسب سزا طے کی جائے اور اس کے حق میں صادر سزا پر عمل درآمد میں بھی حکمت سے کام لیا جائے۔

جونیل کورٹ (Juvenile Court) کے اختیارات کی حدود

کم سن بچوں کی عدالت ان نوجوانوں کے معاملات پر غور کریں گی جن کی عمر سات سال کی ہو چکی ہو اور اٹھارہ سال پورے نہ ہوئے ہوں وہ کسی خلاف ورزی کی بنا پر تعزیرات یا شرعی حدود جن میں قتل رجم اور قطع شامل نہ ہو کہ ملزم ٹھہرے ہوں یہ عدالت ان کے مقدمات کے لے خاص ہے اس اختصاص سے مقصود یہ ہے کہ مرتکب شدہ فعل رجم اور قطع کو چھوڑ کر مجرمانہ و جارحانہ اقدام سے متعلق ہو جیسے منشیات کا استعمال عزت پر بہتان تراشی (قذف) پھر یہ کہ وہ نوجوان اپنی عمر کے اٹھارہ سال پورے نہ کرتا ہو اگر جرم کا تعلق کسی کے قتل یا ایسی حد سے ہو جس کی سزا میں قتل، رجم اور قطع ہوتا ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ وہ نوجوان اپنی عمر کے پندرہ سال پورے کر چکا ہے یا نہیں اگر وہ پندرہ سال کا ہو چکا ہے تو اس کے لئے خصوصی عدالت سے رجوع کیا جائے گا کیونکہ مقدمات کسی شخص پر زیادتی کرتے ہوئے اس کے قتل کا مقدمہ یا ایسے جرم سے تعلق جس میں قصاص واجب ہوتا ہو یا مال و متاع کی چوری کا مقدمہ یا زنا سے کسی کی عزت و آبرو کی پامالی کا مسئلہ یہ سب مقدمے مخصوص عدالت سنے گی (اور جس میں ایک سے زیادہ قاضی سماعت کریں گے) عمر کا اعتبار ارتکاب جرم کے وقت سے کیا جائے گا۔ مقدمہ دائر کرتے وقت جو عمر ہو اس کا اعتبار نہ ہو گا۔ اس سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ اس نظام نے نوجوانوں کے ان تمام امور کے متعلق جن پر مجرمانہ فعل کی سزا تعزیری ہے یا ایسی حد ہے جس میں رجم قطع کی سزا نہیں ہے اس میں تو ایک قاضی کے نظام کو اپنایا ہے مگر وہ دوسرے معاملات جن میں قتل قطع چوری زنا میں سنگساری کا معاملہ ہو تو اس میں ایک قاضی کافی نہ ہو گا ایسا فیصلہ قاضیوں کے پینل کے ذریعے ہی کیا جائے گا۔

عدالت برائے معاشرتی تحفظ و نکاح

(Court of Social Security and Marraige Affairs)

سماجی تحفظ موجودہ تہذیب کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ دین حنیف کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول ہے اسلامی حکومت اپنے آغاز ہی سے اس سماجی تحفظ سے باخبر ہو چکی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد مبارک ہے۔"میں اس کا مولی یعنی ولی ہوں جس کا کوئی مولی نہیں"(۱)۔"اس کی روشنی میں مسلمانوں کے حاکم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی مالی پریشانیوں کا بوجھ ہلکا کرے اور ضرورت مند پر خرچ کرے۔

حکومت سعودیہ دینی و تہذیبی فرائض کی بجا آوری میں لگی ہوئی ہے اور ایک فعال منظم ادارے کی شکل میں اس ذمہ داری کو پورا کر رہی ہے چنانچہ مورخہ ۱۸ر ۳ر ۱۳۸۴ ھجری میں جاری ایک شاہی فرمان نمبر۱۹ کے مطابق سماجی تحفظ کے کام کو منظم کیا گیا۔ آرٹیکل نمبر۱۸ میں یہ بات شامل ہے کہ درخواست دینے والا جس شہر میں رہتا ہو اس شہر کے قاضی سے تصدیق کے ساتھ درخواست دے۔ اس کے بعد عدالت برائے سماجی تحفظ و امور نکاح (Court of Security and Marraige Affairs) کا قیام سن ۱۳۸۳ ھجری میں بمقام ریاض عمل میں آیا۔ تاکہ جو مستحق ہوں ان کے بارے میں اطمینان کر لیا جائے کہ آیا وہ واقعی حقدار ہیں یا نہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور خصوصی پہلو کے لئے یعنی نکاح کی توثیق اور متعلقہ کارروائیوں کے لئے ادارہ بنایا گیا۔ نکاح میں ولی کا معاملہ اہم ہے اس کے متعلق فیصلہ کرنا اور طلاق کی تفصیلات طے کرنا بھی اسی ادارہ کی ذمہ داری ہے۔ یہ حقیقتاً ایک خصوصی عدالت ہے اور اس کا شمار شخصی احوال کی عدالت میں نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ

۱۔ یہ حدیث مقدام بن معدی کرب الکندی کا ٹکڑا ہے اس کو ابو داود نے باب میراث ذوی الارحام میں جلد ۳۔۱۲۳ کے تحت نکالا ہے۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن باب ذوی الارحام (۲۔ ۹۱۴) کے تحت اس لفظ کے ساتھ روایت کیا جس نے مال چھوڑا وہ اسے کے وارثوں کے لئے ہے اور جس نے عیال و قرض چھوڑا تو وہ ہماری طرف ہے یا تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔

اسلامی نظام عدل و انصاف میں قاضی نکاح یا اعمال نکاح کے نام سے معروف اصطلاح پرسنل لا (Personal Law) کے محکمے سے قریب تر ہے نہ کہ اس عدالت سے۔

علاقائی یا مکانی دائرہ عمل

اس سے مراد وہ متعین کردہ قوانین ہیں جو مملکت سعودیہ کے شہروں میں ایک ہی نوعیت کی بہت سی عدالتوں کی تعیناتی میں کام آتے ہیں اور جن کی روشنی میں کسی معین مقدمہ میں غور و فکر کیا جاتا ہے یہاں یہ اشارہ کرنا مناسب ہے کہ مکانی دائرہ عمل کے قواعد کی اساس فریقین کی مصلحت کا لحاظ ہے خاص کر مدعی علیہ کے لئے کہ اس کو اس طرح سہولت ہوتی ہے اور اس لئے کہ انسان کے لئے اصل یہ ہے کہ وہ بے قصور ہے پس فیصلہ کے لئے وہ محکمہ چنا جائے جو اس سے قریب ہو یا محل نزاع سے قریب ہو تاکہ عدالت سے رجوع کرنا سہل ہو اور فاصلے ان کے لئے مشکلات پیدا نہ کریں۔ صورتحال یہ ہے کہ ہر شہر کے حالات مختلف ہوتے ہیں ان حالات کے باعث عدالتوں کے مکانی دائرہ اختیار میں اضافہ و کمی، نقص و زیادتی کی گنجائش رہتی ہے۔ نیز شہر میں رابطہ کی شکلیں کیا ہوں گی اس کو سامنے رکھنا ہوتا ہے لہٰذا مجلس اعلیٰ برائے عدالت کی تجویز پر وزیر عدل کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ہر محکمہ کا علاقائی دائرہ اختیار طے کرے مجلس قضاء کی قرارداد نمبر ۳ مورخہ ۲ر۷ر۱۲۹ ہجری میں طے کیا گیا ہے کہ علاقہ اور اس کی حد بندی اور کسی حکم کے لئے قاضی کی مکانی دائرہ اختیار کے لئے کرنے کے لئے حاکم کا یہ اعلان کافی ہے کہ فلاں محکمے کی حدود یہاں تک ہیں۔ اور جب وزارت عدل کو یہ حکم پہنچے تو وہ اس کے بموجب زیر اثر علاقہ کے لئے منظوری دے دے گی اور اسی طرح عدالتوں کے دائرہ اختیار میں شہروں اور دور دراز جگہوں میں زیادتی کرنا ہو یا کمی کرنا ہو تو اس کو بنا دیا جائے گا۔

اس مسئلے میں عمل یہ ہے کہ وزارت عدل انتظامی امور کے ذمہ داروں کے باہمی مشورے سے مکانی حدود طے کرتی ہے، ''تنظیم اعمال اداری'' کے آرٹیکل نمبر(۵) میں یہ کہا گیا ہے کہ دعوی مدعی علیہ کے شہر میں قائم کیا جا سکتا ہے جب کہ وہ شہر مملکت میں واقع ہو اور یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ

یہ اصول تمام مقدمات کے لئے ہے چاہے اس کا موضوع کچھ بھی ہو خواہ اس کا تعلق جائیداد غیر منقولہ دے یا منقولہ کی حدبندی سے ہو یا پیائش سے یا دستاویز کی تطبیق و تحقیق سے ہو اور ان امور کے لئے وزارت عدل اسی شہر کے قاضی کو ذمہ داری سونپی گی جس شہر میں وہ جائیداد ہو گی۔ یا قاضی سے کہے گی کہ محل نزاع جگہ جاکر خود معلومات لے۔

رہے فوجداری مقدمات تو انہیں جائے حادثہ کے قریبی عدالت ہی غور کرے گی اگر مقدمہ کے باعث مدعی علیہ کو قید کر لیا گیا ہے تو اس کا مقدمہ اسی شہر کی عدالت میں پیش ہو گا جس شہر میں مدعی علیہ قید ہو گا، قطع نظر اس کے کہ حادثہ کس جگہ ہوا ہے۔[1] اگر مدعی علیہ کی سکونت ایک سے زائد شہروں میں ہو تو مقدمہ اس شہر میں پیش ہو گا جہاں مدعی رہتا ہو گا اور مدعی علیہ بھی وہیں سکونت پذیر ہو۔ (۲)

خاص خاص مقدمات کی عدم سماعت (یا عدم اختصاص)

عدم اختصاص سے مراد کسی عدالتی مرکز کا یا عدالت کا کسی معین جھگڑے میں اختیارات کا نہ رکھنا ہے یا تو اس کا سبب یہ ہے کہ وہ مسئلہ مملکت کی عدلیہ کی حدود سے باہر ہے اس لئے کوئی بیرونی عدالت ہی اس مسئلے پر سماعت کر سکتی ہے یا پھر یہ کہ وہ معاملہ مملکت کے دائرہ عدل میں تو آتا ہے مگر وہ مسئلہ یہ عدالت نہیں دیکھ سکتی ہے اس کے لئے کوئی اور عدالت مخصوص ہے۔ یہاں ہماری تحقیق کا دائرہ اسی قسم کے معاملات تک ہے مملکت کے نظام عدل و انصاف کی طرف سے یہ طے کیا جا چکا ہے کہ غلامی اور غیر منقولہ جائیداد کے ان مسائل کی سماعت نہیں ہو گی جو سعودی حکومت کے حجاز پر قبضہ یعنی ۱۳۴۳ھ سے قبل کے ہوں۔ دوسرے صوبوں میں بھی یہی ہو گا اگر وہاں فیصلے ہو چکے ہوں

۱۔ خطاب رئیس القضاۃ نمبر ۱۳۶۔ ۲ ت مؤرخہ ۳۰۔ ۳۔ ۸۹ھ مبنی علی الخطاب السامی نمبر ۳۶۔ ۲۱ مؤرخہ ۱۱۔ ۸۸۱ اور تعمیم وزیر العدل نمبر ۳۶۔ ۳۔ ۹۳ھ

۲۔ خطاب رئیس مجلس الوزراء نمبر ۱۱۷۷۳ مؤرخہ ۱۔ ۵۔ ۸۲ ۱۳ھ

اور عذر شرعی کے بغیر فریق اس پر خاموش رہا ہو۔[1] جس طرح قدیم نظام میں دفعات و مقدمات کے متعلق آرٹیکل نمبر ۱۳۸ کے بیان میں ہے کہ مملکت کے قبضہ سے قبل کے (ماقبل سن ۱۳۴۳ھ) مقدمات پر عدالتیں غور نہیں کر سکتی ہیں۔(۲)

فقہاء نے امام یا سلطان کی طرف سے جج صاحبان کو بعض مقدمات کی سماعت سے منع کرنے پر روشنی ڈالی ہے۔ صاحب دار المختار حنفی فقہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ اگر سلطان دعوے پر پندرہ سال گذر جانے کے بعد مقدمہ کی عدم سماعت کا حکم دیتا ہے تو ایسے مقدمہ کی سماعت نہ کی جائے گی اور بالفرض اگر قاضی اس کی سماعت کر بھی لیتا ہے تو اس کا حکم نافذ نہ ہوگا۔

ابن عابدین اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ان مقدمات کے بارے میں ہے کہ جن پر پندرہ برس کا عرصہ بیت چکا ہو اور اس عرصہ میں صاحب حق نے اپنے حق کا مطالبہ نہ کیا ہو باوجودیکہ وہ دعوی کر سکتا تھا اور نہ ہی کوئی عذر شرعی مانع تھا اور ساتھ ساتھ قابض شخص صاحب حق کی ملکیت کا انکار بھی کرتا رہا ہو۔ لہٰذا اس مدت کے بعد بحکم سلطان ایسے مقدمات کی سماعت ہر سماعت نہ ہو سکے گی اور قاضی ایسے مقدمات کی سماعت سے دور رہے گا۔ آپ جان چکے ہیں کہ نظام عدل میں قضاء مخصوص شروط کے ساتھ کام کرتا ہے یہاں اس کے لئے ممانعت میں یہ مصلحت کام کر رہی ہے کہ اتنی مدت کے بعد دعوی کا سبب حیلہ ہے یا جعلسازی ہے اور اس طرح کے شر و فساد سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس طرح کے دعوے کو ساقط کر دیا جائے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ نفس حق کا اسقاط ہو گیا کیونکہ حق تو کبھی بھی ساقط نہیں ہوتا ہے اسی لئے فقہاء نے سلطان کے لئے واجب قرار دیا ہے کہ ایسے مقدمات کی سماعت وہ خود کرے جن کی سماعت سے قاضی صاحبان کو روک دیا گیا ہے یا سلطان کسی دوسرے کو اس کی سماعت کا حکم دے اگر کسی قسم کے فریب و دھوکہ دہی کی علامت نہ ملی ہوں تا

۱۔ تنظیم الاعمال الاداریہ کا آرٹیکل نمبر ۸۴ وا لخطاب السامی رقم ۱۸۴۹۸ مؤرخہ ۸۔۵۔۱۳۹۰ھ

۲۔ دیکھئے ادارہ تمیز کی قرارداد برائے مغربی علاقے نمبر ۶ ۱۹ مؤرخہ ۱۰۔۴۔۸۷ھ جس کی تائید سعودی مفتی کے خطاب سے ہوئی نمبر ۳۳۴۳۔۱ مؤرخہ ۲۵۔۸۔۸۷ھ

کہ صاحب حق کا حق ضائع نہ ہو جائے۔ قاضی صاحبان کو روک دینا حکم پر اثر انداز نہیں ہوتا ہے اگر فریقین سلطان کو اسی طرح کے مقدمہ میں حکم مقرر کرتے ہیں تو اسے چاہئے کہ اس کی سماعت کرے اس لئے کہ حق ان دونوں سے تجاوز نہیں کرتا ہے۔[1] اور اس کو چاہئے کہ وہ حق کس کا ہے اس کو بیان کردے۔

بعض مقدمات کے سلسلے میں دائرہ کار میں کئی عدالتوں میں باہمی نزاع

ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ مملکت نظام عدل کے دہرے پن کی وجہ سے ایک سے زیادہ عدالتی ادارے میں ایک ہی مقدمہ سننے کے معاملے کے سامنے آتے ہیں۔ اس الجھن کو دور کرنے کے لئے نظام نے کچھ اصول لئے ہیں تاکہ اس سے بچا جاسکے۔

تنازع اختصاص کی صورتیں

اختصاص میں تنازع یا تو ایجابی (Possitive) ہوگا کہ دو مختلف عدالتی اطراف کسی مقدمہ کی کارروائی کے لئے اپنے دائرہ کار کے دعویدار ہوں اور کوئی بھی اسے چھوڑنے پر تیار نہ ہو، یا پھر سلبی (Negative) نوعیت کا ہوگا کہ دونوں عدالتی اطراف اسے ترک کردیں اور دونوں کا دعوی ہو کہ وہ مقدمہ ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی ایک مقدمہ میں دو الگ الگ فیصلے ہو جائیں۔ ایک فیصلہ ایک عدالت کا ہو تو نظام قضاء کے ماتحت ہو اور دوسرا کسی دوسری عدالت کا ہو۔ ایسے نزاع میں فیصلے کے اختیارات طے کرنے کے لئے نظام عدل میں یہ قانون شامل کیا گیا ہے کہ اس غرض کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جس کے تین ممبر ہوں۔ دو کا تعلق مجلس اعلیٰ برائے عدالت کے ہم وقتی ممبروں سے ہو اور ان میں جو سینئر ہو وہ سربراہ ہوگا۔ تیسرا ممبر آرٹیکل ۲۹ کے مطابق کئی دوسری

۱۔ دیکھئے الدالمختار ابن عابدین مع حاشیہ ۵۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰

عدالتی طرف کا سربراہ ہوگا یا اس کی جگہ کوئی ادا لیا جائے گا جو اس کی نیابت کرے گا۔

تنازع اختصاص میں فیصلے کی کارروائی

اگر سابقہ صورتحال پیدا ہو تو اس میں تنازعہ دور کرنے کے لئے ایک درخواست عدالت کی مجلس اعلیٰ کو دی جائے گی مجلس کا سکریٹریٹ درخواست پر عمل درآمد کرتے ہوئے دونوں عدالتوں کو مقدمے کی سماعت سے روک دے گا۔ اگر تنازعہ اسی طرح سے ابھرا کہ دو فیصلے ہوئے اور پہلے فیصلے کے برعکس دوسرا فیصلہ ہوا تو سربراہ کمیٹی کو اختیار ہوگا کہ وہ دونوں کو یا ایک حکم کو برقرار رکھے یہاں تک کہ کمیٹی (آرٹیکل ۳۰-۳۱) کے مطابق اس درخواست پر فیصلہ کرے دفعہ ۳۲ کے مطابق اس کمیٹی کا اختیار طے کرنے کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۱۔ اس طرح محکمہ پر واجب ہے کہ وہ اس کے سامنے پیش کردہ مقدمہ کی سماعت روک دے۔ اگر ایک فریق جھگڑا خصوصی عدالت کی طرف لے جائے اور اس کا کچھ حصہ مثلاً دستاویزات میں جعلسازی سے متعلق ہو تو اگر محکمہ ضروری سمجھے کہ اس کے حکم سے پہلے دوسری عدالت کے سامنے پیش کردہ مقدمہ کا فیصلہ ضروری ہے تو فریق کو حتمی فیصلہ حاصل کرنے کی مدت دی جائے گی۔ اگر فریق مقررہ مدت میں حکم حاصل کرنے میں کوتاہی کرتا ہے تو عدالت کا حق ہے کہ وہ مقدمہ کا فیصلہ اسی حالت میں کر دے اگر وہ یہ سمجھے کہ دوسرے فیصلے کی پابندی ضروری نہیں ہے تو پھر دوسرے مقدمہ کو نظرانداز کر دے گی اور آرٹیکل ۲۸ کے مطابق وہ اس کے سامنے پیش دعوے میں فیصلہ دے گی۔

تیسرا باب

دیگر عدالتی کمیٹیاں اور فیصلے کی باڈی

گذشتہ صفحات میں عدالتی دائرہ اختیار اور جہت اختیار کے ذکر میں یہ بات سامنے آگئی کہ بہت سے مقدمات اور تنازعوں کو محاکم عامہ کی دائرہ اختیار سے نکال کے عدالتی کمیٹیوں اور دیگر تنظیمات کے تابع دوسری عدالتی اطراف کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ انہی میں سے ایک تجارتی معاملات کی عدالت ہے جیسے آج کل تجارتی تنازعات کی روک تھام و فیصلوں کی باڈی کہا جاتا ہے۔ یہ اپنی تشکیل و تعلق کے اعتبار سے وزارت تجارت کے تابع ہے اسی طرح خدمت گاروں' مزدوروں کے معاملات و جھگڑوں کی کمیٹی ہے جو عمل اور اجتماعی معاملات کی وزارت کے تابع ہے۔ کسٹم کے معاملات کے لئے کمیٹیاں ہیں جو وزیر خزانہ کے حکم سے تشکیل دی جاتی ہیں۔ ان مقدمات و تنازعات کے مختلف کمیٹیوں کے سپرد کرنے سے عدالتی دائرہ اختیار سمٹ کر رہ گیا ہے اور اس کا کردار گھٹ گیا ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ کوئی بھی نظام عدالت پیش ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی کسی ایسی کمیٹی کی تشکیل بھی کر دی جاتی ہے جو اس نظام کی کسی خلاف ورزی میں سزا کا فیصلہ دیتی ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ بات بہت اہم ہے اور عدالتی بالاتری کے لئے اس خطرہ کی نشاندھی ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم اس کی تلافی کرتے ہوئے ان تمام کمیٹیوں اور تنظیمات کو عدالتی دائرہ اختیار کے فریم میں لائیں۔

بہرحال موجودہ صورتحال یہ ہے کہ ان اداروں اور کمیٹیوں کو ایک مستقل عدالتی تنظیموں کی سی حیثیت حاصل ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان کے بارے میں الگ سے گفتگو ہو۔

- ۱ -

(سابق) تجارتی عدالت Commercial Court (اور موجودہ) کمیشن برائے روک تھام تجارتی تنازعات

ہم اس طرف اشارہ کر آئے ہیں کہ ایک تجارتی بورڈ کا قیام جلالہ الملک کے فرمان کے مطابق سن ۱۳۴۵ ہجری بمطابق ۱۹۲۶ عیسوی میں "مجلس تاجران" کے نام سے عمل میں آیا تھا تاکہ تاجروں میں تجارتی و بحری معاملات میں پیدا شدہ تنازعات کی روک تھام کے لئے کل وقتی کام کر سکے۔ خصوصا وہ معاملات جو فوری تصفیہ طلب ہوں وہ[۱] اس مجلس کے سامنے پیش کئے جائیں اس مجلس تاجران کی تشکیل ایک سربراہ اور چھ ممبران سے ہوتی تھی۔ ان میں سے نصف اعزازی ممبران تھے اور نصف ایسے لوگوں سے منتخب کئے جاتے تھے جو تجارتی معاملات میں ماہر سمجھے جاتے تھے اور دانائی، شرف، عزت اور استقامت میں معروف ہوں۔ ان کے ساتھ مزید ایک عالم دین ممبر کو شامل کیا جاتا تھا۔ ان سب کا تعین خود جلالہ الملک دو سال کے لئے کرتے تھے یہ مدت قابل تجدید تھی۔ ان ممبران کی عمر تیس سال سے کم نہیں ہونی چاہیے تھی۔

سن ۱۳۵۰ھ بمطابق ۱۹۳۱ء میں تجارتی عدالت کے نظام کا قیام عمل میں آیا جو مملکت کا طویل ترین نظام سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس میں ۶۳۴ دفعات تھیں۔ یہ نظام آج تک نافذ ہے۔[۲] اس نظام میں تجارتی قانون سے متعلق تمام معاملات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان میں مجلس تجارت (یا تجارتی عدالت) سے متعلق اختصاصات و اجرات بھی شامل ہیں۔ عدالت کے دائرہ اختیار کے بارے میں عبارت اس طرح سے ہے۔

۱۔ یہ حکم جریدہ ام القری میں نشر ہوا۔ شمارہ نمبر ۱۰۲ مورخہ ۲۱-۵-۱۳۴۵ھ بمطابق ۲۶-۱۱-۱۹۲۶ء

۲۔ باب اول کی فصل نمبر چھ سات آٹھ اور نو کے علاوہ جو تجارتی کاغذات کی تنظیم سے متعلق افضل ہے اسے شاہی اعلان نے کالعدم قرار دیا ہے کیونکہ اس کی جگہ تجارتی کاغذات سے متعلق ایک اور نظام آچکا ہے جس کا اجراء نمبر ۳۷ مورخہ ۱۱-۱۰-۱۳۸۲ھ ہے

الف : ہر وہ معاملہ جو تاجر حضرات کے درمیان ہو یا جس کا تجارت سے تعلق ہو اور ان کے درمیان تنازعہ اور مشکلات کا اس لئے سبب بنے کہ وہ محض تجارتی معاملہ ہو۔

ب : وہ جھگڑے جو تبادلہ کرنسی کی بنا پر جنم لیتے ہیں۔

ج : وہ معاملات اور مسائل جو بحری جہازوں کے مالکان کے درمیان پیدا ہوتے ہیں۔

د : گارنٹی اور ٹھیکوں سے متعلق خلاف ورزی سے پیدا شدہ جھگڑے اور اسی طرح امور تجارت سے متعلق مادی ضمانت سے متعلق جھگڑے۔

ھ ۔ مختلف انواع و اقسام کی کمپنیوں کے شرکاء میں اٹھنے والے جھگڑے اسی طرح تاجروں اور کرنسی کے تبادلہ کرنے والوں کے درمیان پیدا جھگڑے اور ہر وہ شخص جس کا ان سے تعلق ہو ان کے ساتھ جھگڑے۔

و : ہر وہ دعوی جس میں جلالتہ الملک کی طرف سے خاص طور سے حکم دیا گیا ہو۔

اس نظام نے یہ طے کیا ہے کہ فیصلہ جات ممبروں کی غالب آراء سے ہو گا۔ فیصلے کی اطلاع کے ۳۰ دن کے اندر اس کے خلاف اپیل کی گنجائش ہے۔ (اس قانون میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اپیل بواسطہ نائب عام مجلس شوری کو عارضی طور سے پیش کی جائے گی نائب عام مکہ میں جلالتہ الملک کے نائب کا لقب تھا) دیگر علاقوں میں اپیل حاکم برائے امور انتظامی کے ذریعے پیش کی جاتی ہے۔

نظام میں یہ بات کہی گئی ہے کہ تجارتی عدالت یا مجلس تجارت کے فیصلہ جات کو عدالتی طاقت حاصل ہو گی تاہم یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا کہ وہ جاری ہو کر نافذ ہوں۔ جب کہ ان میں قواعد عامہ سے موافقت ہو گئی ہو اور تمام مراحل سے گذر کر قطعی حیثیت پا چکے ہوں۔ جیسا کہ نظام نے طے کیا ہے۔

کمیشن برائے انسداد تجارتی تنازعات (۱)

مجلس تجارت یا تجارتی عدالت کا ایک طویل مدت سے اختیارات لے لئے جانے کے باعث کوئی کردار نہیں رہا ہے۔ اور اس کی جگہ آج جو ادارہ ہے اسے کمیشن برائے انسداد تجارتی تنازعات کے نام سے پہچانا جاتا ہے جس کی ایک شاخ ریاض میں ہے دوسری جدہ میں ہے اور تیسری دمام میں ہے۔ یہ باڈی اپنی تشکیل و تنظیم میں مندرجہ ذیل مراحل سے گذری ہے۔

۱۳۸۴ ہجری بمطابق ۱۹۶۵ عیسوی میں وزیر تجارت کی جانب سے مجلس وزراء کی قرارداد کو بنیاد بناتے ہوئے ایک قرار داد نمبر ۲۲۸ مورخہ ۲۱ر ۱۱ر ۱۹۶۰ عیسوی میں جس کی رو سے تجارتی تنازعات کو طے کرنے کے ادارہ کی تشکیل کی گئی۔ ۱۳۸۵ ہجری میں کمپنیوں کا نظام صادر ہوا۔ اس نظام کا تیرھواں باب قانونی طریقہ سے تصادم کی صورت میں سزاؤں سے متعلق تھا جس کی سزا (تین ماہ سے چھ ماہ تک کی قید ہے) یا ایک بڑا جرمانہ (Fine) پانچ ہزار ریال سے لے کر ۲۰ ہزار ریال تک ہے چھوٹا (Fine) جرمانہ (ایک ہزار ریال سے لے کر پانچ ہزار ریال تک ہے) اسی آخری سزا کے دوگنے ہونے کا بھی امکان ہے۔ اسی طرح اس نظام کا چودھواں باب تجارتی تنازعات کو سلجھانے کے لئے خاص کمشن سے متعلق ہے اور اس کے ساتھ نظام مذکور کے آرٹیکل نمبر ۲۳۲ کے قواعد کے مطابق ایک اور ادارہ بھی تشکیل دیا گیا جس کا نام ادارہ برائے حل تنازعات تجارت رکھا گیا تھا۔[۲] پھر مورخہ ۵ر ۲ر ۱۳۸۷ ہجری بمطابق ۱۹۶۷ عیسوی میں مجلس الوزراء کی قرارداد نمبر ۱۸۶ صادر ہوئی

۱۔ مجلس وزراء کی قرارداد ۲۶۔ ۱۰۔ ۱۴۰۷ھ میں جاری ہوئی جس کے مطابق کمیشن برائے انسداد تجارتی تنازعات کے دائرہ کار و فرائض کو جن کا ذکر نظم میں مذکور ہے نیز دوسرے فیصلے جن کا تعلق کمپنیوں کے نظام اور ان میں پیدا شدہ تنازعات سے تھا ان سب کاموں کو آغاز سالی سال ۱۴۰۸ھ ۱۴۰۹ھ سے دیوان مظالم کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ مجلس وزراء کی قرارداد نمبر ۱۶۷ مورخہ ۱۴۔ ۳۔ ۱۴۰۱ ہجری جس پر جب عمل ہو جائے گا تو عدالتی کمیٹیوں اور باڈی کے از سرنو تنظیم کرکے ان کو وزارت عدل میں ضم کر دیا جائے گا۔

۲۔ اس آرٹیکل کو مجلس وزراء کی قرارداد اور بموجب مرسوم ملکی ۲۶۔ ۱۰۔ ۱۴۰۷ھ میں کالعدم قرار دیا گیا۔

جس کے مطابق ادارہ برائے حل تنازعات تجارت اور ادارہ برائے انسداد تنازعات شرکات کو ایک کمیشن میں ضم کر کے اسے "کمیشن برائے انسداد تجارتی تنازعات" کا نام دیا گیا ہے۔ اس کمیشن کے صادر شدہ فیصلے نظر ثانی کے لئے ایک ادارہ کو پیش کئے جا سکتے ہیں جو وزارت تجارت کی طرف سے نامزد وکیل اور کئی قانونی مشیروں کی سربراہی میں کام کرتا ہے اور وہ ان فیصلوں کی تصدیق کے لئے مخصوص ہے جو کمیشن برائے انسداد تنازعات تجارت کی طرف سے کئے گئے ہیں اور جو شریعت ' جاری قواعد اور انصاف کے اصولوں سے مطابقت رکھتے ہوں ان شرائط کے پورے ہونے سے یہ فیصلہ حتمی تصور کئے جائیں گے۔

انسداد تنازعات کے سلسلہ میں بہت سے ادارے تشکیل دینے پر غور و فکر جاری رہا ہے چنانچہ موجودہ وقت میں بہت سے ادارے عمل میں آ گئے ہر ادارہ کی تشکیل شرعی عدالتوں میں کام کرنے والے دو قاضی صاحبان اور ایک مشیر قانون سے عمل میں آئی ہے' اس کی نشست شام کو ہوتی ہے۔(۱)

پھر ایک خطاب عالی نمبر ۱۰۱۸ مورخہ ۱۸ / ۱۰ / ۱۳۹۰ ہجری میں صادر ہوا کہ جو فیصلے انسداد تجارتی تنازعات کے کیشنوں کی طرف سے کئے جائیں گے وہ قطعی و آخری تصور کئے جائیں گے لہٰذا اس تاریخ سے ان اداروں کی طرف سے جاری شدہ فیصلے نظر ثانی کے لئے پیش نہیں ہوتے ہیں۔ اور مذکورہ ادارہ کی تصدیق کو کالعدم قرار دے دیا گیا ہے۔

دراصل یہ اقدام اس لئے اٹھایا گیا کہ انسداد تنازعات کے کیشنوں میں ہارنے والے فریق مقدمہ لے کر شرعی عدالتوں کی طرف چلے گئے جس کے نتیجے میں قانونی اشکال سامنے آیا چونکہ اس سے نہ صرف دوسرے فیصلے ہوئے تھے بلکہ حتمی فیصلہ میں بھی تاخیر ہوتی تھی لہٰذا ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے یہ طے کیا گیا کہ ان فیصلوں کو عمومی طور پر اس لئے قطعی قرار دیا گیا ہے کہ یہ ان

۱۔ اس آرٹیکل کو مجلس وزراء کی قرارداد بموجب منصوبہ سرکاری اعلان کے مطابق ۲۶-۱۰-۱۴۰۷ھ میں کالعدم قرار دے دیا گیا۔

کمیشنوں سے صادر ہوئے ہیں جو اپیل کی عدالت کے برابر ہیں۔ یہ اقدام غیر محفوظ و مشکل ثابت ہو سکتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ دوسرے محاکم سے صادر شدہ فیصلے تو قابل اپیل ہیں جن میں رقم کی تعداد کم ہے اور ان داروں کے لاکھوں ریال کے فیصلے قابل اپیل نہیں شمار کئے گئے؟ یہ بلاشبہ ایک تضاد ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان اداروں کے قضاء عام سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔

- ۲ -

تجارتی جعلسازی کے مسائل کی مرکزی کمیٹیاں

ہم اس بات سے واقف ہو چکے ہیں کہ اسلام میں نظام احتساب کے کاموں میں بازار کی نگرانی منڈیوں پر نگاہ اور ہر قسم کی ملاوٹ اور دھوکہ دہی پر نظر شامل ہے خواہ اس کا تعلق مال و متاع سے ہو یا اوزان و پیمانوں سے ہو۔ اور ان باتوں کے مرتکب افراد کو محتسب اعلیٰ کی طرف سے سزا سنائی جائے گی۔

عصر حاضر میں احتساب کے کام کو تقسیم کر دیا گیا ہے جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔ اس تقسیم کے بعد مختلف کمیٹیاں تشکیل دی گئیں چنانچہ ایک شاہی فرمان نمبر ۴۵ مورخہ ۱۴ر ۸ر ۱۳۸۱ ہجری بمطابق ۲۰ر ۱ر ۱۹۶۲ء میں صادر کیا گیا جس کے آرٹیکل نمبر ۹ میں یہ بات کہی گئی تھی کہ وزیر صحت' وزارت تجارت' داخلہ' زراعت کی رائے لینے کے بعد ایک قرار داد کے ذریعے وزارت صحت کی نمائندگی کے مراکز میں ایک سہ ممبری مقامی کمیٹی تشکیل دیں گے۔ یہ کمیٹیاں ہر قسم کی خلاف ورزی کی تحقیق کریں گی۔ سربراہ مرکز صحت کے فیصلے پر ایسی دواؤں اور غذائی سامان کو ضائع کر دیا جائے گا جو خراب ہو چکا ہو اور اس کا استعمال مضر صحت ہو اور اس قسم کے سامان کو ضبط کر لیا جائے گا خواہ اس کی قیمت کتنی ہی ہو۔ وزیر صحت کی طرف سے جو ہدایات جاری ہوں گی۔ کمیٹی ان کی روشنی میں ہی اپنے کام انجام دے گی۔ نفس نظام کے گیارھویں آرٹیکل میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ وزیر

تجارت وزراء صحت داخلہ اور زراعت سے رائے حاصل کرنے کے بعد حکم جاری کر کے دمام ' ریاض اور جدہ میں تین مرکزی کمیٹیاں تشکیل دے گا۔ اس کا سربراہ وزارت تجارت کا نمائندہ ہو گا۔ یہ کمیٹیاں تجارت میں دھوکہ دھی کے تنازعات اور نظام کے مقرر کردہ قانون کے مطابق تاوان عائد کرنے کے فرائض انجام دیں گے یہ جرمانہ آرٹیکل نمبرا کے مطابق مختلف قسم کی خلاف ورزیوں میں سو ریال سے لے کر ایک ہزار ریال تک ہو سکتا ہے اور اس نظام کے (۲) آرٹیکل کے تحت دوسری نوعیت کے جرائم میں پانچ سو ریال سے لے کر دو ہزار ریال تک جرمانہ اور سامان کی ضبطی کا فیصلہ دے سکتی ہے اگر مخالفت پھر سے دہرائی جائے تو ۳ ہزار ریال تک جرمانہ کیا جا سکتا ہے۔ تجارتی دھوکہ دھی کے لئے مرکزی کمیٹیان جو فیصلہ دیں گی وہ اسی وقت نافذ العمل ہو گا جب وزیر تجارت اس کو پاس کرنے کی تصدیق کر دیں۔ محکوم علیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ فیصلہ صادر ہونے کے پندرہ روز کے اندر اندر ان احکام پر نظر ثانی کے لئے وزیر تجارت کے سامنے درخواست پیش کر دے۔

- ۳ -

کمیٹیاں برائے تجارتی کاغذات

۱۱ر۱۰ر ۱۳۸۳ ہجری میں ایک شاہی فرمان نمبرے ۳ مجلس وزراء کی قرارداد کی بنا پر (نمبر ۶۹۲ مورخہ ۲۶ر۹ر ۱۳۸۳ ہجری) نظام برائے تجارتی کاغذات کی منظوری کے لے جاری کیا گیا وہ ایسا نظام ہے جو ہر قسم کے تجارتی کاغذات کو قانونی استحکام دیتا ہے اور ان کے ذریعے لین دین کو منظم کرتا ہے۔ تجارتی کاغذات سے مراد ایسے اسٹاپ یا دستاویز ہیں جو مذکورہ نظام کے مقرر کردہ بیانات اور طے کردہ تفصیل کے مطابق انجام پاتے ہیں۔ ان کا موضوع وہ حق ہوتا ہے جو مال نقد سے وابستہ ہوتا ہے جس کو بوقت اطلاع یا وقت مقررہ کے بعد یا وقت کی تعین کی گنجائش کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے اور یہ تجارتی ذرائع سے ایک دوسرے کے استعمال کے لئے گردش کرتے ہیں یہ بات رواج پا چکی ہے کہ

قرضہ جات کو ادا کرنے کے لئے اس کی ادائیگی نقدی کی قائم مقام تصور کی جائے گی۔ نظام مذکور نے تین ابواب میں ڈرافٹ' سند امر[1] (Pay orders) اور چیک کے مسائل کو بیان کیا ہے کیونکہ یہ تجارتی کاغذات کی اہم ترین صورتیں ہیں' چنانچہ جنیوا میں[2] منعقد مجلس کی طرف سے طے شدہ یکساں نظام میں طے کیا گیا کہ چیک پے آرڈر اور ڈرافٹ کے علاوہ تمام دوسرے تجارتی کاغذات کوئی قانونی قیمت نہیں رکھیں گے۔ سعودی نظام نے معاہدہ کو قبول کر لیا مگر اس میں سے ڈرافٹ اور پے آرڈر میں سود کی جو شق تھی اس کو قبول نہیں کیا کیونکہ شریعت اسلام کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے اور مملکت کا نظام عام شریعت پر مبنی ہے۔ تجارتی کاغذات کے نظام نے ضمانت کے ان احکامات کو کالعدم کر دیا جو ۱۳۵۵ھ کے محکمہ تجارتی امور کے نظام کے باب اول کی فصل (۶) و (۷) و (۸) و (۹) میں مذکور تھے۔ (یہ باب Chapter تجارتی کاغذات کی تنظیم سے متعلق تھے) اس نظام کے ۱۲ویں باب (Chapter) میں (دفعات ۱۱۸۔ ۱۲۰) سزاؤں کا ذکر ہے۔ چیکوں کو جو قانونی تحفظ حاصل ہے اس کی خلاف ورزی جرمانہ کا سبب ہے۔ جو ایک سو ریال سے لے کر دو ہزار ریال کے درمیان ہے اور ساتھ میں قید کی سزا بھی ہے جو پندرہ روز سے کم نہ ہو گی اور چھ ماہ سے تجاوز نہ کرے گی۔ نظام نے تینوں مورد میں اس کا خیال رکھا ہے کہ اس کے احکام شریعت سے ہم آہنگ ہوں اس نظام نے وزیر تجارت کو یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ اس جہت کی تعین کرے گا جو ان کمیٹیوں کی تنفید سے پیدا شدہ تنازعات میں مرجع شمار ہو گی۔ خاص طور سے نظام مذکور کے دفعات ۴۷۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۹ اور ۶۷ سے متعلق مسائل میں اس سے رجوع کیا جا سکے گا۔ اسی طرح سزاؤں کی تطبیق سے متعلق جو مسائل ابھریں ان میں بھی اس سے رجوع ہو سکے گا۔ ابتداء یہ ذمہ داری تجارتی تنازعات طے

۱۔ حکم نامہ ادائی

۲۔ تجارتی کاغزات کے احکام کو یکجا کرنے کی خواہش کے سلسلہ میں بہت سی کانفرنس منعقد کی گئیں ان کانفرنسوں میں اہم ترین دو کانفرنس ہیں جو جینوا میں سنہ ۱۹۳۰ اور ۱۹۳۱ء میں منعقد ہوئیں پہلی کانفرنس میں ڈرافٹ اور سند امر کو یکجا کرنے کا نظام قرار پایا اور دوسری میں چیک کے لئے ایک ہی نظام قرار پایا دیکھئے نظام کا تفسیری نوٹ صفحہ ۳۴

کرنے کے ادارہ کو دی گئی تھی۔ پھر وزیر تجارت کی قرارداد نمبر ۲۶۲ مورخہ ۲۶ ذی القعدہ ۱۳۸۳ ہجری میں صادر ہوئی۔ جس کے ذریعے تجارتی تنازعات طے کرنے کے بارے میں ایک ادارہ قائم کیا گیا تھا جو تجارتی اختلافات وغیرہ پر غور کرے گا۔ اور اس کے اہم ترین فرائض میں ان مقدمات کا فیصلہ بھی کرنا تھا جو تنظیمات فیصلہ جات اور احکام سے متعلق ہوتے ہیں' اس طرح نظام مذکور نے اسی ادارہ کے اختیارات میں ان سزاؤں کو بھی شامل کیا تھا جو تجارتی کاغذات کی خلاف ورزی کی وجہ سے دی جائیں۔ ٹریڈ مارک (Trade mark) کے تعلق سے جو مسائل پیدا ہوں یہی ادارہ ان کو بھی دیکھے گا۔ پھر نمبر ۳۵۳ اور ۳۵۴ سے مورخہ ۱۱ر ۵ر ۸۸ ہجری اور نمبر ۳۸۵ سے مورخہ ۱۶ر ۵ر ۸۸ ہجری میں وزیر تجارت کی طرف سے وزارتی قراردادیں صادر ہوئیں جن میں ریاض' جدہ اور دمام میں خاص کمیٹیاں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ ہر کمیٹی تین قانونی مشیروں سے تشکیل پائے گی۔ اس کی غرض و غایت یہ تھی کہ یہ کمیٹی متذکرہ بالا نظام کی تطبیق سے پیدا شدہ مقدمات پر غور کرے اور نظام مذکورہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرے۔ اس طرح ان تنازعات میں سماعت کا اختیار مذکورہ کمیٹیوں کو دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ ڈرافٹ اور سند امر پر تاریخ استحقاق سے تین سال سے زیادہ کا عرصہ نہ گذرا ہو اور اسی طرح چیک کے لئے چھ ماہ کی مدت مقرر ہے۔ مدت مذکورہ گذرنے کے بعد ان کاغذات سے پیدا شدہ تنازع کو عام نوعیت کا تصور کیا جائے گا جس کا فیصلہ یا تو ادارہ برائے انسداد تجارتی تنازعات کرے گا یا پھر حسب اختصاص عدالت ہائے عامہ فیصلہ دیں گی۔ (۱)

عدالتوں کی کارروائی اور شکایات میں حق سماعت

تجارتی کاغذات کے نظام نے کوئی ایسا خاص طریقہ کار متعین نہیں کیا ہے جس کو احکام کی تنفیذ سے پیدا شدہ مقدمات و جھگڑوں میں فیصلہ کے لئے کسی خاص جہت کو اختیار کرنا ضروری ہو جب کہ

۱۔ دیکھئے آرٹیکل نمبر ۱۸۹ اور ۱۲۶ کے پیرا نمبر "ر" اور آرٹیکل نمبر ۸۴

محکمہ تجارت کا نظام تجارتی کاغذات کے نظام کے صادر ہونے سے قبل اس معاملے سے متعلق جواب پر مشتمل تھا۔ جس کے بارے میں موخرالذکر نظام خاموش ہے۔ اس طرح یہ آخری نظام کے احکام سے متعارض نہ تھا۔ اسی لئے وزیر تجارت کی طرف سے نمبر۲۹۷ مورخہ ۷ر ۱۱ر ۱۳۸۸ ھجری میں ایک قرارداد صادر ہوئی جس میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ تجارتی کاغذات کی کمیٹیاں اپنے اعمال و کارکردگی اور اصولوں میں نظام برائے محکمہ تجارت میں مقرر کردہ قوانین کے (باب چھ سے لے کر نو تک اور اسی طرح بارھویں باب سے لے کر تیرھویں باب تک کے) احکام کو اپنائیں گی اس متذکرہ بالا قرارداد میں یہ بات بھی آگئی ہے کہ وزیر تجارت کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ ہر اس شکایت کو سنے جو کمیٹیاں برائے تجارتی کاغذات کے فیصلوں کے خلاف شکایت کنندہ پیش کرے گا۔ بشرطیکہ یہ شکایت فیصلہ کی اطلاع کے تیس دن کے اندر پیش کی جائے۔

- ۴ -

عدالتی کمیٹیاں برائے فراہمی رسد

ان کمیٹیوں کی تشکیل

یہ کمیٹیاں مجلس وزراء کی قرارداد نمبر۶۰ مورخہ ۲۹ر ار ۱۳۹۳ ھجری میں وزیر تجارت کی سفارش پر حسب ضرورت تشکیل دی جاتی ہیں۔ مملکت سعودیہ کے تمام مناطق ان کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ ان عدالتی کمیٹیوں کی واقعی تشکیل اس وقت ہوئی جب وزیر تجارت کی قرارداد نمبر۷۵۶ مورخہ ۲۹ر ۱۲ر ۱۳۹۴ ھجری میں صادر ہوئی مزید قراردادیں بھی آئین جن کے مطابق کمیٹی میں تین قانونی مشیر ہوں گے اور انکے علاوہ ایک مدعی عام کا نمائندہ ہو گا اور کارروائی چلانے کے لئے ایک سیکرٹری ہو گا۔ ہر کمیٹی اپنی تشکیل کی قرارداد کے مطابق اپنی مقرر کردہ حدود میں اپنے فرائض کی انجام دہی کر رہی ہے۔

مجلس وزراء کی قرارداد نمبر ۶۰ مورخہ ۱۳۹۳ ہجری کے بند (۳) کے فقرہ (ز) کو نافذ کرنے کے لئے ۱۰۱۸۸ نمبر کا وزارتی حکم مورخہ ۲/۴/۱۳۹۵ ہجری میں جاری ہوا۔ جو کمیٹی برائے رسد کے سامنے مقدمہ پیش کرنے اور مقدمے کی کارروائی سے متعلق تھا۔ اس کا طریقہ کار وہی ہے جو عدالتوں میں پہلے سے روبہ عمل ہے اور دفاع کے حقوق کی ضمانت دیتا ہے اس قانون نے ان مخالفات کی سزا کے متعلق جو ۱۶/۵/۱۳۹۶ ہجری سے قبل ہوئی تھیں یہ فیصلہ دیا تھا کہ ان کی سزا ساقط شمار ہوگی اگر سزا پر وزیر تجارت کی تصدیق کے بعد تین سال کا عرصہ گذر چکا ہو اور ان کو نافذ نہ کیا گیا ہو۔ اس عدالتی قانون میں یہ بات شامل ہے کہ مذکورہ مخالفات کے دہرانے کی شکل میں مرتکب جرم دوسری بار کی سزا کا مستحق ہو گا۔ اگر وہ جرم کا ارتکاب سابقہ فیصلہ کی تاریخ کے پانچ سال کے اندر اندر کرتا ہے تو ایسی صورت میں وہ مستحق سزا ہو گا۔ اگر وہ جرم کا ارتکاب سابقہ فیصلہ کی تاریخ کے پانچ سال کے اندر اندر کرتا ہے تو ایسی صورت میں وہ مستحق سزا ہو گا۔ (دیکھئے آرٹیکل نمبر ۲۶ اور ۲۷)

وہ مخالفات جن کی مذکورہ کمیٹیاں سماعت کر سکتی ہیں

فراہمی رسد میں مخالفات کے تمام معاملات تعزیری جرم شمار ہوتے ہیں۔ مجلس وزراء کی قرارداد نمبر ۸۵۵ مورخہ ۲۶/۵/۱۳۹۶ ہجری پیراگراف ۲ اور ۳ میں وارد مخالفات برائے فراہمی رسد کی بہت سی صورتیں کچھ یوں ہیں۔

۱۔ مقررہ کردہ نرخوں سے زیادہ قیمت پر فروخت کرنا یا متعین نسبت سے زیادہ نفع لینا۔

۲۔ بھاؤ کے بڑھنے کے لئے سامان رسد کی ذخیرہ اندوزی یا منڈیوں میں اس غرض سے جانے سے روک لینا۔

۳۔ کسی ممنوعہ چیز کو خلاف ورزی کرتے ہوئے بیچنا یا قابل فروخت شئے پر اپنی طرف سے کوئی قید لگانا۔

۴۔ وزارت داخلہ و تجارت کے جاری کردہ ممانعت کی ہدایات کی خلاف ورزی کرنا۔

۵۔ سامان پر ریٹ (نرخ) لسٹ نہ لگانا۔

۶۔ رسید (بل Bill) کے طریقہ کار کو نہ اپنانا۔

۷۔ مقرر کردہ نرخوں سے زائد قیمت پر خرید کر خلاف ورزی کا مرتکب ہونا۔

سزاؤں کی اقسام

ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ تمام خلاف ورزیاں تعزیری جرائم کی نوعیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان سزاؤں کو مجلس وزراء کی قرارداد نمبر ۸۵۵ مورخہ ۱۳۹۶ ہجری میں طے کر دیا گیا ہے۔

۱۔ تاوان جو ہزار ریال سے کم نہ ہو اور پچاس ہزار ریال سے تجاوز نہ کرے۔

۲۔ وہ تاوان جو ہزار ریال سے کم نہ ہو اور نہ ہی دس ہزار ریال سے تجاوز کرے۔

۳۔ تین روز سے لے کر ایک مہینہ تک کی جیل۔

۴۔ تین روز سے لے کر مہینہ تک کے لئے دکان کو سربمہر کر دینا۔

۵۔ جو قیمت مقررہ نرخ سے زیادہ وصول کی گئی ہو گی' قیمت کو ضبط کر لینا۔

۶۔ ضابطے کے خلاف پائے گئے سامان کو ضبط کر لینا۔

۷۔ خلاف ورزی کرنے والی کے اخراجات پر کسی مقامی اخبار میں تاوان و سزا کے فیصلے کو شائع کرنا۔

قرار داد میں مذکورہ حالات کے بارے میں جو تفصیل ہے اس میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خلاف ورزی کے مرتکب کے لئے یہ سزائیں یا تاوان اکثر فوجداری نوعیت کی ہیں اور ایسی سزائیں دینا اصلاً عدالتی اداروں کے اختصاص میں شامل ہے۔ ان انتظامی اداروں کا یہ کام نہیں ہے جنہیں خواہ مخواہ عدالتی اختیارات دیئے گئے ہیں۔

مذکورہ کمیٹیوں کا کام صرف تجاویز صادر کرنے تک ہے

مذکورہ بالا اختصاص عدالتی کمیٹیوں سے مورخہ ۱۲ر ۵ر ۱۳۹۶ ھجری تک وابستہ رہا یہاں تک کہ مجلس وزراء کی قرارداد ۷ ۸ ۷ صادر ہوئی جس میں فراہمی رسد کے سلسلے میں سزاؤں کی منظوری کا کام وزیر داخلہ اور وزیر تجارت کو سونپ دیا گیا۔

مجلس وزراء کی قرار داد نمبر ۸۵۵ مورخہ ۱۳۹۶ ھجری کو نافذ العمل کرتے ہوئے مخالفات اور فراہمی رسد کے بارے میں سزاؤں کی تنظیم نو ہوئی۔ اس کے مطابق خلاف ورزیوں کے لئے چھاپے مارنے کا کام ایک خاص شعبہ کو دیا گیا۔ یہی شعبہ سزاؤں کے فیصلہ صادر کرنے کے لئے ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ پس اس تاریخ سے تنہا وزیر داخلہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ وزیر تجارت کی تجویز اور خلاف ورزی کی فائل کی روشنی میں سزا کا فیصلہ دے۔ وزیر داخلہ چاہے تو کسی کو اپنا نمائندہ بنا سکتا ہے۔ اس کے بعد ان کمیٹیوں کے فرائض فقط خلاف ورزی کی فائل تیار کرنے اور خلاف ورزیوں کی براہ راست تحقیق تک محدود ہو گئے جو ۲۶ر ۵ر ۱۳۹۶ ھجری کے بعد پیش آئیں جب یہ قرارداد صادر ہوئی چنانچہ اس کے بعد اب یہ کمیٹیاں صرف تجاویز و سفارشات پیش کر سکتی ہیں جنہیں وزارت تجارت اپنی سفارشات کے ساتھ وزارت داخلہ کے پاس بھیج دیتی ہے۔ وزارت داخلہ یا اس کی طرف سے نمائندہ ان کی روشنی میں سزا کا فیصلہ کرتا ہے۔ پس اسی کے ساتھ ہی ہم وزارت تجارت سے منسلک عدالتی شعبہ کے بارے میں گفتگو کے اختتام کو پہنچتے ہیں۔ ان کے ساتھ ویسے دو اور کمیٹیاں بھی پائی جاتی ہیں جو مذکورہ وزارت تجارت کی ماتحت ہیں۔ وہ دونوں یہ ہیں۔

۱۔ نظام برائے تجارتی ایجنسی (Agencies) میں طے شدہ سزاؤں کی تطبیق کرنے کی خصوصی باڈی۔

۲۔ ناپ تول کی خلاف ورزیوں پر نگاہ رکھنے کے لئے مخصوص باڈی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب معاملے ملتے جلتے ہیں نگران کے لئے اس قدر متنوع کمیٹیوں نے سارا کام ہی غیر مانوس کر دیا ہے۔ جب کہ یہ طے کر دیا گیا تھا کہ کمیٹیاں قضاء عام سے الگ رہ کر کام کریں گی تو اتنا تو کیا جا سکتا تھا کہ انہیں ایک

کمیٹی میں یکجا کر دیا جائے۔ مثال کے طور پر ادارہ برائے انسداد تجارتی تنازعات۔

-۵-

کام سے متعلق خلاف ورزیوں کو طے کرنے کے لئے کمیٹیوں کا قیام

مملکت میں لیبر و خدمت گاروں کے سلسلہ میں پہلا نظام ۱۳۶۶ ہجری بمطابق ۱۹۴۷ عیسوی میں صادر ہوا۔ آرٹیکل نمبر ۳۸ میں عمال کے بارے میں تنازعات ہر ثالثی مُحکّم کا قانون طے کیا گیا ہے۔ پھر آرٹیکل نمبر ۴۰ کی عبارت سے ایسے خصوصی شعبہ کا قیام عمل میں آتا ہے جو مقامی عدالتوں میں مزدوروں سے متعلق مقدمات سننے کے لئے ہوگا۔ پھر اس کے بعد ایک سرکاری حکم (موجودہ) نمبر ۲۱ مورخہ ۶-۱۹-۱۳۸۹ ہجری میں جاری ہوا جسکے ذریعے مزدوروں کے تنازعات کو طے کرنے کے سلسلے میں تفصیلی طور پر ایک نظام مرتب کیا گیا۔ اس نظام کے گیارہویں باب کا آرٹیکل نمبر ۱۷۲ عدالتی کمیٹیوں کے بارے میں اس میں ان کمیٹیوں کو دو درجوں میں کیا گیا ہے وہ دونوں یہ ہیں:-

الف : خلاف ورزیوں کو دیکھنے کے لئے ابتدائی کمیٹیاں۔

ب : شکایت دور کرنے اور اختلاف کو طے کرنے کے لئے اعلیٰ کمیٹیاں۔

وزیر عمل و اجتماعی معاملات کی تجویز صادر ہوئی مجلس وزراء کی قرارداد کے ذریعے ان کمیٹیوں میں سے ہر کمیٹی کو یوں تشکیل دیا جائے گا کہ یہ کمیٹی تین ممبران پر مشتمل ہوگی اور جس کا سربراہ علوم شریعت میں سند یافتہ ہوگا اور ایک دوسرا ممبر شریعت یا حقوق میں سند یافتہ ہونا چاہیۓ۔ اس کے علاوہ اعلیٰ کمیٹی کا قیام پانچ ممبران سے ہوگا ان میں سے تین وزارت عمل کے نمائندے کی حیثیت سے ہوں گے : ایک وزارت تجارت کا نمائندہ ہوگا اور ایک وزارت پٹرول و معدنی ذخائر کا نمائندہ ہوگا۔

مذکورہ کمیٹیوں کے دائرہ کار

ابتدائی کمیٹیاں کے دائرہ کار میں مزدوروں (کاریگروں) کی ان خلاف ورزیوں کی سماعت اور

قطعی فیصلہ صادر کرنا ہے۔ جن کی شرح تین ہزار ریال سے کم ہو۔ فیصلہ جات کے نافذ کرتے وقت کاریگروں کو انکی ملازمت سے ہٹانے کی مدت کے بارے میں اور تاوان (جرمانہ) کے فیصلے میں اور جرمانہ معاف کرنے کے سلسلے میں اس کمیٹی کے فیصلے قطعی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور رہے وہ احکام جو تین ہزار ریال سے بڑھ جائیں یا معاوضہ کا مقدمہ ہو خواہ اس کی قیمت کتنی ہی ہو۔ اس کے علاوہ ملازمت سے برخاستگی کے معاملات کی اپیل اعلیٰ کمیٹی کے سامنے کی جا سکتی ہے۔ وہ جو فیصلہ کرے وہ حتمی و قطعی ہوگا مزید برآں اس اعلیٰ کمیٹی کو نظام عمل و عمال کے طے شدہ قوانین کے مطابق سزائیں دینے کے بھی اختیار حاصل ہیں۔

نظام نے تنازعات کی صورت میں کاریگروں مزدوروں کو اپنے اور مالکوں کے درمیان تحکیم سے فیصلہ کرانے کا حق بھی دیا ہے۔ باین طور کہ ہر فریق ایک یا زائد ثالثوں کا انتخاب کرے جبکہ یہ ثالث ایک مانع Deterrant کا انتخاب کریں گے اگر وہ کسی ایک مانع Deterrant پر متفق نہیں ہوتے تو ابتدائی کمیٹی کا سربراہ خود اس کا انتخاب کرے گا ان ثالثوں کا فیصلہ اعلیٰ کمیٹی کے سامنے اپیل کے لیئے پیش کیا جا سکے گا سوائے اسکے کہ اس فیصلہ کو حتمی و قطعی قرار دینے پر اتفاق ہو گیا ہو۔

نظام نے تحکیم پر ایک مخصوص قسم کی نگرانی کے لیئے یہ طے کیا ہے کہ علاقہ میں قائم شدہ مخصوص ابتدائی کمیٹی کو فیصلہ کی دستاویز پیش کی جائے اور فیصلہ صادر ہونے کے ایک ہفتہ کے اندر اندر ثالثوں کی قرار داد بھی داخل دفتر کی جائے کیونکہ جب تک یہ داخل دفتر نہ ہوگی اسکی سرکاری حیثیت نہ ہوگی اور ثالثوں کا فیصلہ سربراہ ابتدائی کمیٹی کی جانب سے منظوری کے بعد نفاذ کی صلاحیت حاصل کرے گا۔

نظام کے آرٹیکل نمبر ۱۷۷ میں یہ بات طے کی گئی ہے کہ مجلس وزراء مقدمہ کے پیش کرنے کے لائحہ عمل اور مصالحت کے طریقہ کار کا نظام پیش کرے گی جسکی روشنی میں ابتدائی اور اعلیٰ کمیٹی کے سامنے مقدمہ پیش کیا جا سکتا ہے چنانچہ مجلس وزارت نے عملی طور پر اسکی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے

تحکیم کے طریقہ کا لائحہ عمل جاری کیا۔ اس طرح تحکیم کرنے کے لیئے ایک قرار داد نمبر مئورخہ ۴۔۱۔۱۳۹۰ ہجری کے مطابق صادر کی۔ اس قانون میں اجراء ات ترسیل و ابلاغ مقدمہ دائر کرنا Lawsuit دائرہ اختیار اپیل مصالحت و تحکیم جیسے تمام امور کو شامل کر لیا گیا ہے۔ نظام کی بعض نصوص میں وہ باتیں بھی شامل تھی جن کا تعلق ان اجراء ات سے تھا جو اس صورت میں اختیار کی جائینگی جب ان کمپنیوں اور شرعی عدالتوں میں ٹکراؤ ہو کہ سماعت کون کرے اس پر اختلاف ہو جائے۔

یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کمیٹیوں میں سے ہر کمیٹی کو تنہا ان خلاف ورزیوں پر حق سماعت حاصل ہے۔ جو لیبر اگریمنٹ (Labour Agreement) سے متعلق ہونگی۔ اس طرح ان کمیٹیوں اور شرعی عدالتوں کے درمیان حق سماعت کے متعلق اختلاف ختم کر دیا گیا ہے۔ تاہم نظام میں سوچ بچار کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس سے مراد وہ معاہدات عمل ہیں جو مزدوروں اور مالکوں کے درمیان تنازع حل کرنے والی کمیٹیوں کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں۔ معاہدات بے عمل کے سلسلے میں دائرہ اختیار میں فرق کرنے کی مثال فقہ اسلامی کی رو سے یہ ہے کہ فقہ اسلامی اجیر خاص اور اجیر مشترک دو الگ نوعیت کے معاہدے شمار ہوتے ہیں۔ تو جن خلاف ورزیوں کا تعلق اجیر خاص کے معاہدہ عمل سے ہے وہ خلافات طے کرنے والی کمیٹیوں کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ کمپنی اور مزدوروں کی تعداد کی جو شرطیں ہوتی ہیں وہ بھی اس کے تابع ہیں۔ وہ (خلاف ورزیاں) جو اجیر مشترک کے معاہدہ عمل سے متعلق ہیں وہ عام شرعی عدالتوں کے دائرہ کار میں آتی ہیں۔

کمیٹیوں کے واجبات

نظام میں کمیٹیوں کے واجبات و فرائض کو بیان کرتے ہوئے ان کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ نظام میں کسی کمی کو حجت بنائے بغیر تمام تنازعات کا قطعی فیصلہ کریں۔ آرٹیکل نمبر ۱۸۵ کے مطابق کسی کمیٹی

کے لئے یہ جائز نہ ہو گا کہ نظام میں کسی کمی کا بہانہ بنا کر فیصلہ صادر کرنے سے رک جائے۔ ایسی صورت حال میں اس پر لازم ہے کہ شریعت اسلامیہ کے وصول وضوابط کے مقامی قواعدے عدالتی نظائرے حق اور عرف عام کے اصولوں سے قواعد عدالت سے مدد لیکر فیصلہ تک پہنچے۔

اگر چہ نظام عمل میں بشری ذرائع قانون کو ہم آہنگ پا کر بنایا گیا ہے اور اس سے رہنمائی کی گئی ہے۔ مگر یہ استفادہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ شریعت اسلامیہ پر مبنی مملکت کے وصول اور بنیادی مقاصد سے ٹکراتا نہ ہو۔

-۶-

کسٹم کمیٹیاں

۱۳۷۲ ہجری میں جاری شدہ نظام کسٹم میں یہ طے کیا گیا ہے کہ کسٹم کمیٹیاں اسمگلنگ ممنوعہ تجارتی اشیاء کی خرید و فروخت جیسے جرائم کی جمعان بین اور اسکے فیصلہ کے لئے مخصوص ہیں۔ کسٹم کمیٹی ایک ایسی انتظامی عدالت ہے جسے گواہوں کی سماعت اسمگلنگ میں ملوث افراد سے جواب طلبی قانون شکنی کے تمام دلائل جمع کرنے ملزم کی طرف کے دفاع میں کیے گئے بیان کی تحقیق جیسے امور کا اختیار حاصل ہے۔ کمیٹی کی کاروائی درست تصور کی جائیگی جب تک کہ دروغ گوئی کا الزام نہ عائد کیا جائے۔ ان کمیٹیوں میں سے ہر کمیٹی کی تشکیل اور علاقے کی حدبندی وزیر مالیات کی قرار داد سے کی جاتی ہے نظام میں تنفیذ کے لئے دیۓ گئے طریقہ کار کے مطابق تمام کسٹم کے ڈائرکٹریٹ یا نظامت(Directorate) اور کسٹم کے دفاتر اور کسٹم کی شاخوں میں اس کمیٹی شاخیں ضرور ہونگی۔ جو ابتدائی کام کے لئے ہونگی۔ ان کمیٹیوں کا جنکی تعداد ۸ ہے دائرہ کار کسٹم سے متعلقہ تنازعات ہیں جن کا ذکر اصل قانون اور اسکی ترمیم شدہ شکل کے آرٹیکل نمبر(ا) میں تفصیلا درج ہے۔

اسمگلنگ سے متعلق تمام تنازعات اور کسٹم کی خلاف ورزیوں پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ

کمیٹیاں کسٹم ملازمین کے لیئے تادیبی کمیٹی کے فرائض بھی انجام دے گی اور نظام تادیب کے مطابق خلاف ورزیوں اور سماعت کی تحقیق بھی کرے گی۔ اس کے فیصلے ڈائریکٹر جنرل برائے کسٹم کی موافقت کے بعد نافذ العمل ہونگے۔ کسٹم سے متعلق تنازعات مذکورہ کمیٹیوں کے فیصلے کثرت رائے سے ہونگے رائے برابر ہونے کی صورت میں وہ رائے راجح ہوگی جس کے حق میں سربراہ کمیٹی اپنا ووٹ دیدے۔ فیصلہ صادر ہونے کے پندرہ روز کے اندر اندر اس پہ اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ محکوم علیہ کی طرف سے عائد کردہ اعتراضات پر غور کے لئے کسٹم کے نظام کے تنفیذی طریقہ کار کے مطابق ایک اپیل کمیٹی ہوگی جس کا فیصلہ آخری اور نا قابل اعتراض ہوگا۔

مذکورہ نظام نے کسٹم سے متعلق جرائم کے لئے سزاؤں کی حد بندی کر رہی ہے اس کے مطابق مدت قید تین ماہ سے لیکر تین سال تک ہو سکتی ہے۔ اور ساتھ میں ضبطئ مال بھی۔ یہ کمیٹیاں انتظامی محکمے کے طور پر سامنے آئی۔ اسکی روشنی میں یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ پھر انکے متعلق گفتگو انتظامی عدل (Administration of Justice) کے عنوان کے تحت کیوں کی جارہی ہے؟

مسئلہ یہ ہے کہ ان کسٹم کمیٹیوں کو دوسرے عدالتی سلسلہ میں یوں رکھا گیا ہے کہ ان کا اصلی دائرہ کار فوجداری کا ہے اور یہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے مخصوص جرائم کے لیئے تشکیل دی گئی ہیں اور ان کمیٹیوں کی خصوصیت سزا دینے میں عدالتوں جیسی ہے۔ اس طرح وہ خالص فوجداری عدالتیں ہیں۔ اب ان کو انتظامی عدالت کہکر ان کی حقیقت بدلتی ہے نہ ان کی صفات میں فرق آتا ہے۔ حقیقت یہاں بھی یہی ہے کہ یہ کام اصلا عام عدالتوں کا تھا مگر ان کمیٹیوں کو یہ اختیار دیکر عدالتوں کا دائرہ محدود کردیا گیا ہے۔

- ۷ -

فوجی مقدمات کی کونسل

اس کونسل کا تعلق اس کی عدالتی نوعیت کی وجہ سے خصوصی فوجداری عدالتوں سے جڑا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں گفتگو کا یہی محل ہے۔

فوجیوں کی تأدیب سعودی عرب کی فوج کے اس نظام کے بموجب کی جاتی ہے جو ۱۱-۱۱-۱۳۶۶ ہجری میں جاری ہوا تھا۔

فوجی افراد بشمول ریٹائرڈ افراد کے مقدمات چلانے کی اس اتھارٹی کو فوجی مقدمات کی کونسل کہا جاتا ہے۔

فوجی مقدمات کی کونسل ایک سربراہ چار ممبران اور ایک ریکارڈ کے ذمہ دار کلرک سے مل کر بنتی ہے۔ ممبران میں باعتبار رتبہ سینئر افسر سربراہ ہوتا ہے۔ کونسل کے تمام یا کچھ ممبران ہر چھ ماہ میں تبدیل کردیئے جاتے ہیں۔ فوجی مقدمات کی کونسل فوجیوں پر عائد شدہ ورزی کے یا شرعی محرمات کے ارتکاب جیسے جرموں کی چھان بین کے لئے مخصوص ہے۔ جرم ثابت ہونے کی صورت میں نظام میں طے شدہ قوانین کے مطابق تادیبی کاروائی کرنا یا وارننگ دینا۔ نیز فوج کے داخلی نظام کے مطابق فوجی خلاف ورزیوں میں کاروائی کرنا اس کونسل کے دائرہ اختیار میں آتا ہے۔

مذکورہ نظام جرائم اور ان کی سزاؤں کی حد بندی کر دی گئی ہے اسکے مطابق سنگین نوعیت کی غداری' وطن سے غداری' اور جنگی غداری وہ بڑے جرائم ہیں جن کی سزائیں ہیبتناک ہیں جو خوف ناک سزائیں ان کے لیئے مقرر کی گئی ہیں۔ ان میں' سزائے موت' جلاوطنی' فوجی ملازمت سے ہمیشہ کے لیئے علیحدگی اور پندرہ سال کی سزائے قید شامل ہے۔ ان سزاؤں کا فیصلہ بالاتفاق ہونا ضروری ہے۔

شاہ معظم کی منظوری کے بعد ہی فیصلہ نافذ ہوگا۔ رہے وہ فوجی جرائم جو تادیب کے زمرے میں

آتے ہیں ان میں فوجی منصب کا غلط استعمال' چوری اور فوجی ادارے کا غلط استعمال' جنگی سبب کے بغیر فرار' جنگی حالات کے بغیر فوجی صف آرائی اور تناؤ پیدا کرنا' رشوت قبول کرنا' دھاندلی و دھوکہ بازی کرنا اور احکام کو نافذ کرنے میں غفلت برتنا وغیرہ شامل ہیں۔ ان مذکورہ جرائم میں یہ تادیبی کاروائیاں کافی ہونگی۔ چھ ماہ سے اٹھارہ ماہ تک سزائے قید اور ایک ماہ سے لیکر تین ماہ تک تنخواہ کی کٹوتی۔

اگر یہ جرم لاعلمی میں ہوا ہو یا بغیر قصد کے واقع ہوا ہو یا اس سے نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو یا وہ شادی شدہ ہو اور صاحب اولاد ہو یا اس سے پہلے اس سے کوئی جرم سرزد نہ ہوا ہو تو ایسی حالت میں اسے کم سے کم سزا دی جائیگی اگر کسی کے ریکارڈ میں کوئی جرم پایا گیا ہو تو پھر اس کے ساتھ رعایت نہ ہوگی تادیبی سزاؤں کا فیصلہ اکثریت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ کونسل سزاؤں کے جو فیصلہ دیگی وہ قطعی ہونگے جن کو صرف وزیر دفاع یا کمانڈران چیف (سربراہ فوج) ہی ختم کر سکتا ہے اور وہ بھی درج ذیل حالات میں ممکن ہے:۔

۱۔ جب فیصلہ اور مقدمے کی تفصیلات اور اسباب فیصلہ میں اختلاف و تعارض کا پایا جانا ہو۔

۲۔ تحقیق میں کوتاہی پائی جائے یا اجراءات میں غفلت برتی گئی ہو۔

۳۔ محکوم علیہ کے خلاف کونسل کے ممبران کی طرف سے جانبداری کا ثبوت ملتا ہو۔

۴۔ کسی مقدمے سے متعلق جہت کے فیصلہ پر اثرانداز ہونے یا دباؤ ڈالنے کا ثبوت ملا ہو۔

نظام کی اکثر و بیشتر کوشش رہی ہے کہ ملٹری کونسل اور شرعی عدالتوں کے دائرہ کار الگ الگ رہیں۔ چنانچہ قانون میں یہ بات طے کی گئی کہ وہ شخص جرائم جن کے مرتکب فوجی ہوتے ہیں اور جو قتل زخم چوری یا حدود کے زمرے میں آتے ہیں نیز پرسنل لا کے دائرے کے جو معاملے ہوں وہ شرعی عدالتوں کے اختصاص میں آتے ہیں چاہے یہ غیر فوجی جرائم فوجی چھاؤنیوں کے اندر ہوئے ہوں یا باہر ہوئے ہوں چھاؤنی کے اندر واقع ہونے کی صورت میں فوجی ذمہ دار تحقیق کرکے مقدمہ شرعی عدالت کے حوالہ کردیں گے عدالتی کونسل برائے فوجی مقدمات کا قیام اس اصول کے تحت ہوا ہے

کہ عسکری میدان کے مقدمے کی مخصوص عدالت ہو۔ اکثر عرب ملکوں میں اسی طریقے پر گامزن رہتے ہوئے فوج کے لیئے جگہ جداگانہ فوجی عدالتیں تشکیل دی گئی ہیں۔ جہاں فوجیوں کے مقدمات و تنازعات کے مقدمات پیش ہوتے ہیں۔

بس یہ عدالتیں مخصوص افراد کے جرائم کی چھان بین کے لیئے مخصوص نوعیت کی ہیں تاہم اسلامی حکومت میں فوجی جج (قاضی عسکر) کا دائرہ اختیار وسیع ہے کیونکہ وہ فوجی جرائم کے ساتھ ساتھ فوج کے منسوب افراد کے تنازعات کی لمبی چھان بین کرتا تھا جبکہ عدالتی کونسل برائے فوجی مقدمات صرف فوجی اور جنگی جرائم ہی محدود ہے۔

-۸-

احتساب یا مملکت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے محکمہ اور انکا عدالتی کردار

احتساب یعنی امر بالمعروف و نہی المنکر کا شعبہ اسلامی ممالک میں عثمانی حکومت کی تنظیم جدید تک کام کرتا رہا تھا۔ اسکے بعد سے وہ اسکی قدیم صورت میں باقی نہ رہا کیونکہ جدید حکومتی نظام میں اسکے کاموں کو مختلف اداروں کے درمیاں تقسیم کر دیا گیا۔ ان اداروں میں سرفہرست پبلک پراسیکیوشن[1] (Public Prosecution) وزارت تجارت اور بلدیاتی ادارے میں جو اس شعبہ کی بعض ذمہ داریاں انجام دیتے ہیں۔ مملکت سعودی عرب کے لیئے یہ باعث افتخار ہے کہ یہ اسلامی محکمہ یہاں ابھی تک قائم و دائم ہے۔ اگرچہ اس کا دائرہ کار پہلے سے کچھ کم ہوگیا ہے۔

"حسبتہ" یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بلندپایہ مقاصد کی غایت معاشرہ کو جرائم سے پاک و صاف رکھنا اور واقع ہونے سے قبل ہی ان کا سد باب کرنا ہے اور اس کے لیئے وہ ذرائع اختیار کرنا ہے جن سے شریعت کے احکام کی پابندی ہو اور شریعت کے احکام اور ممنوعات سے لوگوں کو باخبر کرنا اور اسکے لیئے اچھے انداز کو اختیار کرنا اور تنبیہہ سے کام لینا" یہ سب شامل ہے تاکہ معاشرہ ہر طرح

۱۔ جہاں پیروکار سرکار کو حکومت مقامی اس غرض سے مقرر کرتی ہے کہ وہ مقدمات میں سرکار کی طرف سے پیروی کرے۔

کے بگاڑ سے محفوظ رہے۔ احتساب کی ذمہ داری انجام دینے کا جو ادارہ مملکت میں قائم ہے اس کا نام امربالمعروف ونہی عن المنکر کی General Presidincey ہے جبکہ فقہاء کی تعریف سے مطابق احتساب کا مطلب ہی امربالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ احتساب کا عمل مملکت کی سابقہ حکومتوں میں ایک تنظیم کی شکل میں نہ تھا۔ صرف علماء اور صالحین ہی اپنے اپنے شہروں میں فرض کفایہ سمجھتے ہوئے امربالمعروف نہی عن المنکر کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ اس دینی فریضے کی اہمیت یہ تھی کہ اگر کوئی صاحب اقتدار اسے ادا نہ کرے تو پھر ہر قادر مسلمان پر یہ فرض عین ہے۔(۱)

سنہ ۱۳۱۹ ہجری میں جب شاہ عبدالعزیز کا ریاض پر قبضہ ہوا تو اس زمانہ میں ایک مرد صالح جو بڑے رعب و دبدبہ کے مالک تھے اور جن کا نام شیخ عبدالعزیز بن عبداللطیف آل شیخ(متوفی ۱۳۵۴ھ) تھا وہ رضاکارانہ طور پر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے امربالمعرف ونہی عن المنکر کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ پھر جب مستقل حکومت کا قیام عمل میں آگیا اور اس کا دائرہ وسیع ہو گیا تو شاہ عبدالعزیز آل سعود نے حکومت کے ذریعہ ان کو یہ کام کرنے کے لیے کہا جس کے لئے حکومت نے ان کو افراد بھی مہیا کئے اور فنڈ بھی دیا۔(۲)

مملکت کی نشوونما اسکی وسعت اور بیروں ملک سے کثیر تعداد میں آنے والوں کے سبب اس ادارے کی ذمہ داری Authority اور فرائض بڑھ گئے چنانچہ اس طرح یہ عمل مرحلہ تاسیس سے نکل کر مرحلہ توسیع میں داخل ہو گیا اور ابھی ۱۳۴۷ ہجری کا آغاز نہ ہوا تھا کہ فرمان عالی جاری ہوا جس میں حکومت سعودیہ کے وسطی، شرقی اور شمالی صوبہ جات کے لئے ایک سربراہی ادارہ قائم کرنے کا حکم صادر کیا گیا، جس کا دفتر ریاض میں تھا۔ اس کے علاوہ مملکت کے مغربی صوبہ میں عسیر میں شمالی مغربی ساحل کے لیئے بھی سربراہی ادارہ قائم کیا گیا۔ جس کا صدر دفتر مکہ المکرمہ تھا۔ دونوں سربراہی

۱۔ دیکھئے ابن تیمیہ کی الحسبہ فی الاسلام اور ابن قیم کی الطرق الحکمیہ صفحہ ۲۳۷

۲۔ عبدالرحمن بن عبداللطیف مشاہیر علماء نجد وغیرہم صفحہ ۲۳۷ صفحہ ۱۳ اور صفحہ ۳۰۸

ادارے Presidency اپنے اپنے علاقوں میں اپنے دائرہ کار کے مطابق فرائض دیتی رہیں یہاں تک کہ ایک اور شاہی فرمان جاری ہوا جس میں دونوں سربراہی اداروں Presidency کو اکٹھا کر کے ایک کر دیا گیا اور اس کے سربراہ کو وزیر کا رتبہ دیا گیا جس کا براہ راست رابطہ وزارتی کونسل کے صدر سے تھا اور تمام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے محکموں کو اسکے تابع کر دیا گیا ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے محکمہ کے فرائض اور ذمہ داریاں

جن افراد کو حکام کی جانب سے عمل احتساب کے لئے مقرر کیا جاتا ہے انکے حق میں عمل احتساب فرض عین کا حکم اختیار کر جاتا ہے اور ان کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو شرعی فریضہ سمجھ کر انجام دیں۔ اور معاشرے میں کسی بھی بگاڑ کو پنپنے نہ دیں اور اس پر قابو پائیں۔ گزرے ایام میں اسلام میں عمل احتساب ان امور پر مشتمل تھا۔

۱۔ ادائیگی فرائض پر نگاہ رکھنی۔

۲۔ اخلاق عامہ کی نگرانی

۳۔ تجارتی منڈیوں پر نگاہ رکھنی

۴۔ مختلف صنعتوں اور آزاد پیشوں پر نگرانی

۵۔ شاہراہوں اور عمارتوں کی نگرانی

۶۔ بعض مقدمات میں فوری فیصلہ

ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ ان اعمال میں سے چند ایک اعمال حکومتی اداروں کے درمیان تقسیم کر دینے کے بعد ان (حئیہ الامر بالمعروف) نامی اداروں کا دائرہ اختصاص تنگ ہو گیا ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے:۔

۱۔ بلدیہ Munici pality کے اختصاص میں شاہراہوں اور عمارتوں کی نگرانی، مختلف پیشوں سے

منسلک افراد مثلا قصاب، حجام، ریسٹورنٹ، ہوٹل، حلوائی، اور پھیری لگا کر سودا بیچنے والوں پر نگاہ رکھنی ہے۔(۱)

۲۔ اسی طرح بعض پیشے ایسے ہیں جو مخصوص نوعیت کے ہوتے ہیں اور ان کی نگرانی متعلقہ ادارے انجام دینے لگے ہیں مثلا اطباء کی نگرانی کا عمل وزارت صحت انجام دیتی ہے اور وکلاء پر نگرانی کا کام وزارت عدل کے دائرہ اختصاص میں ہے اور وہی ان کی پیشہ ورانہ اصلیت کا فیصلہ کرتی ہے اور لائسنس دیتی ہے۔

۳۔ اسی طرح ٹریفک کا ادارہ ٹریفک کے نظام کو کنٹرول کرنے ٹھہرنے کی جگہوں اور انتظار گاہوں کا تعین کرنے، پیدل چلنے والوں کے لئے سڑک کراس کرنے کے نشانات لگانے مختلف اقسام کی سواریوں مثلا موٹر، ٹرک، ویگن، وغیرہ، اور سامان جانوروں کو لے جانے کی گاڑیوں کے لئے اجازت نامہ جاری کرنے کے سارے کام ٹریفک کے ادارہ کے اختصاص میں ہیں۔(۲)

۴۔ اسی طرح وزارت تجارت کے اختصاص میں تجارت سے متعلق تمام امور مثلا قیمتوں اور پیمانوں پر نگاہ رکھنی۔ تجارتی دھوکہ دہی کو روکنے کے لئے تجارتی مراکز میں موجود مال و متاع کے ہر قسم کے نقص سے پاک رکھنے کو یقینی بنانا منسلک ہیں یہ عمل ایک "۳ رکن" کمیٹی کے واسطہ سے انجام دیا جاتا ہے جس کا تعین وزیر تجارت، داخلہ وزراعت اور صحت کی وزارتوں میں سے ہر ایک کی رائے حاصل کرنے کے بعد کرتا ہے۔ یہ کمیٹی اپنی تحقیق کی روشنی میں اگر خلاف ورزی پکڑتی ہے تو وہ سزا کا فیصلہ کر سکتی ہے جس کو وزیر تجارت کی منظوری سے نافذ کیا جائے گا۔ اور اسی طرح ارضی اور گھریلو جائداد سے متعلق دلالوں کی نگرانی بھی اس کمیٹی کا کام ہے۔

۵۔ ناپ تول نگرانی کو وزارت تجارت کے سابقہ ادارہ برائے ناپ تول سے منسلک کر دیا گیا ہے جسے

۱۔ دیکھئے امانۃ العاصمہ والبلدیات صفحہ ۴-۵ شاہی فرمان نمبر ۲۲۷ مورخہ ۲۰-۷-۱۳۵۷ء

۲۔ ٹریفک کا نظام جو شاہی فرمان کے مطابق نمبر م۔۴۹ مورخہ ۶۔۱۱۔۱۳۹۱ھ میں صادر ہوا۔

آجکل (سعودی ادارہ برائے کوالٹی کنٹرول و پیمائش) کہا جاتا ہے۔ ناپ تول کے نظام میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ناپ تول کے پیمانوں کو بین الاقوامی معیار کے مطابق بنانے کی ذمہ داری بھی اسی ادارے کی ہے اس طرح ادارۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض مندرجہ ذیل نقاط میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔

۱۔ ادائیگی عبادات پر نگاہ رکھنی

۲۔ اخلاق عامہ پر نگاہ رکھنی

۳۔ آداب عامہ۔ طرز معاشرت اور عقائد پر اثر اندازی ہونے والی باتوں کو دوسرے متعلقہ اداروں کے ساتھ مل کر قابو میں رکھنا

۴۔ بعض معمولی نوعیت کی تعزیت میں فیصلہ کرنا

بس اس راستہ پر چلتے ہوے یہ ادارہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی علیہ و سلم میں بتائے گئے احکامات کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی اتباع کرتے ہوئے اور خلفاء راشدین اور ائمہ صالحین کے طرز عمل کو مشعل راہ بناتے ہوئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر جیسے فرض عظیم کی بجا آوری کر رہا ہے۔ اس کے دائرے میں واجبات و ممنوعات کی حدبندی اور اس کو نظر انداز کرنے والوں کے خلاف اقدام کرنا اور شریعت کے مقاصد کے مطابق اس کی اصلاح بطریق وعظ و نصیحت کے اور درگذر سے کام لیکر ان کو قائل کرنا مقررہ اوقات میں نماز با جماعت اور شریعت اسلامیہ میں مقررہ واجبات کی اتباع کرنا اور ان منکرات سے روکنا جس کا ارتکاب حرام اور شرعا ممنوع ہے یا قبیح اطوار کا سد باب کرنا آتے ہیں۔

بس ان مذکورہ باتوں کے لئے اداروں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ان کے سدباب کے لئے کاروائی کرے اور نظام میں طے شدہ سزائیں نافذ کرے۔(۱)

۱۔ دیکھئے نظام ھیئت صادر شدہ آرٹیکل ۱۰۰۹ بموجب شاہی فرمان نمبر م۔ ۱۷ ۱۳ مورخہ ۲۶۔ ۱۰۔ ۱۴۰۰ھ

اسی طرح ادارہ کا کام ہے کہ ان تنازعات میں اپنی کمیٹیوں کے ممبران کے واسطہ سے تحقیق کرائے جن کا تعلق سرعام آداب کی حفاظت سے ہے تارکین نماز' شراب نوش افراد' لہو ولعب میں شرکت کرنے والے اور وہ جن کا تعلق و بہتان تراشی کے معاملات سے ہے۔(ا) اسی طرح عام نوعیت کے معاملات میں ادارے کو نظام کی مقرر کردہ سزاؤں میں کسی ایک کو فوری طور پر نافذ کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ سزائیں ہیں آئندہ جرم نہ کرنے کا وعدہ ڈانٹ ڈپٹ اور تادیبی کاروائی کرتے ہوئے کوڑے لگانا۔ وہ یہ سزا زیادہ سے زیادہ ہر پندرہ کوڑے یا زیادہ سے زیادہ تین روز کی قید تک ہوگی۔

احتساب کی ولایت کا عدالت کی ولایت سے محدود ہونا

ادارہ امربالمعروف ونہی عن المنکر کے نظام میں یہ طے شدہ ہے کے ان کے علاوہ جنتی خلاف ورزیاں وتنازعات کہ جن کی سزا شریعت نے مقرر کر رہی ہے انہیں خصوصی عدالت کے حوالہ کردیا جائیگا۔
اسی طرح وہ دعوے اور تمام حقوق و مطالبات جن میں منکر کا اظہار ہوا ہو مگر وہ مالی معاہدوں سے متعلق ہوں تو ان کا فیصلہ عام عدالتیں کریں گی اور ادارہ ان کی سماعت نہیں کرے گا۔ چاہے مالیت کم ہو یا زیادہ اسی طرح یہ ادارہ ان تنازعات کی بھی سماعت نہیں کر سکتا ہے جس میں انکار پایا جائے اور جو عدالتی عزرداری سے گزارا جائے۔ کیونکہ اسے معاملات قاضی صاحبان کے اختصاص میں شامل ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شعبۂ احتساب کے اختیارات شعبۂ عدالت سے کم اور اس کے مقابلے میں محدود ہیں۔ اسی لئے تو فقہاء کہتے ہیں کہ احتساب میں غور و فکر ایک ایسا موضوع ہے کہ جس میں قاضی حضرات کی دلچسپی کا سامان ہے۔ ہاں ایک فرق ایسا بھی ہے جو اسے احکام قضاء سے بڑھاتا ہے اور وہ یہ کہ امربالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس معاملہ

ا۔ مذکورہ نظام کا آرٹیکل نمبر ۴

میں مطلوبہ شخص کو حاضر کئے بغیر احکام جاری کر دے جبکہ قاضی کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر فریق کو حاضر کئے ہوئے مقدمہ سماعت کرے۔ (۱)

اٹارنی جنرل اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اٹارنی جنرل ایک ایسا حکومتی ادارہ ہے جسے تہمت تراشی Accusation کا اختیار حاصل ہے یہ دفتر جو فوجداری مقدمات دائر کرنے اور ان کی براہ راست پیروی کرنے کی وہ صلاحیت رکھتا ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں یہ بات اہم ہے کہ قانون میں اس کے خلاف کوئی شق نہیں پائی جاتی ہے جو اس کو تحقیق اور فیصلے کی ابتدائی کاروائی کے استعمال کا پابند کر دے۔ (۲)

اس سے ولایت احتساب (ادارۂ جات برائے امر بالمعروف و نہی عن المنکر) اور آفس برائے اٹارنی جنرل کے کام میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے مئوخر الذکر اسی وقت مداخلت کرتا ہے جب کہ یہ واقع ہو چکا ہو اور سوسائٹی میں ایک وبا کی شکل میں سامنے آچکا ہو اور اس کا سخت سزا سے کچلنا ضروری ہو۔ جبکہ ادارہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام معاشرہ کو جرائم پھیل جانے سے قبل ہی محفوظ کرنا ہے

اسی لئے دونوں کے نتائج وہی فرق ہے جو کسی مرض کا علاج اس کے آثار شروع ہوتے ہی کر دیتے ہیں اور کسی مرض کا علاج اس کی شدت اختیار کر جانے کے بعد کرنے میں ہے۔

انفرادی الزام اور عام الزام کا اصول

نظام احتساب (ادارہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر) کے کام کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر مسلمان کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ براہ راست بقدر قوت و استطاعت برائی کو روکے خواہ اس برائی کا اثر اس پر پڑتا ہو یا نہ پڑتا ہو اور اگر حکومتی سطح پر خلا ہو تو اس صورت میں یہ ہر فرد پر

۱۔ القاضی ابو یعلیٰ الاحکام السلطانیہ صفحہ ۲۸۶

۲۔ اسبوع الفقہ الاسلامی صفحہ ۶۲۵

واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح جب حکام کی طرف کسی کو نامزد کر دیا جائے تو اس کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ یہ فریضہ انجام دے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جس طرح انفرادی ذمہ داری کو اپنایا ہے اسی طرح عامہ ذمہ داری کے اصول کو بھی اپنایا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے معاشرہ کے ہر فرد کو براہ راست اور بغیر کسی کے کہنے کے اختیار دیا ہے کہ وہ معاشرہ کے نام پر دعوی دائر کر کے متہم کے لئے سزا دلانے کا فیصلہ طلب کرے اسی طرح اسنے فوجداری مقدمات کی عمومی نوعیت کے اصول کو مقرر کیا ہے۔ رہی بات لاطینی قوانین میں اٹارنی جنرل کی تو اس میں بہت کچھ فرانسیسی اور عربی قوانین سے لیا گیا ہے مگر اس میں فوجداری مقدمات کی بنیاد عمومی نوعیت پر قائم ہے۔ اسی طرح یہ آفس معاشرہ کی نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے براہ راست فوجداری مقدمات پیش کرتا ہے کیونکہ افراد کو یہ حق نہیں دیا جاتا ہے۔ اور افراد کو چند ایک حالات کے سوا باقی میں محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور مستثنی حالات وہ ہیں کہ جس میں معاشرہ کے کسی فرد کو ضرر پہنچا ہو بس صرف اسی صورت میں فرد براہ راست دعوی کر سکتا ہے۔

فوجداری مقدمات کا اینگلو سیکشن AngloSacson نظام جس کی نمائندگی انگریزی قانون کرتا ہے' اس کے مطابق کسی فرد کے لئے جائز ہے کہ وہ براہ راست کسی الزام کا مقدمہ دائر کر سکے' چاہے اسے اسکا ضرر پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو' حکومت کے تنہا الزام کا اختیار کے مالک ہونے سے ممکن ہے کہ بہت سے افراد کی شکایات رائیگاں جائیں کہ عام مصلحت سے متعلق جرائم کے الزام میں حکومت کو ہی یہ موقع میسر ہوتا ہے کہ وہ جرائم کی چھان بین کر سکتی ہے جبکہ کسی فرد کے لئے یہ کام مشکل بھی ہے اور اسکی گنجائش سے زیادہ ہے مگر خاص حالت میں ایک فرد بھی ایسا کر سسکتا ہے اسلئے اسے اس میں اختیار دیا گیا ہے۔ (۱)

اس بارے میں حکومت کا نظام شریعت اسلامیہ کے مقرر کردہ اصول وضوابط سے مطابقت رکھتا

۱۔ اسبوع الفقہ الاسلامی صفحہ ۶۲۰ - ۶۲۳

ہے مگر یہ بات ذہن رہے کہ شریعت اسلامیہ عمل احتساب کو فی الجملہ مجموعی حیثیت میں افراد پر واجب قرار دیتی ہے۔ جسکی طرف ہم اشارہ کر آئے ہیں۔ جبکہ حکومتی نظام میں اس کو افراد کے لئے جواز کی حد تک رکھا گیا ہے جس طرح اٹارنی جنرل نے دعوے پیش کرنے کا حق نائب عام کو دیا ہے اسی طرح نظام برائے امربالمعروف و نہی عن المنکر نے یہ حق ادارے کے (رئیس عام) سربراہ عام کو دیا ہے۔ نظام کے آرٹیکل نمبر۶ میں یہ قانون طے کیا گیا ہے کہ سربراہ عام برائے ادارہ امربالمعروف ونہی عن المنکر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس مقدمہ کو شرعی عدالت کے سپرد کرنا چاہے اس کے لئے وہ علاقے کے گورنر (امیر) سے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

دو نظاموں کے درمیان مشترکہ عدالتی کیفیت

ہم اس طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ ادارہ امربالمعروف ونہی عن المنکر کے اختیار میں بعض معمولی نوعیت کے تعزیری مقدمات کا اختیار ہے نظام کی مقرر کردہ سزاؤں کے مطابق ادارہ قطعی و حتمی فیصلہ کر سکتا ہے ہم اس طرف بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ ان کے سوا باقی مقدمات جن کا تعلق محرمات و ممنوعات سے ہے اور جنکی سزا شرع نے مقرر کر دی ہے۔ نیز وہ سیول Civil مقدمات جن میں ثبوت و گواہی طلب کی جاتی ہے تو یہ سب حکام و قاضی صاحبان کے اختصاص میں شامل ہیں آفس برائے اٹارنی جنرل کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ قواعد ٹریفک سے متعلق بعض جرم و خلاف ورزیوں میں فوجداری مقدمات کے احکامات جاری کرے۔ نیز ان افراد کے خلاف کاروائی کرے جو کسی سرکاری افسر یا کسی قانون نافذ کرنے والے سرکاری ملازم پر زیادتی' توہین اور دھمکی دینے کی مرتکب ہوں۔ اس طرح ہر وہ سبب جو کسی متعین واقعہ کی بنیاد پر سامنے آئے یا وہ سبب جن میں بغیر جرمانہ کے سزا دی جائے اور یہ جرمانہ نظام میں مقرر کردہ جرمانہ سے زیادہ نہ ہو تو یہ سب نائب عام کے دائرے میں آتے ہیں بس سزا کی نوعیت کا فرق ہے۔ چنانچہ ادارہ برائے امر

بالمعروف ونہی عن المنکر کا یہ حق ہے کہ وہ یقین دھانی کر لے ڈانٹ ڈپٹ کر کے کوڑوں کی سزا دے یا قید کا فیصلہ سنائے جب کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں بس یہ سب کچھ ملزم کے حسب حال ہونا چاہیئے۔ اس طرح اس ادارے کی سزا اٹارنی جنرل کو دیئے گئے سزا کے اور جرمانہ کے اختیار سے زیادہ شدید ودسیع تر ہیں۔

ادارہ امربالمعروف ونہی عن المنکر کو یہ حق اس حکمت کے تحت دیا گیا ہے کہ مقدمہ کا اس طرح سے جلد فیصلہ ہو خاص طور سے جب مقدمہ معمولی نوعیت کا ہو اور اس کے فیصلے کو بالعموم مان لیا جاتا ہے اس طرح ان فیصلوں سے قاضی صاحبان کا بوجھ بھی کم ہو جاتا ہے۔

بس اس مشترک عدالتی صفت سے ادارہ امربالمعروف ونہی عن المنکر اور النیابہ العامہ کے درمیان ایک عدالتی تنظیم کے تحت مذکورہ جہات میں گفت وشنید کے باہمی رشتہ کے پائے جانے کی عملی حکمت ظاہر ہوتی ہے۔

ادارہ امربالمعروف ونہی عن المنکر اور اٹارنی جنرل کے درمیان جو عدالتی اشتراک عمل ہے اسی کے سبب سے عدالتی تنظیم میں دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

چوتھا باب

مملکت میں انتظامیہ سے متعلق عدالتی نظام

تقدیم و تمہید :

اسلامی حکومت میں قضاء کے میدان میں جو ترقی ہوئی اس کا ایک مظہر انتظامی امور کی عدالتیں ہیں جنکے لئے الگ سے نص نہیں ہے۔ کیونکہ اسلامی عدالتی نظم و نسق سیاست شرعیہ پر قائم ہے جو شرعا اس اصول کا نام ہے کہ تہذیب کے ان تقاضوں کا اعتبار کیا جائے گا جو شرعی مصلحتوں سے ہم آہنگ ہوں۔

اس اعتبار سے اسلام اپنے ان مصلحت پر مبنی قواعد اور احکام کی وجہ سے دوسرے نظاموں سے ایک ہزار سال آگے ہے جو امور موجودہ عدالتی نظام نے اب اپنائے ہیں اسلام ان کو پہلے ہی پیش کر چکا ہے۔ جس نظام کو آج انتظامی معاملات کے عدالتی نظام کے نام جانا جاتا ہے وہ اسلامی حکومت میں ولایت مظالم کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ اتھارٹی کس طرح آہستہ آہستہ تشکیل پائی باعتبار ایک خصوصی عدالتی قسم کے جو انتظامی نوعیت کے تنازعات کے فیصلہ سر انجام دیتی ہے اسکی تشکیل عام عدالتی نظم کے ساتھ ساتھ پروان چڑھی۔ بنی امیہ کے بہت سے خلفاء اور پھر ان کے بعد بنو عباس کے کئی خلفاء حکومتی ملازمین کے مظالم کی سماعت اور فیصلے کے فرائض خود انجام دیا کرتے تھے۔ پھر اس کے لئے ایک مستقل قاضی کی تعیناتی عمل میں لائی گئی جس کو "ناظر مظالم" کا نام دیا گیا۔ جدید حکومت میں جو انتظامیہ سے متعلق عدالت ہے اس سے مظالم نامی عدالت بہت ملتی جلتی ہے دونوں میں عدالتی نظم و نسق کے افراد اور ادارہ کے درمیاں ایک تعلق پایا جاتا ہے اور دونوں میں بعض اوقات ادارہ کے افراد ہی عدالتی فیصلہ بھی صادر کرتے ہیں۔

یہ بات ہم تمام تر فخر و اعزاز کے ساتھ قلم بند کرسکتے ہیں کہ امت مسلمہ سیاست شرعیہ اور فکر

اسلامی کی بنیاد پر مبنی اس عدالتی نظام آج سے تیرہ سو سال قبل ہی سے واقف تھی جبکہ یہ نظام عدالت کو اس پہلو کی طرف ابھی قریب کے زمانے میں توجہ ہوئی۔ ایک درست اندازہ کے مطابق اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں یعنی انقلاب فرانس کے بعد یہ شعبہ وجود میں آیا۔

محکمہ جاتی عدالتی نظم و نسق کی دوسری عدالتی اقسام سے امتیازی پہچان

ناظر مظالم کے متعلق علماء سیاست شرعیہ کی آراء بیان ہو چکی ہیں۔ جنکے مطابق ناظر مظالم حامیان دین کے رعب و دبدبہ اور ججوں (قاضیوں) کی ثابت قدمی جیسی دونوں صفتوں کا جامع ہوتا ہے اسکے فیصلے کی کارروائی کا کچھ ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حق بات حاصل کرنے کے لئے اس کو ایسے وسائل بروئے کار لانے کی اجازت ہے جو عام مقدمات میں عام عدالتوں کے قاضی استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔

اور جو چیز قضاء مظالم کے ادارہ کو دوسری فروع قضاء امتیازی حیثیت دیتی ہے وہ ان تنازعات میں غور کرنا ہے جو کسی ایک فوج اور انتظامی جہت کے درمیان واقع ہوئے ہوں اور ان کے درمیان نزاع انتظامی رنگ لئے ہو' جب ہم دونوں متنازعہ اطراف کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ بات پاتے ہیں کہ دونوں غیر متساوی ہیں اس لئے کہ ایک طرف وہ محکمہ ہے جس کو بہت سے امتیازی اختیارات حاصل ہیں جن میں سر فہرست نظام عام کے وہ وسائل ہیں کہ جنکے استعمال کا حق اس کو ہے افراد کو نہیں ہے مثلاً عام ضرورت کے لئے شخصی ملکیت کو قومیانے کا حق اور اس پر براہ راست حکومت کا قبضہ کرنا' معاہدوں کی شرائط میں ترمیم کرنا اور فسخ کرنا اگر مصلحت عامہ اس کا تقاضہ کرتی ہو بغیر عدالتی کاروائی کے عام استعمال کی جگہوں کو عوام کے لئے بند کرنا بس معاشرہ کے تمام افراد کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مصلحت عامہ کو یقینی بنانے اور خدمات کی بجا آوری کے اختیار کے باعث ایک محکمہ عام فرد سے کہیں زیادہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔

بس ایک انتظامی محکمہ کا قاضی خود کو دو مختلف اعتبار کے فریقوں کے درمیان پاتا ہے ایک

مصلحت عامہ کی دیکھ بھال کے لحاظ سے جانا جاتا ہے اور دوسرا فریق فرد کی آزادی اسکے حقوق کا تحفظ اور اسکی عام ضروریات کی دیکھ بھال کا تقاضہ کرتا ہے ایسے میں قاضی سے جو کچھ مطلوب ہے وہ یہ کہ جسقدر بغیر افراط و تفریط کے ممکن ہو دونوں کے درمیاں توازن کے ساتھ انصاف کرے۔ (۱) اور یہاں سے محکمہ جاتی قضاء میں بہت سے جدید اجتہادی قواعد کے شامل کرنے کا مرحلہ شروع ہوتا ہے اس لئے کہ ایک انتظامی قاضی نص نہ ہونے کی صورت میں قواعد کو سامنے رکھ کر قانون کو بنانے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے اور پھر جس طرح مصلحت تقاضہ کرتی ہو در پیش واقعہ پر لاگو کرتا ہے۔

– ۱ –

دیوان مظالم

سعودی عرب نے جو اسلامی دنیا کا ایک لاینفک جزو ہے عدل کے میدان میں عظیم اسلامی ورثہ کو زندہ رکھا ہے۔

صندوق شکایات

فتح حجاز کے اوئل میں ہی ملک عبدالعزیز رحمہ اللہ نے شہریوں کے معاملات خود سننے کا اعلان کیا تھا۔ اگر چہ شاہ معظم کا دروازہ ہر ایک کی شکایت سننے اور مظلوموں کی داد اس کے لئے کھلا ہوا تھا مگر اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے لوگوں کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنی درخواست جب چاہیں لیکر آئیں اور ان کی سہولت کے لئے صندوق شکایات رکھنے کا حکم فرمایا۔ اس صندوق کو گورنمنٹ ہاوس کے دروازے پر لٹکا دیا گیا اور سرکاری گزٹ کے ذریعہ مندرجہ ذیل متن کا اعلان کیا گیا کہ:

"جلالہ الملک تمام شہریوں کے لئے اعلان کرتے ہیں کہ اگر کسی پر کسی قسم کا ظلم و زیادتی ہوئی ہو

۱۔ سعد علام: مملکت میں قضاء ادارے کا نظام: (القضاء الاداری بالمملکۃ) ادارہ عامہ کا رسالہ چوتھا شمارہ سنہ ۱۳۸۴ بمطابق ۱۹۶۵ء

تو چاہے ظلم کرنے والا کسی بھی حیثیت کا مالک ہو' اس کا محاسبہ کیا جائے گا اب اگر کوئی اپنے اوپر کے ہوتے ظلم کو چھپاتا ہے تو اس کا گناہ اسی پر ہوگا۔ بس اگر کسی کو کوئی شکایت ہے تو اس کے لئے گورنمنٹ ہاوس کے دروازے پر صندوق شکایات نصب کر دیا گیا ہے جسکی کنجی جلالہ الملک کے پاس ہے۔ بس شکایت کنندہ کو چاہئے کہ وہ اپنی شکایت اس صندوق میں ڈال دے

سب لوگ اس بات کا اطمینان رکھیں کہ شکایت کنندہ کو شکایت کے سبب سے کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ شکایت کنندہ کو چاہئے کہ اپنی شکایت میں مندرجہ ذیل باتوں کو ملحوظ رکھے۔

ا۔ شکایت میں جھوٹ سے اجتناب کیا جائے کہ جھوٹے دعویدار کو اسکے جھوٹ کے سبب سزا دی جائیگی۔

۲۔ گمنام شکایت بغیر دستخط کے قبول نہ کی جائیگی ایسا کرنے والا موجب سزا ہوگا۔ عوام الناس کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ عدل کا دروازہ بغیر کسی تمیز و رعایت کے سب پر برابر کھلا ہے چھوٹے بڑے اس کے سامنے ایک ہیں یہاں تک کہ حق اس کے حقدار کو پہنچ جائے۔ والسلام" (ا)

اس روایت پر اب تک عمل جاری ہے اور مملکت کے حکمران شکایت کنندگان کے لئے اپنے دروازے کھلے رکھتے ہیں۔ اس طرح حاکم و محکوم کے درمیان یہ روایت ایسے رشتے کو برقرار رکھے ہوئے ہے جو انسانی عظمت کی بنیاد پر قائم ہے۔ آج کی زندگی میں پیچیدگیوں میں اضافہ اتنا ہو گیا ہے کہ اسکی وجہ سے ایک طرف مشکلات اور مسائل میں پہلے سے کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ دوسری طرف ان کو فوری حل نہ کیا جائے تو گراں گزرتا ہے اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ ایک خصوصی ادارہ اسی نوعیت کے مسائل کے لئے تشکیل کیا جائے۔ بس اسی جیسی مشکلات کو حل کرنے کے لئے دیوان مظالم تشکیل دیا گیا ہے۔

ا۔ ام القری مورخہ ۲۶۔۱۱۔ ۱۳۴۴ بمطابق ۷ جون ۱۹۳۶ء

دیوان مظالم کی تشکیل

سنہ ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۹۵۳ء کو نظام مجلس وزراء کے باب چہارم پر عمل کرتے ہوئے دیوان مظالم کی تشکیل انجام پائی جس میں ایک خصوصی شعبہ قائم کرنے کی تجویز منظور کی گئی جسے شعبہ مظالم کا نام دیا گیا۔ اس شعبہ کے اختصاص میں ان تمام شکایات کا وصول کرنا تھا جو مجلس وزراء کو پیش کی جاتی تھیں، پھر ان شکایات کی چھان بین کرکے انکی سزا کے بارے میں تجویز کے ساتھ اسے حتمی فیصلے کے لئے جلالہ الملک کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دیوان مظالم کا آغاز ایک تحقیقی مقتدرہ Investigation Authority کے طور پر ہوا تھا۔ پھر سنہ ۱۳۷۴ھ بمطابق ۱۹۵۵ء میں ایک شاہی اعلان نمبر ۲۔ ۳۔ ۹۷۵۹ مورخہ ۱۷۔۹۔۷۴ھ کے ذریعے دیوان مظالم کا نظام جاری ہوا۔(۱)

اس نظام کے آرٹیکل نمبر ایک میں صراحت کی گئی ہے کہ ایک علیحدہ دیوان مظالم تشکیل دیا جائے گا جسکے سربراہ کا درجہ وزیر کے برابر ہوگا اور جس کو سرکاری اعلان کے ذریعے متعین کیا جائیگا اور جو براہ راست جلالہ الملک کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ اس طرح آخری مرجع جلالہ الملک ہونگے اس طرح دیوان مظالم کو مجلس وزراء کی ریاست سے الگ کرکے اور دوسرے حکومتی اداروں سے جدا کرکے ایک مستقل ادارہ بنا دیا گیا۔

دیوان مظالم کی تشکیل اور اسکے اہم شعبے

دیوان مظالم کی تشکیل بہت سے ممبران سے عمل میں آتی ہے جو مشیر حضرات، شرعی تحقیق کار اور قانون دان افراد میں سے چنے جاتے ہیں۔ انکی درجہ بندی عدالتی کیڈر کے مطابق کی جاتی ہے قاضی صاحبان کی تنخواہوں کے اسکیل کے مطابق انہیں بھی وہی سہولتیں حاصل ہونگی جو کسی قاضی

۱۔ ام القریٰ نمبر ۱۵۷۷ مورخہ ۲۳۔ ۱۲۔ ۱۳۷۴ بمطابق ۱۲ اگست ۱۹۵۵ء

(جج) کو حاصل ہوتی ہیں دیوان مظالم کا ہیڈ آفس ریاض میں ہوگا جسکی ایک شاخ جدہ اور دوسری دمام میں ہوگی اس دیوان کے اہم ترین شعبے سربراہی کے علاوہ مندرجہ ذیل ہیں

ا۔ عدالتی شعبہ جسکی تشکیل یوں ہے۔

الف ۔: مقدمات کے چھان بین کی کمیٹی

ب ۔: قانونی مشاورتی کونسل (Advisory Council)

ج ۔: تحقیقاتی کونسل جسکی تشکیل میں شرعی تحقیق کار' انتظامی اور مالی امور کے ماہرین' میڈیکل تحقیق کار' اور انجینئرنگ کے ماہر شامل ہوتے ہیں۔ ہر ایک اپنے دائرہ عمل کے مطابق اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

۲۔ آفس برائے دعوائے عام

مجلس وزراء کی قرارداد نمبر ۱۴۶۷ مورخہ ۲۳۔۹۔۱۳۹۴ ہجری کے مطابق اس آفس کی تشکیل پائی تھی اور اسکے لئے مناسب تعداد میں شرعی علوم کے ماہروں' قانون دانوں کو ملازمت دینے کے لئے الگ سے بجٹ بنایا گیا تھا۔

دیوان مظالم کے اختصاصات

دیوان مظالم کے اختصاص میں قدیم روایات اور جدید تقاضوں کو شامل کر دیا گیا ہے مثلا موجودہ سربراہ دیوان کو بعض ایسے روایتی اختیارات بھی حاصل ہیں جو اسلام کے اولین دور کے ناظر برائے دیوان مظالم کو حاصل تھے اور اسی کے ساتھ اس کا کام ان جدید تہذیبی تنازعات میں چھان بین کرنا بھی ہے جسے اقتصادی جرائم کا نام دیا جاتا ہے' بس اس طرح دیوان مظالم کے اختیارات کی دو اقسام ہو جاتی ہیں۔ ایک شکایات کی تحقیق اور دوسرا بعض مسائل میں عدالتی فیصلہ کرنا اور یہ مندرجہ ذیل طریقہ کے مطابق ہوگا۔

ا۔ ان شکایات کی تحقیق کرنا جو دیوان مظالم کی طرف آتی ہیں یا ان کو اسکی طرف تحویل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اعلیٰ حکام کی طرف سے ان کو جو معاملات بھیجے جاتے ہیں ان میں وہ اپنا اختیار براہ راست استعمال کرتا ہے۔ اور جو شکایات افراد کی جانب سے پیش کی جاتی ہیں اور جن کا تعلق حکومتی اداروں کے خلاف شکایات سے ہوتا ہے انکی سماعت بھی دیوان کرتا ہے۔ اس کے سلسلے میں دیوان مظالم کا کام ہر شکایت کی چھان بین اور اسکے بارے میں اپنی رپورٹ تیار کرنا ہے اس کے بعد جو نتیجہ سامنے آتا ہے اور اس نتیجہ کے جو اسباب ہیں ان کو دیوان مظالم رپورٹ کے ساتھ سربراہ کو بھیجتا ہے اور اس کی ایک کاپی جلالہ الملک اور دوسری وزراء کی کونسل کے سکریٹریٹ کو بھیج دی جاتی ہے وزیر یا سربراہ مختص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی وصولی کے دو ہفتہ کے اندر اندر تجویز کردہ کاروائی کرنے یا نہ کرنے کے فیصلے سے دیوان مظالم کو آگاہ کردے۔ فیصلہ سے اختلاف کی صورت میں اسے سبب اختلاف کو بیان کرنا ہوگا۔ اس وقت دیوان مظالم اپنا فیصلہ جلالہ الملک کو پیش کرے گا تاکہ اس بارے میں ان کا حکم حاصل کیا جائے۔ دیوان مظالم کو کسی ایسی کاروائی کے بارے میں تجویز کا حق نہیں ہے جو نظام میں مذکور نہ ہو جب تک کہ اس کے لئے جلالہ الملک سے منظوری نہ حاصل کرلے۔ اگر شکایت خود اس وزیر یا دیوان کے خصوصی سربراہ کے خلاف ہو تو سربراہ دیوان مظالم اپنی رپورٹ اور تجاویز براہ راست جلالہ الملک کو پیش کرے گا ۔ تاکہ جو مناسب سمجھیں اس کا فیصلہ کریں۔(ا)

نظام دیوان مظالم نے سربراہ دیوان اور دوسرے نمائندہ افسران دیوان کو اپنے فرائض اور ذمہ داری ادا کرنے کے لئے پورے اختیارات دیئے ہیں۔ یہ افسران وزارتوں اور سرکاری دفاتر میں ریکارڈ دیکھنے تحقیقات کرنے متعلقہ ذمہ داروں سے پوچھ تاچھ کرنے ان کی اور ان کے گھروں کی تلاشی

ا۔ دیکھئے نظام دیوان مظالم آرٹیکل نمبر۲ (سنہ ۱۳۹۴ء) اور دیکھئے مذکورہ نظام کا آرٹیکل نمبر۵

لینے جیسے تمام کاموں کا حق رکھتے ہیں۔ بس شرط یہی ہے کہ اس میں عام حقوق کا احترام و لحاظ رکھا جائے۔

سابقہ تفصیلات کی روشنی میں سربراہ دیوان مظالم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ہر اس شکایت کو قبول کرے جس کا تعلق ان عدالتی فیصلوں پر اعتراض سے ہو جس میں کسی قاضی کی طرف سے صادر شدہ فیصلہ پر جانبداری کی بنیاد پر اعتراض کیا گیا ہو یا اس کے فیصلے میں اس غلطی کی نشاندھی کی جائے لیکن چونکہ نظام عدالت نے ایسے مقدمات میں رجوع کرنے کی حد بندی کر دی ہے۔ اس لئے ایسے اعتراضات و شکایات میں پھر سے سماعت کی درخواستوں کے لئے طریقۂ کار یہ رواج پا گیا ہے کہ دیوان مظالم ان امور سے متعلقہ شکایات و اعتراضات کو وزارت عدل کی طرف بھیج دیتا ہے کہ وہی اب ان مقدمات کی سماعت کے اختیارات رکھتی ہے۔

دیوان مظالم کے چھان بین سے متعلق فرائض

اس قسم کے مقدمات جن میں دیوان مظالم اپنے چھان بین کے فرائض انجام دیتا ہے۔ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ان جائز عزروں کی تحقیق کرنا جنہیں تنخواہ اور ملازمین اور پنشن یافتہ افراد اور مالیاتی استحقاق رکھنے والے ملازمین یا ان کے وارث اس لئے پیش کریں کہ انکی وجہ سے وہ وقت پر اپنا حق نہ لے سکے تھے۔

۲۔ وہ شکایات جسے کوئی متعلقہ فرد اپنی ملازمت' ترقی' الاؤنس اور بونس کے بارے میں صادر دفتری قطعی قرارداد کے فیصلہ کے خلاف اعتراض میں پیش کرتا ہے۔

۳۔ وہ شکایات جنہیں ملازمین اپنی سبکدوشی Retirement یا انتظامی اسباب سے تنبیہی انداز میں ملازمت سے برطرفی کے سلسلہ میں پیش کرتے ہیں مگر اس صورت می جبکہ یہ فیصلہ تادیبی کاروائی کے بورڈ سے صادر نہ ہوا ہو۔

۴۔ ٹیکس فیس وغیرہ کے تنازعات میں انتظامی جہات کی طرف سے صادر شدہ آخری فیصلوں کے خلاف شکایت۔

۵۔ مجلس وزراء کی قرار داد نمبر ۲۳۲ مورخہ ۲۵۔۵۔۷۷ ۱۳ ہجری پر عمل کرتے ہوئے نظام تدریس سے وابستہ افراد کے بارے میں تحقیق میں شرکت کرنا اور ان کے علاوہ حکام بالا کے کہنے پر ان دوسرے مقدمات میں تحقیق کرنا جن کی چھان بین دیوان مظالم کے فرائض میں شامل نہیں ہے۔ مگر اس کے لئے اس سے کہا جائے ان تمام باتوں کی اصل دلیل اسلامی تاریخ میں ناظر مظالم کے اختصاصات میں ہے۔ ہم اس سلسلے میں علماء سیاست شرعیہ کے اقوال ذکر کر چکے ہیں کہ ناظر مظالم کے اختصاصات میں اجرت پر کام کرنے والوں کی شکایات اور مزدوری کرنے والوں کی مزدوری سے متعلق شکایات وغیرہ امور آتے ہیں۔

– ۲ –

دیوان مظالم کے اختصاصات میں داخل مسائل کا عدالتی فیصلہ

اس میدان میں اسکے اختصاصات دو قسموں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔

۱ – وہ عدالتی اختصاص جسے دیوان مظالم براہ راست انجام دیتا ہے اور یہ کچھ یوں ہے۔

الف – ایک ایسا عدالتی ادارہ موجود ہے جسے رشوت جیسے مقدمات میں فیصلہ کے لئے تشکیل دیا گیا ہے۔ نظام برائے رشوت ستانی کے آرٹیکل نمبر ۱۷ پر انحصار کرتے ہوئے یہ فرمان شاہی مؤرخہ ۷۔۳۔۱۳۵۳ ہجری کے بموجب عمل میں لایا گیا۔ اس نظام میں منصوص شدہ جرائم کی تحقیق کے بعد اسے ایک ایسے ادارہ کے حوالہ کرنا ہے جسکی تشکیل میں یہ لوگ شامل ہیں۔ سربراہ برائے دیوان مظالم یا اس کا نائب دیوان مظالم میں مشیر حقوق اور مشیر مجلس وزراء جس کو اس کا سربراہ مقرر کرتا ہے اور وہ ادارہ کا ایک دائمی ممبر ہوتا ہے۔

ب۔ اسی طرح ادارہ مجلس وزراء کی قرار داد نمبر ۱۲۳۰ مؤرخہ ۱۳-۱۲-۹۴ ہجری جو (سابقہ نمبر ۷۲۵ مؤرخہ ۱۹-۹-۱۳۹۱ ہجری کی ترمیم شدہ قرار داد ہے) کی بنا پر دھوکہ دہی کے مقدمات کے فیصلہ کرتا ہے آخری ترمیم میں آرٹیکل (۱۷) کے مطابق دیوان کے اس تحقیق کو اب ادارۂ برائے انسداد رشوت ستانی کے سپرد کر دیا ہے۔ اس طرح اس ادارہ کا کام مقدمات رشوت ستانی' میں اسی طرح فیصلہ کرنا ہے جس طرح دھوکہ دہی میں وہ فیصلہ کرتا ہے مگر اس کے فیصلے سربراہ مجلس وزراء کی تصدیق کے بعد ہی حتمی و قطعی ہونگے۔ ۲۵-۴-۱۳۹۲ ہجری میں نمبر ۳۶۳ کے تحت مجلس وزراء کی قرار داد سابقہ جرائم میں محکمانہ حدبندی سے متعلق صادر ہوئی اس میں طے کیا گیا کہ ادارہ صرف ان مقدمات کی اعتبار کر سکے گا جس میں کمیٹی کسی متعین شخص یا بہت سے اشخاص پر الزام کی تحقیقات پوری کر چکی ہو۔ ان کے علاوہ مقدمات میں سربراہ دیوان مظالم اور اس کا نائب تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے ساتھ معاملے کو متعلقہ اداروں کو بھیج دے گا۔

ج۔ دیوان مظالم اسرائیل کے بائیکاٹ سے پیدا شدہ مقدمات کی بھی سماعت کرے گا۔ یہ حکم بذریعہ شاہی اعلان نمبر ۳۸ مؤرخہ ۲۵-۶-۱۳۸۲ ہجری میں صادر ہوا تھا اور نظام مذکور کے آرٹیکل نمبر ۱۲ میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔ مجلس وزراء کی قرار داد نمبر ۱۴۶۷ سنہ ۱۳۹۴ ہجری سے یہ اجازت بھی ملتی ہے کہ رشوت کے مقدمات اور اسرائیل سے بائیکاٹ کے مسئلہ پر فوجداری مقدمات کے سلسلہ میں نائب عام (اٹارنی جنرل) کو دیوان کی مذکورہ دونوں کمیٹیوں میں بلایا جا سکتا ہے۔ (۱)

د۔ بحیثیت عدالتی اختیار رکھنے والے ادارے کے دیوان مظالم کے اختصاص میں حکومتی اداروں کے خلاف ٹھیکہ داروں کے مقدمات پر غور کرنا بھی شامل ہے۔ اس طرح دیوان مظالم کو ایسے معاملے میں بھی سماعت کا حق حاصل ہے جو کسی صنعتی یا تجارتی پروجکٹ کی تعمیر سے متعلق ہو اور جسکی

۱۔ قرار داد کی اصل عبارت کو سول سرویز کے تربیتی انسٹیٹوٹ ریاض کے مجلہ مکتبہ الادارہ کے شمارہ (۱) سنہ ۱۳۹۵ھ - ۱۹۷۵ء میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اجازت وزیر تجارت نے دی ہو اور اس میں غیر ملکی سرمایہ لگا ہو۔ دیوان ایسے مقدمے کے اپنے فیصلے میں لائسنس کے معطل کرنے کا فیصلہ دے سکتا ہے یا اس معاملے کو بالکل ختم کرنے کا فیصلہ دے سکتا ہے بشرطیکہ یہ فیصلہ لائسنس کے صادر ہونے کے ایک ماہ کے اندر آ جائے۔ دیوان مظالم کا حکم قطعی و آخری ہوگا۔

ھ۔ اسی طرح غیر ملکی احکام کی تنفیذ کے تعلق سے دیوان مظالم ہی وہ ادارہ ہے جو ایسے معاملات کی سماعت کر سکتا ہے ان احکام میں وہ معاہدہ بھی شامل ہیں جنکی تنفیذ پر عرب لیگ کے ممبران بشمول مملکت کے اتفاق ہو چکا ہو۔ مملکت نے عرب لیگ کے ساتھ معاہدے کی تصدیق مؤرخہ ۵۔۴۔۱۹۵۴ عیسوی میں کی تھی۔ مجلس وزراء کی قرارداد نمبر ۲۵۱ مؤرخہ ۲۸۔۱۲۔۱۳۹۷ ہجری میں یہ بات طے کی گئی کہ دیوان مظالم ہی وہ متعلقہ اتھارٹی ہے کہ جنکی طرف بیرونی احکام کی تنفیذ کے سلسلے میں رجوع کیا جائے گا۔

وہ عدالتی اختصاص جسے دیوان مظالم دوسرے عدالتی اداروں کے اشتراک سے انجام دیتا ہے

بعض اختصاصات ایسے بھی ہیں کہ جن میں دیوان مظالم دوسرے عدالتی اداروں کے ساتھ شریک ہوتا ہے وہ یہ ہیں:-

الف۔ شاہی اعلان نمبر ۱۶ مؤرخہ ۷۔۳۔۱۳۸۲ ہجری کے بموجب ملازمین اور ان کے خاندان کے ذریعہ آمدنی کا اور ان کی دولت کا محاسبہ کرنا۔

ب۔ ملکی سلامتی کے شعبہ سے منسلک ان افسروں کے لئے خصوصی تادیبی کمیٹیوں میں شرکت جس کا رتبہ جنرل یا لفٹیننٹ جنرل کے برابر ہے نظام برائے داخلی امن فوج کے آرٹیکل نمبر ۱۳۲ بموجب شاہی فرمان نمبر ۳۰ مؤرخہ ۴۔۱۲۔۱۳۸۴ ھ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ اب ایسی تادیبی کمیٹیاں دیوان مظالم کے ساتھ اشتراک سے کام کریں گی۔

ج۔ ان اشخاص کی شکایات کی چھان بین میں شرکت کرنا جن کو عام سرکاری اداروں سے لین دین سے روک دیا گیا ہو یا وہ ٹھیکیدار جن کو دھوکہ و فریب کی وجہ سے حکومتی ٹینڈر میں حصہ لینے والوں کی فہرست سے نکالا گیا ہو انکے معاملے دیکھنا۔ اس کے علاوہ اس طرح کے وہ دوسرے اختصاصات جو انتظامی تنازعات کی تعریف سے بسا اوقات الگ ہوتے ہیں گذشتہ ان میں غور کرنا عمل یہ بھی رہا تھا کہ دیوان مظالم مزدوروں کے مقدمات میں بھی چھان بین کرتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ وزارت عمل واجتماعی معاملات کی طرف سے[1] عمل و عمال کے مقدمات سے متعلق کمیٹیاں تشکیل دیدی گئیں۔

اس تفصیل سے دیوان مظالم کے فرائض کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے مگر اسی کے ساتھ اسی وقت تک دیوان مظالم کے اختصاصات قطعی اور واضح صورت میں بیان نہیں کئے گئے ہیں۔ خالص انتظامی تنازعات میں اسکی روایتی محدودیت بھی منظر عام پر آجاتی ہے کیونکہ اس میں جو روایت بنی ہے وہ بھی یہ ہے کہ اس کو وہ اختیارات ملے ہیں جن میں اس کا دوسرے متعلقہ اداروں سے ٹکراؤ نہ ہو پھر بھی اس میں ابہام کی گنجائش رہتی ہے۔

مملکت میں دیوان مظالم اور مصر میں کونسل آف اسٹیٹ کے مابین نمایاں مشابہت واختلافات

بعض محققین مملکت کے دیوان مظالم کو دوسرے ممالک مثلاً مصر کی کونسل آف اسٹیٹ سے تشبیہ دیتے ہیں کیونکہ دونوں کے اختصاص میں انتظامی قرار داد اداروں اور تصرفات کے خلاف 'بغیر عدالتی فیصلہ صادر کئے تحقیق و غور کرنا قدر مشترک ہے مثلاً ادارہ اور افراد کے درمیان محکمانہ معاہدوں کے تنازعات جیسے مسائل میں ان دونوں کا عمل صرف سزا کی تحدید کے ساتھ اپنی تجویز پیش کرنا ہے۔ یہ تو ہوا ان میں مماثلت کا پہلو۔

۱۔ سعد علام۔ القضاء الاداری بالمملکۃ

ان میں وجہ اختلاف دیکھیں تو مملکت میں دیوان مظالم کے اختصاص میں رشوت و دھوکہ دہی جیسے جرائم کی چھان بین شامل ہے جبکہ کونسل آف اسٹیٹ کے کام خالص انتظامی نوعیت کے تنازعات پر نظر تک محدود ہیں ان جرائم پر غور کے سلسلہ میں دیوان کو حق سماعت کا جواز یوں دیا جا سکتا ہے کہ جزوی طور پر حکومتی ملازمین ہونے کے ناطے ان میں دفتری پہلو آگیا ہے۔ تا ہم تمام مذکورہ تنازعات میں ایسا نہیں ہے جس سے ہمارے سابقہ قول کو تقویت ملتی ہے کہ مملکت کا دیوان مظالم دوسرے ممالک کے اس سے ملتے جلتے اداروں سے بالکل ہم آہنگ بھی نہیں ہے۔

دیوان مظالم کا عدالتی مقام

دیوان مظالم کی عدالتی حیثیت کے بارے میں یہ سوال دوسرے بھی اٹھاتے ہیں اور ہمارے لئے بھی یہ سوال اہم ہے کہ کیا دیوان مظالم واقعہ ایک عدالتی ادارہ ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو کیا وہ عدالت عامہ ہے یا عدالت انتظامی؟ اور اگر وہ عدالت عامہ ہے یا عدالت انتظامی ہے تو کس درجہ کی ہے؟ درجہ اول کی یا درجہ اپیل کی؟

سابقہ بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ موجودہ دیوان مظالم اپنی کارکردگی کے اعتبار سے ویسا ہی ہے جس طرح کہ خلافت اسلامیہ میں دیوان مظالم ہوا کرتا تھا جو مختلف کام انجام دیتا تھا ان میں انتظامی معاملات سے لیکر عام معاملات اور عام مشاورتی ذمہ داری سب ہی کام آتے تھے مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ دیوان مظالم سابقہ دیوان مظالم کی نسبت اپنے حدود کار اور اختیارات میں محدود ہے دیوان مظالم کوئی عدالت اپیل نہ تھی کیونکہ عدالت برائے اپیل کے سامنے مقدمہ ابتدائی شکل میں نہیں آتا ہے۔ اس کا کام تو ابتدائی درجہ کی عدالت کے حکام میں اعتراض نہیں کرنا ہے کہ مقدمہ پر نظر ثانی کرے۔

پس دیوان مظالم اپنے انتظامی اختصاص کے باعث اعلیٰ انتظامی عدالت یا اعلیٰ مجلس برائے

انتظامیہ سے قریب تر ہے۔ مگر دوسری طرف اس کا عدالتی مقام جس اہمیت کا متقاضی تھا اسے اس سے بہت کم حاصل ہے۔ اسی طرح دیوان عدالتی اختیارات کو حاکم کے حکم ہی سے انجام دیتا ہے۔ اس طرح یہ فرانس کے دور اول کی انتظامی عدالت سے بہت حد تک ملتا جلتا ہے کہ وہ بھی اپنا فیصلہ نہیں دے سکتی تھی۔ بلکہ مقدمات کے بارے میں ایک حل انتظامی سربراہ کو اس کی منظوری حاصل کرنے کے لئے پیش کرتی تھی یہ مرحلہ جو سن ۱۸۷۲ء تک چلا اسے عدلیہ کی تاریخ میں "مقید عدالتی اختیار" کا زمانہ کہا جاتا ہے۔(۱)

اگر چہ دیوان مظالم اسلامی نقطۂ نگاہ سے ایک عدالتی جہت سمجھی جاتی ہے یقیناً شریعت ولی الامر' امام' خلیفہ' بادشاہ یا سربراہ حکومت کو جبکہ وہ عالم شریعت بھی ہو خود فیصلہ کرنے کا اختیار دیتی ہے۔ لیکن ہم پھر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ دیوان کی قانونی پوزیشن درست کرکے اسے ایک ایسا محکمہ بنا دیا جائے جو ایسے احکام صادر کرے جنکی پابندی ضروری ہو تاکہ وہ محصور قضاء کے مرحلہ سے نکل کر با اختیار فیصلہ کے ادارے کی طرف آجائے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ دیوان مظالم کے اختیارات پر نظر ثانی کی جائے اور جن اختیارات کی وہ مستحق ہے اسے دیئے جائیں۔ خصوصاً وہ اختیارات جو انتظامی فیصلہ جات سے تعلق رکھتے ہیں اسی طرح وزراء کے محاسبے اور ان کے خلاف مقدمے کی سماعت کا اختیار بھی اسکو دیا جائے یہ بات بھی طے کر دی جائے کہ تادیبی کمیٹیاں (انتظامی عدالتیں) دیوان مظالم کے ماتحت ہونگی۔(۲) تاکہ انکے فیصلے کے خلاف اپیل کا حق دیوان کو حاصل ہو سکے۔ اور

۱۔ دیکھئے سلیمان محمد الطحاوی کی کتاب القضاء الاداری جلد اول صفحہ ۴۰

۲۔ اس ریسرچ کے لکھے جانے کے بعد شاہی فرمان نمبر م۔۵۱ بتاریخ ۱۷۔۷۔۱۴۰۲ھ جاری ہوا جس میں دیوان کو اسی شکل مین لایا گیا جو ہماری خواہش کے مطابق ہونا چاہئے تھا۔ آرٹیکل نمبر ۴ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ ملازمین کے ادارہ تادیب کے اختصاصات اور مجلس وزراء کی قرار داد کے اختصاصات دیوان مظالم کے سپرد کر دئے جائیں گے مزید یہ تمام تادیبی مقدمات اس کے سپرد کئے جائینگے اس طرح دیوان مظالم کے بجٹ میں ادارہ تادیب کا بجٹ ضم کر دیا گیا اور اس کے ممبران تمام ملازمین و معاونین کو مظالم کونسل کی طرف منتقل کر دیا گیا اور ایک دوسرے اعلان میں یہ حکم دیا گیا کہ اس کی تاریخ نشر سے ایک سال بعد سے اس پر عمل در آمد ہوگا۔ دیکھئے البلاد شمارہ نمبر ۷۰۴۲ سوموار ۲۴ رجب ۱۴۰۴ھ

انتظامی قضاء کے بارے میں تمام اصول اور انکے مطابق اجتہادی تفصیلات دیوان کے نگرانی میں ہوں اور اس طرح مجالس کی قرار داد میں جو تضادات اور ٹکراؤ ہوتے ہیں ان کو دور کیا جا سکے اور مختلف اطراف کے الگ الگ نقطۂ نظر سے جو افراط تفریط ہوتی ہے اسے ختم کیا جا سکے اور وہی قانون لاگو ہو جو شریعت اسلامیہ اور سیاست شرعیہ کے مبادی اصول سے موافقت رکھتا ہو' اس کے علاوہ اور دوسرے قانون ختم کر دیئے جائیں۔

- ۲ -

سرکاری ملازمین کے لئے تحقیق و تادیب کی باڈی۔

حکومتی ملازمین کے تادیبی قواعد اس قدیم نظام عامہ کے مطابق تھے جن کا اجراء مئورخہ ۲۹-۱۱-۷۷ ۱۳ ہجری بمطابق ۱۶-۶-۱۹۵۸ عیسوی میں ہوا تھا۔ ان قواعد کی تطبیق سے وزراء اور جو ان کے منصب کے برابر نہیں ان کو اس نظام سے مستثنی کر کے ان کے لئے خصوصی عدالتی نظام صادر کیا گیا تھا جس کے متعلق ہم بعد میں جائزہ لینگے۔

قدیم نظام نے ملازمین کی ان سزاؤں کی حد بندی کی تھی جنکی تطبیق حکومتی ملازمین پر ممکن تھی اور ان اطراف کی تخصیص کر دی تھی جو انہیں طے کریں گی۔ ان اطراف کی دو اقسام ہیں:۔

۱۔ سربراہی اختیاراتی قسم

۲۔ تادیبی کمیٹیاں۔ ان کمیٹیوں کی دو اقسام ہیں:۔

الف۔ خصوصی تادیبی کمیٹی' ان کا کام ان حکومتی ملازمین کے فیصلے کرنا ہے جن کا گریڈ عام درجہ دوم سے زیادہ ہو۔ (قدیم گریڈ کے نظام کے مطابق)(اس سے وزراء ظاہر ہے مستثنی ہونگے) اس کمیٹی کی تشکیل یوں ہوگی۔

☆ دو وزیر جنہیں سربراہ وزراء کونسل چنے گا۔

☆ سربراہ دیوان مظالم یا اس کا نائب

☆ وزارتوں میں سے دو کے سکریٹری اس شرط کے ساتھ کہ ان وزراء میں سے یا انکے سکریٹری میں سے کوئی اس وزارت سے نہ ہو گا جسکے ماتحت ملازم پر مقدمہ ہو۔

☆ وزراء کونسل کی طرف سے نامزد ایک قانونی مشیر۔

☆ ایک اس ممبر کا انتخاب جس کا نام تادیبی کمیٹی کے سامنے ملزم پیش کرے گا۔

ب۔ وہ دوسرے ملازمین جن کا گریڈ تیسرے درجہ یا اس سے کم ہو (قدیم نظام کے مطابق) ان کا فیصلہ ابتدائی تادیبی مجلس میں ہی کر دیا جائے گا۔

ان کمیٹیوں کی تشکیل مندرجہ ذیل افراد سے ہوگی:۔

ا۔ سرکاری ادارے دو دائرکٹر جنرل جن میں زیادہ سینئر سربراہ ہو گا۔

۲۔ سول سروسز کا ایک نمائندہ لیا جائیگا جو عدالت میں پیش ملزم کے رتبہ سے کم نہ ہو گا۔

ان کمیٹیوں کے فیصلوں کو اپیل کمیٹیوں کے سامنے ضرورت پیش آنے کی صورت میں پیش کیا کیا جا سکتا ہے اپیل کمیٹی مجلس وزراء کی قرارداد کے مطابق اس طرح تشکیل دی جائیگی۔

☆ وہ سکریٹری وزارت جو اس وزارت سے نہ ہو گا جس کے ماتحت ملازم کا معاملہ ابتدائی تادیبی کمیٹی کے سپرد کیا گیا تھا۔

☆ سول سروسز کا نائب سربراہ۔

☆ ڈائرکٹر جنرل کے درجہ کے برابر قانونی مشیر۔

☆ افسر ممبر برتبہ ڈائرکٹر جنرل۔

سرکاری ملازمین کا قدیم نظام اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ مجلس وزراء کی قرارداد نمبر ۱۰۲۳ مئورخہ ۲۸۔۱۰۔۱۳۹۰ ہجری میں جاری ہوئی جس میں تادیبی فیصلوں کے لئے مستحکم بنیادوں پر مستقل اداروں کی تشکیل کی گئی یہ نیا نظام چار اقسام کے ساتھ نافذ العمل ہوا۔ پہلی قسم میں ادارہ تحقیق دوسری قسم میں ادارہ تأدیب تیسری قسم میں اصول تحقیق و تادیب اور چوتھی قسم میں احکام عامہ ہیں۔

چنانچہ اس نظام کے بموجب دو آزاد اداروں کی تشکیل کی گئی جو براہ راست سربراہ وزراء کونسل کے سامنے جوابدہ تھے۔ یہ دونوں ادارے ہیں۔

الف۔: ادارہ برائے نگرانی و تحقیق ۔

ب۔: ادارہ تادیب ۔

ان دونوں اداروں کا سربراہ وزیر مملکت کے ہم رتبہ ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد ایک اور حکم کے ذریعے ان دونوں کو بھی ایک ادارہ میں ضم کر دیا گیا جس کا سربراہ وزیر مملکت کے ہم رتبہ شخص ہوتا ہے۔

ادارہ تحقیق یا انتظامی اٹارنی کے اختصاصات اور کارروائیاں

نظام برائے تادیب ملازمین کے آرٹیکل نمبر پانچ میں ادارہ تحقیق و نگرانی کے چار اختصاصات کی حد بندی یوں کی گئی ہے۔

۱۔ انتظامی و مالی بے قاعدگیوں کو منظر عام پر لانے کے لئے نگرانی اور اس کی لازمی کارروائی۔

۲۔ ان شکایات کی چھان بین کرنا جو مالی و انتظامی بے قاعدگیوں کے سلسلہ میں متعلقہ وزراء یا سرکاری جہت کی طرف سے ادارہ کو سپرد کی جائیں۔

۳۔ ادارہ تادیب کے سامنے پیش کردہ دعوے کی نظام کے مطابق پیروی کرنا۔

ان اختصاصات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ ادارہ سرکاری دفاتر کے ملازمین اور حکومت سے وابستہ افراد کی نگرانی کا کام اپنے طور پر انجام دیتا ہے جس کے لئے اسے یہ ضرورت نہیں کہ اس کے سامنے شکایت آئے تب ہی وہ معاملہ پر توجہ دے۔ ملازم اگر دوران کار کوتاہی کرتا ہے یا خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ ادارہ اسکا محاسبہ کر سکتا ہے۔ چاہے یہ بے قاعدگی قصداً ہو یا ملازم کی غفلت کا نتیجہ ہو۔ نظام نے عمل تحقیق کی بجا آوری کے سلسلہ میں بعض کاروائیوں اور گارنٹیوں کو ضروری قرار

دیا ہے لہٰذا جب کسی فوجداری نوعیت کے جرم کی نشاندہی ہو جائے تو ادارہ اس کے کاغذات فیصلہ کے لئے مخصوص جہت کے حوالہ کرے گا اور حتمی فیصلہ تک تمام تحقیقاتی و تادیبی کاروائیاں روک دی جائینگی۔ جب ادارہ کو معلوم ہو جائے کہ ملازم پر عاید کردہ الزامات درست ہیں اور سزا لازم آتی ہے تو وہ اسے تادیبی کمیٹی کے سپرد کردے گا۔ چنانچہ اس طرح ادارہ برائے نگرانی و تحقیق اپنے طرز عمل کے اعتبار سے بعض عرب ممالک میں قائم ادارہ برائے انتظامی نمائندگی سے مشابہ ہے۔ کیونکہ دونوں ہی نگرانی و تحقیق کے لحاظ سے یکساں ہیں مگر حکم کے اعتبار سے نہیں ان دونوں کا کام نتائج تحقیق کو تیار کرکے فیصلہ کے لئے مختص جہت کے سپرد کردینے کے بعد ختم ہو جاتا ہے چاہے فوجداری جرم کا تعلق قضاء عام سے ہو یا تادیبی کمیٹیوں سے۔

تأدیبی ادارے یا انتظامی عدالتیں

"تأدیبی ادارہ" کا اختصاص حسب نظام ان مقدمات تک محدود ہے جنہیں ادارہ برائے نگرانی و تحقیق کی جانب سے اسکے سپرد کیا جاتا ہے۔ جو کچھ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اس کے مطابق ادارہ کی کاروائی مکمل ہو جانے کے بعد ضروری ہے کہ وہ مقدمہ تحقیقاتی ادارہ کے ذریعے تأدیبی ادارہ تک پہنچے۔ نظام کی دفعہ نمبر۴۹ میں یہ طے کردیا گیا ہے کہ "جلالہ الملک کے فرمان کی بنا پر اب ہو سکتا ہے کہ ملازمین سے متعلق دوسرے فوجداری احکام کی تطبیق کا اختیار ادارہ نگرانی و تحقیق یا "تادیبی ادارہ" کو دیا جائے "تأدیبی ادارہ" پیش کردہ مقدمات کی چھان بین کرنے کے لئے عدالتی کمیٹی کی تشکیل دیگا۔ جس کا ایک سربراہ دو ممبر اور ایک سکریٹری اور ان کے علاوہ ادارہ برائے تحقیق کا ایک نمائندہ صرف بطور مبصر کے ہوگا۔ یہ مذکورہ نمائندہ تشکیل شدہ عدالتی کمیٹی کا ممبر نہیں ہوگا۔ اور نہ فیصلہ کے وقت ووٹ کا حق رکھے گا وہ یہاں موجود رہ کر ملزم کے بارے میں جو کچھ ادارہ تحقیق میں ہوا' اسکو بتائے گا اور سزا نافذ کرنے کا مطالبہ کرے گا۔ اسی لئے نظام اس نمائندہ کو اجازت دیتا ہے کہ

وہ کسی معقول سبب کی بنیاد پر کسی ممبر کے ہٹانے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ نظام نے اسی طرح ملزم کو بھی یہ حق دیا ہے کہ وہ کسی ممبر کے ذاتی اسباب کی بنیاد پر ہٹانے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ نظام میں یہ بھی طے ہے کہ ملزم کو میٹنگ کی تاریخ اور فیصلے صادر کرنے کے اسباب سے باخبر کیا جائے گا اس ادارہ کا فیصلہ دو گریڈ تک کے ملازمین کے لئے قطعی ہوگا جو ملزم گریڈ گیارہ سے اوپر کے ہیں انکے فیصلے کی قطعی حیثیت وزراء کونسل کے سربراہ کی منظوری کے بعد ہی ہوگی اس کے باوجود نظام نے مندرجہ ذیل دو حالتوں میں حکام کو اس ادارہ کے فیصلوں پر نظر ثانی کی اجازت دی ہے۔

۱۔ اگر تطبیق نظام یا اسکی تاویل میں قرارداد میں غلطی ہوئی ہو۔

۲۔ ایسی دستاویز یا ثبوت سامنے آئیں جنکا فیصلہ صادر کرنے کے وقت علم نہ ہوا تھا۔ اور ان کے باعث ملزم بری ہوتا ہو۔ موضوع کی سنگینی کو مدنظر رکھتے ہوئے نظر ثانی کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے گی اگر وہ نظر ثانی کی ضرورت تسلیم کرے تو سربراہ مجلس وزراء کی اجازت حاصل کرنے کے بعد نظر ثانی کی جائیگی۔ جس فیصلہ میں نظر ثانی کی قرار ہو جائے اسکے نفاذ سے روکنے کا حق نظام نے مجلس محاکم (عدالتوں کی کونسل) پر چھوڑ دیا ہے۔

نظام نے تادیبی سزائیں بھی تجویز کی ہیں مثلاً ڈرانا، ملامت کرنا، تنخواہ سے کٹوتی، الاؤنس وغیرہ سے محرومی اور نوکری سے برطرفی۔ بہرحال یہ سزائیں افسران (ملازمین) کی تنخواہوں کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں اس طرح افسر متہم (ملزم) کو حق حاصل ہے کہ ان سزاؤں کے خلاف عام عدالت میں دعوی دائر کر سکے یا معاوضہ و ہرجانہ کا مطالبہ کرے۔ جس طرح تحقیقاتی ادارہ کو انتظامی نمائندگی کے ادارہ سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح تادیبی ادارہ کو بعض عرب ممالک مثلاً مصر میں سٹیٹ کونسل کی انتظامی عدالت کے ماتحت انتظامی عدالتوں سے تشبیہ دی گئی ہے، اس لئے کہ یہ اپنی قانونی حیثیت میں ایک فیصلہ دینے والا ادارہ ہے جو صرف نگرانی و تحقیق تک محدود نہیں ہے پھر دوسرے پہلو سے اس کے لئے مقرر کردہ اور ذمہ داریاں ہیں جنکی ضمانت اسے حاصل ہے۔

- ۳ -

وزراء کے خلاف سماعت کرنے کا ادارہ(Tribunal)

اور اسکے اختیارات

افسران حکومت سے متعلق خصوصی تادیبی کاروائیوں کے سلسلہ میں ہم بتا چکے ہیں کہ ملازموں کی تادیب کے قانون سے وزراء مستثنیٰ ہیں یہاں پر ہم انتظامی عدالتوں کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں اور عوام پر حکام کے ظلم و زیادتی پر غور و فکر دیوان مظالم کا اختصاص ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ یہاں "ادارہ برائے سماعت مقدمات وزراء" کا ذکر کیا جائے نظام میں اس کو وزراء سے بازپرس کا نام دیا گیا ہے۔ (۱)

نظام سماعت برائے مقدمات وزراء کے دائرہ میں تمام وزراء اور انکے ہم رتبہ تمام افراد آتے ہیں اور اس نظام میں جرم کرنا اور جرم میں شریک ہونا دونوں حیثیت سے نظام کے متعین کردہ قواعد کی خلاف ورزی عدالتی معاملات میں دخل اندازی کے جرم سے لیکر غداری (خیانت عظمیٰ) سب آتے ہیں۔ اس طرح سزائیں بھی تین سال کی قید سے لیکر دس سال تک اور سزائے موت تک دی جاسکتی ہیں۔

مرحلہ سماعت Trail سے قبل مرحلہ تفتیش و تحقیقات :

جب کہ ہر الزام پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اسکی تحقیقات اور ملزم سے پوچھ تاچھ کا عمل پورا کرلیا جائے۔ نظام مذکور میں بھی یہ طے شدہ ہے کہ کوئی وزیر یا اسکے ہم مرتبہ شخص کے ارتکاب

۱۔ دیکھئے شاہی فرمان سے صادر شدہ نظام محاکمہ الوزراء نمبر ۸۸ مورخہ ۲۲۔ ۹۔ ۱۳۸۰ھ

جرم کے سلسلہ میں دلائل قائم کرنے سے قبل تحقیق عمل مکمل کرلیا جائے۔ نیز اس نظام کے مطابق سربراہ وزراء کونسل اور وزیروں یا ان کے ہم مرتبہ دو افراد' ایک شرعی ممبر جو کم از کم سربراہ عدالت عالیہ کے برابر ہو۔ پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کی جائیگی جو تحقیق کے فرائض انجام دیکر تیس دن کے اندر اپنی رپورٹ سربراہ مجلس وزراء کو پیش کرے گی' پھر سربراہ مجلس وزراء ملزم کی غیر موجودگی میں پندرہ روز کے اندر اندر اس رپورٹ پر گفتگو کے لئے مجلس وزراء کی نشست مقرر کرے گا اور مجلس وزراء اپنا فیصلہ دیگی۔ اگر الزام میں جان ہے تو ایک عدالتی ادارہ تشکیل دیا جائیگا اور مقدمات کے کاغذات اسکے سپرد کردیئے جائینگے اور پیش کردہ فیصلہ کی کاپی ملزم کو پہنچادی جائیگی۔ نظام نے عدالتی کاروائی کے درمیان وزراء کونسل کو اختیار دیا ہے کہ وہ ملزم کو نظربند کرے یا اسکے قید مدت متعین کرے۔

مرحلہ سماعت Trail

نظام میں طے شدہ قانون کے مطابق ادارہ سماعت بذریعہ قرعہ اندازی تین وزراء' دو شرعی علوم کے ماہرین جنکا رتبہ کم ازکم سربراہ عدالت عالیہ کے برابر ہو۔ اسے تشکیل دی جائیگی۔ ان میں سے کسی کا ملزم سے کسی قسم کا تعلق و رشتہ داری نہ ہونا چاہئے۔ ان کا سربراہ ان میں سب سے زیادہ سینئر ہوگا اسی طرح یہ قانون بھی طے شدہ ہے کہ دعوی عام کے لئے ادارۂ سماعت کے سامنے پیش ہوگا جسے سربراہ مجلس وزراء منتخب کرے گا اور اسی طرح نظام نے ملزم کو نشست کے انعقاد سے ۸ دن قبل آگاہ کرنے کا طریقہ کار رکھا ہے۔ یہ اطلاع اسے مدعی عام Public Prosecutor(1) دے گا' نظام میں یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ ادارۂ سماعت کی نشست وزیر متہم کی موجودگی میں منعقد ہوگی اور اسکے علم کے باوجود غیرحاضری کی صورت میں آئندہ کے لئے نشست کا وقت مقرر کیا جائیگا۔ ملزم عدالت میں اپنی صفائی کے لئے وکیل کی خدمت حاصل کرسکتا ہے۔ نظام میں یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ ادارہ کا

ا۔ پیروکار سرکار جس کو حکومت مقامی اس غرض سے مقرر کرتی ہے کہ وہ مقدمات میں سرکار کی طرف سے پیروی کرے

فیصلہ ممبران کی اکثریت سے کیا جائیگا۔ اسکی نشست تمام ممبران کی حاضری کے بغیر درست نہ سمجھی جائیگی' کسی ممبر کی غیر حاضری کی صورت میں سربراہ مجلس وزراء دوسرے ممبر کا انتخاب کرے گا۔ نظام نے ادارہ سماعت مقدمات کے اختیارات کو معین کر دیا ہے کہ جس جرم کا چارج شیٹ میں ذکر نہ ہو متہم کو اس پر سزا نہ دی جائے گی اور نہ ہی اسے ان جرائم وسزاؤں کا فیصلہ سنایا جائے گا جو نظام میں شامل نہ ہوں۔ نظام نے ادارہ کے فیصلہ کو حتمی و آخری قرار دیا ہے جو فوری نافذ العمل ہیں اور جن پر سوائے تین حالتوں کے اعتراض جائز نہ ہو گا۔

۱۔ قتل کا فیصلہ اس وقت نافذ العمل نہ ہو گا جب تک بالاتفاق صادر نہ ہو۔ اگر ممبران کی اکثریت سے صادر ہوتا ہے تو ایسی صورت میں حتمی فیصلہ کیلئے آگے پیش کر دیا جائے گا۔

۲۔ جلالہ الملک کے حضور متہم کی درخواست فریاد اسی (نظام کی معینہ حدود میں) دیدی گئی ہو۔

۳۔ کسی بھی حالت میں جلالہ الملک کی طرف سے سزا کی معافی یا اس میں تخفیف کے حکم کا صادر ہو جانے پر۔

ادارۂ برائے سماعت مقدمات وزراء کے اختتام پر جو پہلے کیا جا چکا ہے وہی یہاں کہیں گے کہ یہ فریاد اسی کا موضوع ہے اور اس پر سماعت کا حق دیوان مظالم کو زیادہ ہے اور اس کے لئے اس ایک کمیٹی کی ضرورت نہ تھی۔ اور اگر اسے ایسا مقدمہ مان لیں جو ایک فرد کے دوسرے سے تنازع کا ہے تو پھر اسکے لئے عام عدالت ہی کافی ہے اور شرعی تدبیر مملکت کے ماہرین کی رائے بھی یہی ہے۔

- ۴ -

تأدیبی کمیٹیاں برائے داخلی سلامتی کی فورس

یہاں تأدیبی کمیٹیوں سے مراد وہ ادارے ہیں جو داخلی امن فورس کے نظام کے مطابق اس سیکٹر Sector سے منسوب افراد کے لئے ان کے درمیان واقع ہونے والے جرائم و بدعنوانیوں کی چھان بین کے لئے تشکیل دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ تأدیبی کمیٹیاں ان جرائم کے لئے خاص ہیں۔ داخلی امن فورس میں پولیس، ساحلی گارڈ، سرحدی گارڈ، فائر بریگیڈ، سی آئی ڈی، اور وہ تمام فوجی قوتیں شامل ہیں جو اندورن ملک میں اپنے فرائض سرانجام دیتی ہیں۔ ان تمام کے حق میں نظام برائے داخلی امن فورس بموجب شاہی اعلان نمبر ۳۱ مورخہ ۴۔ ۱۲۔ ۱۳۸۴ ہجری میں صادر ہوا۔ جو نظام امن عامہ سے متعلق ایک شاہی فرمان کے تحت نمبر ۱۵۹۴ مورخہ ۲۹۔ ۲۔ ۱۳۷۹ ہجری میں جاری کردہ کی جگہ نافذالعمل ہوا تھا۔ (۱)

نظام برائے داخلی امن فورس نے جن جرائم کی حدبندی کی ان میں وہ جرائم شامل ہیں جسکے متعلق نظام برائے فوجی عقوبات میں قانون وضع کیا گیا ہے۔ اور جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے ان پر مزید اضافہ ان خلاف ورزیوں کا کیا جا سکتا ہے جن کا ارتکاب داخلی امن فورس کے افراد کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

سرکاری رازوں کا جن سے وہ اپنی ملازمت کے دور میں واقف ہوتے ہیں ان کا افشاء خواہ ملازمت کے بعد ہی ہو خفیہ معلومات کا بیان کرنا جو اسکے عمل سے متعلق ہو یا کسی سیاسی عمل میں مشغول ہونا، غیر ملکی عورت سے شادی کرنا۔ (۲) تجارت و آزاد صنعت و حرفت کو اپنانا ٹھیکہ داری میں شراکت، کمپنیوں میں شراکت یا ان کی انتظامی کمیٹی میں کوئی عہدہ قبول کرنا۔

۱۔ دیکھئے داخلی امن فوج کے نظام کا دفعہ ۱۶۷

۲۔ دیکھئے مجلس وزراء کی قرارداد نمبر ۸۳۴ مورخہ ۱۰۔ ۷۔ ۱۳۹۳ھ

بس ان مذکورہ جرائم و خلاف ورزیوں کی تحقیق کا کام قائد فوج انسپکٹر یا کوئی دوسرا فوجی افسر جسکا تعین متعلقہ قیادت کرتی ہے کرے گا۔ اگر ملزم عام فوجی ہو یا نیچے کی رینک کا افسر ہو اور اگر ملزم افسر ہے تو اس کی تحقیق مرکزی انسپکٹر یا کوئی دوسرا افسر کرے گا جسے سربراہ برائے امن عامہ مقرر کرتا ہے بشرطیکہ رتبہ میں ملزم سے کم درجہ کا نہ ہو۔ اگر جرم مال ہتیانے یا اشخاص پر ظلم و زیادتی کا ہو تو جرائم کی تحقیق ایک ایسا ادارہ کرے گا جسے سربراہ امن عامہ تشکیل دے گا۔ پھر عدالت کی طرف مقدمہ کی تحویل سربراہ کے حکم سے یا کور کمانڈر یا وزیر داخلہ کے حکم سے ہوگی ملزم کا جیسا رتبہ ہوگا اسکے مطابق حکم کا صادر ہوگا۔ اگر دلائل ناکافی ہوں تو پھر کاغذات محفوظ کر لئے جائیں گے اور محکمانہ سزا کافی سمجھی جائے گی اور اگر تحقیقاتی کاغذات مکمل ہو جائیں تو ملزم کا معاملہ تأدیبی کمیٹیوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اگر کسی مسئلے میں یہ طے ہو گیا کہ وہ مقدمہ عام عدالت کی طرف تحویل ہوگا تو جب تک عدالت عامہ اس میں اپنا فیصلہ صادر نہ کر دے مجلس تأدیبی مقدمہ پر غور نہیں کر سکتی ہے۔ اس کے بعد متہم (ملزم) کو تادیبی کمیٹی کے سپرد کیا جائے گا تاکہ محکمہ کے نظم کے پہلو سے اسکی سماعت ہو سکے چاہے عدالت عامہ نے کیسا ہی فیصلہ دیا ہو۔

تأدیبی کمیٹیاں

وہ کمیٹیاں جو داخلی امن فورس کے افراد کے مقدمات کی سماعت کرتی ہیں چار اقسام کی ہیں۔

۱۔ تأدیبی کمیٹی جس کی تشکیل علاقائی ڈائرکٹر کے حکم سے تین افسران سے کی جاتی ہے یا بحکم کمانڈر انچیف اس کے نائب کے حکم سے ان میں سے سینیئر سربراہ جو عام سپاہیوں اور نچلے درجے کے افسران کی سماعت کرے گا۔

۲۔ تادیبی کمیٹی جو جنرل یا لفٹیننٹ جنرل کے رتبہ کے علاوہ دوسرے افسران کے مقدمات کی سماعت کرتی ہے۔ اس کمیٹی کی تشکیل ڈائرکٹر جنرل کے حکم سے ہوتی ہے جس کا ممبر ملزم کے عہدہ سے بڑا ہوگا۔ اور دوسرے افسران بھی اسی طرح ملزم کے عہدہ سے اعلی عہدہ کے مالک ہونگے۔ ڈائرکٹر جنرل

کو یہ حق حاصل ہے کہ بوقت ضرورت سماعت میں شرکت کے لئے بغیرووٹ کے حق کے ایک قانونی مشیر متعین کرے گا۔

۳۔ اپیل کمیٹی جس کی تشکیل وزیر داخلہ کے حکم سے ہوتی ہے' اس کی تشکیل میں :

الف۔ ایک افسر کی تقرری جس کا رتبہ کم از کم کرنل کے برابر ہو اور جو کمیٹی کا سربراہ ہو گا۔

ب۔ دو رابطہ افسران جن کا رتبہ ملزم کے برابر یا اعلیٰ ہو۔

ج۔ ایک قانونی مشیر جسے ووٹ کا حق حاصل نہ ہو گا اس کمیٹی کے اختصاص میں مذکورہ دونوں کمیٹیوں کے احکام پر نظر ثانی کرنی ہے۔

۴۔ اعلیٰ تادیبی کمیٹی جسکی تشکیل سربراہ مجلس وزراء کی جانب سے یوں ہو گی:۔

الف۔ دو وزیر صاحبان جن کا انتخاب سربراہ وزراء کونسل کرے گا ان میں سے سینئر کمیٹی کی سربراہی کے فرائض انجام دے گا۔

ب۔ سربراہ دیوان مظالم یا اس کا نائب

ج۔ وزارتوں کے سکرٹیریوں میں سے دو سکرٹیری

د۔ مجلس وزراء کے دو مشیر صاحبان جن سے ایک فوجی ہو اور دوسرا قانونی امور کا مشیر ہو۔

ھ۔ ایک ممبر جس کا انتخاب ملزم افسر کرے گا۔ اور جس کا رتبہ کم از کم جنرل کے برابر ہو اسے بحث سننے کا حق ہو گا۔ مگر رپورٹ کی تیاری کے وقت حاضر ہونے کا حق حاصل نہ ہو گا اور نہ ہی اسے ووٹ کا حق ہو گا۔

مجلس مذکورہ ان افسران کے مقدمات کی سماعت کے فرائض انجام دے گی جن کا رتبہ جنرل یا لیفٹیننٹ جنرل کے برابر ہو اور اس کا فیصلہ سربراہ مجلس وزراء کی تصدیق کے بعد قطعی ہو گا۔ نظام نے ان تمام سزاؤں کی حد بندی کر دی ہے جن کا اسی نظام سے منسوب افراد کے لئے دیا جانا ممکن ہے۔ وہ ہیں وارننگ دینا' سرزنش کرنا' اضافی ڈیوٹی لینا' وقتی معطلی' اضافی تنخواہ کا ملتوی کرنا' تنخواہ سے

کٹوتی، تنخواہ یا رتبہ میں کمی یا دونوں کا ایک ساتھ کرنا اور نوکری سے علیحدگی وغیرہ۔

انتظامی عدالتوں کے نظام پر کچھ تبصرہ

ہم عدالت نظم و نسق کے بارے میں گفتگو کے اختتام پر اقرار کرتے ہیں کہ ملازمین کے متعلق تادیبی کمیٹیوں کو ایک مستقل ادارے کے تحت (ادارہ برائے تحقیق و تادیب) یکجا کرنے کی جو کوششیں کی گئی ہیں وہ قابل قدر ہیں اور انہیں ان مجالس یعنی کمیٹیوں کی آزادی کی طرف بڑھتا ہوا قدم کہہ سکتے ہیں جو انہیں سربراہی اختیارات سے بچا لے جانے کی منزل کی طرف ہے مگر ہم کو ایک اندیشہ بھی ہے کہ کہیں یہ ادارہ بیک وقت فریق اور قاضی کا کردار نہ ادا کرنے لگے اس لئے ہماری نظر میں ضرورت ہے کہ دوسرا قدم اور اٹھایا جائے اور وہ ہے ساری مجالس کا ایک انتظامی مرکز اس لئے کہ تأدیبی ادارے کے اندر بہت سی کمیٹیاں پائی جاتی ہیں اور مزید بر آں خصوصی تأدیبی کمیٹیوں کو بھی قائم رکھا گیا ہے۔ تو اگر ان کو ایک اعلیٰ مرکزی انتظامی ادارے کے تحت کر دیا جائے تو ان کی کوششیں مربوط ہونگی اور وہ ادارہ ان کی کوششوں پر نگاہ رکھے گا۔ میرے خیال میں مظالم کونسل سے بڑھ کر کوئی اور ادارہ اس کا حق دار نہیں ہے۔ عدالتی نظام کے حق میں ہے کہ تأدیبی کمیٹیوں کو دیوان مظالم میں ضم کر دیا جائے اور جس طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اسے ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دیوان مظالم کی اپیل سننے کی حیثیت نمایاں کی جائے اور تمام مذکورہ کمیٹیوں کو اس کے سپرد کر دیا جائے۔ اس طرح موجودہ ادارہ تأدیب و تحقیق کا دائرہ اختیار صرف مقدمہ کی تحقیق تک محدود رہ جائے گا۔

پانچواں باب

مملکت میں عدالتی تنظیم کے بنیادی اصول اور ان کا موازنہ

جدید قوانین میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ قانونی اصطلاح میں جنہیں نظام قانون کے اساس و بنیادی اصول کا نام دیا جاتا ہے وہ ایک مضبوط عدالتی نظام کے لئے ضروری ہیں۔ ان اصولوں کا تقاضہ ہے کہ قانونی کاروائیوں میں وحدت فکر' وحدت کار اور وحدت اختتام ہو اور ہر عدالت کے دائرہ کار کی حد بندی ہو تاکہ لوگ درپیش مقدمات کہاں پیش کریں یہ انکو معلوم ہو۔ لوگ قانونی جہت کے ساتھ عدالتی کاروائیوں سے بھی باخبر ہوں جن کی مقدمات میں ضرورت رہتی ہے اسکے علاوہ دوسری باتیں بھی ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ بس جس قدر یہ بنیادی اصول فراہم ہوں گے اسی قدر عدالتی طریق کار کے لئے مناسب گارنٹی فراہم ہوگی' اور اسی طرح عوام کے حقوق اور ان کی آزادی دوسروں کے کھلواڑ سے محفوظ رہے گی چاہے وہ حکام ہوں یا محکوم افراد۔ اس لئے کہ عدالتی تنظیم مقدمات کے لئے مستحکم بنیادیں فراہم کرنے میں لازماً موثر ہوتی ہے۔ اس لئے عدالتی تنظیم جس قدر مضبوط ہوگی اسی قدر مقدمات و خصومات میں جلد اور بہتر فیصلے ہوں گے۔ اور اس کی وجہ سے کارروائیاں سہل اور آسان ہونگی۔

مملکت سعودیہ کی عدالتی تنظیم ان بنیادی اصولوں کے تعلق سے کسی بھی نظام کے مقابلہ میں بھرپور انداز میں ممتاز ہی نہیں بلکہ کچھ ایسی خصوصیات کی مالک ہے جس میں وہ منفرد ہے۔ ان میں سرفہرست احکام شرعیہ کا التزام ہے جس کے بارے میں ہم اگلے صفحات میں بحث کریں گے۔

احکام شرعیہ کی پابندی کا اصول

اس کتاب کے آغاز میں ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ مملکت سعودیہ احکام شرعیہ کی تطبیق میں تمام ہم عصر ممالک میں قائدانہ حیثیت رکھتی ہے۔ چاہے ان احکام کا تعلق شہری' تجارتی' مجرمانہ سرگرمیوں سے ہو یا شخصی احوال سے ہو۔ نظام عدل نے واضح کر دیا ہے کہ اسلامی شرعی احکام کی پابندی کی جائیگی۔ اسی پہلو سے مملکت سعودیہ میں قائم نظام عدل آغاز اسلام اور بعد کے روشن اسلامی عہدوں کے نظام عدل سے مربوط ہو جاتا ہے۔

اس نظام میں قاضی (جج) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ یا اجماع یا ان تینوں میں سے کسی پر قیاس کرتے ہوئے واقعات وحادثات کے فیصلے کرتا ہے۔ اگر ان سے رہنمائی نہ ملے تو پھر اپنی رائے استعمال کرتے ہوئے شریعت اسلامیہ اور اسکے اساسی مقاصد کے قواعد عامہ سے استنباط کرے گا۔ اشکال کی صورت میں علماء وفقہاء اسلام سے مشورہ حاصل کرے گا مگر یہ ان دنوں کی بات ہے جب فقہی مذاہب کی ابھی تدوین نہ ہوئی تھی مگر جب ان کی تدوین ہو گئی ان مذاہب میں سے کسی کی تقلید پر اجماع منعقد ہو گیا کہ جو جس پر چاہے عمل کرے بعض فقہاء نے خلیفہ کے لئے یہ روا رکھا ہے کہ وہ قاضی (جج) کو کسی ایک مذاہب یا قول کے تحت فیصلہ کرنے کا پابند کر دے پس اسی بنیاد پر ہم بعض موجودہ عدالتی تنظیموں کو دیکھتے ہیں کہ وہ شخصی احوال کے مقدمات میں مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کے راجح قول کے مطابق احکام صادر کرنے کے قانون کو اپناتی ہیں(۱)۔ مملکت میں عدالتی نظام میں کسی معین مذہب یا معین قول سے فیصلہ نہیں کیا جاتا ہے بلکہ کتاب و سنت سے جس قول کے حق میں دلیل ملجائے وہ لے لیا جاتا ہے۔ یا جس پر اتفاق علماء ہو ان کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اور علماء

۱۔ دیکھئے لیبیا کا عدالتی قانون سنہ ۱۳۷۸ھ۔ ۱۹۵۸ء

میں اختلاف کی صورت میں اکثریت کی رائے سے فیصلہ کرنے کی پابندی نہیں ہیں۔ چاروں مذاہب میں سے جس رائے کے لئے مضبوط دلیل حاصل ہو عدالتیں اسی اپنا لیتی ہیں۔ مضبوط دلیل حاصل نہ ہونے کی صورت میں مذہب حنبلی کے امام احمد بن حنبل کے قول کو اپنایا جاتا ہے۔ مگر یہ اصول سند و دلیل کے ساتھ خاص ہے لیکن اثبات دعوی یا ثبوت واقعہ کے لئے عدالتیں شریعت اسلامیہ کے معین کردہ ذرائع اثبات سے کام لیتی ہیں (اس کے متعلق پہلا باب دیکھئے) یہ وسائل و ذرائع عام طور پر چھ ہیں۔ اقرار۔ گواہی۔ قسم۔ تحریر اور دیگر قرائن یہ وہ تمام ظاہری علامتیں ہیں جو پوشیدہ امور کی حقیقت کی نشاندھی کر سکتی ہیں اور کسی نتیجے تک پہنچانے میں مددگار ہوتی ہیں۔ اور اپنی علامات میں سے قدم شناسی یعنی قدموں کے نشانات سے کسی شخص تک پہنچنا اور شباھت سے پہچانا پھر اس میں سے قیافہ شناسی ہے اور کسی کے ہاتھ میں مال کا ہونا علامت ہے ملکیت کی اور خون میں ملوث پایا جانا قرینہ ہے شرکت کی اور ظاہری حیثیت سے دلیل لینا وغیرہ وغیرہ۔

پس اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ مملکت میں قاضی (جج) مجموعی طور پر اجتہاد کا اختیار رکھتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں:۔

پہلی صورت جدید حقوق و تعزیری مقدمات کے مسائل میں بسا اوقات نصوص شرعیہ سے صریح حکم نہیں ملتا ہے اور ابہام کو دور کرنے والی اشیاء کو اجتہاد تفسیری کہا جاتا ہے جو قانون کی اصطلاح میں (تفسیر نصوص) کے نام سے مشہور ہے اسلام میں اسی اجتہادی قسم کے جاننے پہچاننے علمی قواعد ہیں۔

دوسری صورت نصوص کسی مسئلے کے بارے میں خاموش ہوں اس لئے کہ نصوص تو محدود ہیں اور حالات وواقعات نت نئے پیش آتے رہتے ہیں اور غیر محدود ہوتے ہیں پس وہ واقعہ جس میں نص موجود نہ ہو اسے جاننے کے لئے قاضی اس سے مشابہ واقعہ پر قیاس کرتا ہے اور اس حکم کو منتقل کرتا ہے۔ اسی طرح وہ قواعد عامہ کی تطبیق کو استعمال میں لاتا ہے مثلاً سد ذرائع کا قاعدہ ہے عرف ہے مصلحت مرسلہ ہے۔ رفع حرج ہے اور عدم تہمت سے برائت پر دلیل لانا ہے اجتہاد کی یہ قسم اپنے

منفرد و امتیازی قواعد کے اعتبار سے پہلے اجتہاد کے قواعد سے برتر ہے اور اسی قسم کے قواعد اصول فقہ کی کتابوں میں معروف ہیں احکام شرعیہ کے دلائل کا علم اور یہ اجتہاد مملکت میں عدالتی نگرانی کے دونوں درجوں میں ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ یعنی

۱۔ کورٹ محکمہ

۲۔ مجلس عدالت عالیہ (بحیثیت مستقل ادارے کے جو اپیل کورٹ سے اعلیٰ ہے۔

- ۲ -

عدالتی خود مختاری کا اصول

عدالتی خود مختاری کا اصول اختیارات کے درمیان نظریہ تفریق سے مرتبط ہے۔ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں عدالتی اختیارات دوسرے اختیارات سے جدا نہ تھے حکومت کے چھوٹے ہونے آبادی کے مختصر ہونے جھگڑوں اور مشکلات کی قلت کے باعث اختیارات کا یہ ارتکاز خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسی حال پر قائم رہا جس طرح کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تھا اور اس وقت انکے درمیان تفریق کا کوئی سبب بھی نہ تھا جس پر غور کرنا ہوتا۔ لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ کے خلافت میں فتوحات کے باعث ملک کی سرحدیں کشادہ ہو گئیں' آبادیاں بڑھیں' مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور ان امور کے باعث خلیفہ کے فرائض میں اضافہ ہوا اور عدالتی امور کے لئے بالکل جدا اور فارغ وقت کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہیں باتوں کو سامنے رکھ کر عہد خلافت کے وسط میں عمر رضی اللہ عنہ کو عدالتی امور کے ولایت عامہ سے علیحدہ کر دینے کا خیال آیا اور انہوں نے عدالتی امور کو قاضی صاحبان سے خاص کر دیا۔

اسی طرح یہ بات کہنا ممکن ہے کہ دولت اسلامیہ موجودہ حکومت کے مقرر کردہ طریقوں سے اپنے ابتدائی زمانے میں ہی آگاہ ہو چکی تھی جو قانون ساز ادارے عدلیہ انتظامیہ کے نام سے جانے جاتے ہیں تنفیذ ہیں۔ اگر چہ دولت اسلامیہ میں تشریعی اختیارات کے مفہوم بشری نظام سے مختلف ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں ہے کہ تفریق اختیارات سے متعلق کوئی قاعدہ یا اصول ان علماء سیاست شرعیہ کے ذہنوں میں ہرگز نہ تھا جنہوں نے اسلام میں حکم نظام کے موضوع پر کام کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے عمل تنفیذ انتظامیہ اور عدالتی عمل کے درمیان تمیز ضرور کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ علیحدہ علیحدہ مستقل ادارے کے طور پر نہیں پیش کرتے ہیں اس کی دلیل یہ

ہے کہ ان کے بیان کردہ نظام میں قاضی جہاں عدالتی ذمہ داری انجام دیتا ہے وہیں ایسے تنفیذی کاموں کو بھی ساتھ لے کر چلتا ہے۔ جن کا قضاء (یعنی فیصلہ جات) سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً لشکر کی قیادت وغیرہ جس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے اسی طرح صوبائی گورنر عدالتی امور فرائض حکومت کا حصہ سمجھتے ہوئے خود بھی انجام دیتے تھے اور جس طرح کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں قاضی معین کرنے کا حق بھی انہی کو حاصل تھا' لیکن ایک مضبوط و آزاد عدالت کے لئے اشتراک کا کوئی منفی اثر تھا' نہ آزادی انصاف پر اثر انداز بیرونی دباؤ سے واسطہ تھا قاضی اپنے فرائض کی براہ راست بجا آوری میں آزاد تھا۔ بغیر کسی تردد کے کہا جا سکتا ہے کہ قاضی کو اس کے دائرہ عمل جو آزادی حاصل تھی اس کا موجودہ دور میں بھی کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ کیونکہ انتظامیہ اور قاضی دونوں ہی اسلامی شریعت کے پابند تھے اور ایک ہی مقصد کے لئے الگ الگ فرائض انجام دے رہے تھے۔

یہاں ہم جو بات دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلام کے اندر ان دونوں شعبوں میں تفریق کی گنجائش ہے مگر موجودہ نظام میں جو تفصیلات ہیں ان سے یہ تفریق مختلف ہے۔ موجودہ حکومت میں اساسی تفریق انفرادی آزادی کی کفالت اور حکومت کی عمل داری کے تحفظ پر مبنی ہے۔ اسلامی نظام سیاست نے ان پہلوؤں کی رعایت کی ہے مگر اس کی اساس دینی جذبہ پر ہے نہ کہ نظام تفریق کے نظریہ پر۔ یہی دین تو ہے جو مسلمانوں کو خالق کی نافرمائی سے بچانے کے لئے ہر کسی مخلوق کی اطاعت سے باز رکھتا ہے اور حقوق و واجبات میں حکام و محکومین کو ایک مقام پر کھڑا کرتا ہے۔ (۱)

اقوام عالم کا جائزہ لیں تو انہوں نے تفریق اختیارات کے اصول میں مختلف موقف اپنا رکھے ہیں۔

اول۔ ایسی حکومتیں جو اس قاعدہ کو نظر انداز کرتی ہیں اور اختیارات کے اتحاد کی قائل ہیں اور ایسی حکومتیں بہت کم ہیں اور ان کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ آمرانہ حکومتوں کا اور دوسرا گروہ ان حکومتوں کا جو کنونشن یا سوسائٹی کا نظام اپناتی ہیں۔

۱۔ دیکھئے ڈاکٹر سلیمان محمد الطماوی کی عمر بن الخطاب اور جدید اصول سیاست و ادارہ صفحہ ۳۶۱۔ ۳۶۲

دوم ۔ بعض حکومتوں نے تفریق کے قاعدہ کو بہت شدت سے اپنایا ہے یہ وہ حکومتیں ہیں جنہوں نے صدارتی نظام اپنایا ہے جیسے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ ۔

سوم ۔ دنیا کے اکثر ممالک نے اختیارات کے باہمی تعاون کے ساتھ تفریق اختیارات کا نظام اپنایا ہے یہ نظام پارلیمانی کے نام سے مشہور ہے۔ برطانیہ اس نظام میں پیش پیش ہے۔(۱) اور بلا شبہ اختیارات میں تعاون کے ساتھ تفریق اختیارات کا اصول شدید نوعیت کی علیحدگی سے کہیں بہتر ہے وہ اس لئے کہ تفریق اختیارات کا نقطۂ نظر اس قدر ضروری نہیں جس قدر ان کے درمیان تعاون ضروری ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ فائدہ سہل ترین طریقہ کار سے میسر ہو۔ احوال یہ ہے کہ مملکت کا عدالتی نظام کی موقف کے ساتھ ہے؟ اس بات سے تو ہم آگاہ ہے تو پھر لازم ہے کہ نظام عدل وانصاف کی زیادہ سے زیادہ گارنٹی فراہم کی جائے اور وہ گارنٹی ہے آزادی عدل وانصاف اسی طرح وہ اپنے فرائض ایک صحیح عدالتی چوکھٹے میں ادا کر سکتا ہے۔

ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ نظام کے پہلے آرٹیکل میں طے کیا گیا ہے کہ قاضی صاحبان بالکل آزاد ہونگے سوائے قائم شدہ نظام اور احکام شرعیہ کے ان کے فیصلوں پر کسی کا دباو یا اثر نہیں ہوگا۔ قاضی اپنی تعیناتی کے وقت سے آزاد ہوگا چاہے اس کا گریڈ جو بھی ہو اس کا تعین عدالت کی مجلس اعلیٰ کی جنرل باڈی کی تجویز سے بحکم شاہی فرمان ہوگا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی تعیناتی دو اعلی ترین اطراف کی رضامندی سے عمل میں آتی ہے اور اس وجہ سے وہ اپنے دائرہ عمل میں بالکل آزاد ہوگا اور سوائے کسی خاص حالت میں نظام کے طے شدہ قوانین کے مطابق نہ تو اس کی برطرف ممکن ہے اور نہ ہی تبادلہ۔ وہ اپنی نامزدگی کے بعد وہی فرائض انجام دے گا جو دوسرے قاضی صاحبان کے درمیان تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ اور قاضی صاحبان کے گریڈ کی درجہ بندی اس طرح کرتے ہیں کہ کم درجہ پر اعلی درجہ والے نگراں مقرر ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ ایک مستقل صورت بنی رہتی ہے۔

۱۔ دیکھئے ڈاکٹر سلیمان الطحاوی ۔ السلطات الثلاث (اختیارات ثلاثہ) صفحہ ۴۵ اور اس کے بعد

نظام نے قاضی سے متعلق قانون ایک خاص صورت میں رکھا ہے اور اس میں پاکیزہ زندگی کی گارنٹی کے سلسلہ میں تمام ضروریات کا خیال رکھا گیا ہے تاکہ وہ اپنے فرائض پوری تندھی اور چوکسی سے ادا کرتا رہے۔

اور قاضی فہم نصوص اور اس کی تاویل میں بھی کلیتہ آزاد اور مستقل ہے کہ کوئی دوسری قوت اس کی اپنی سوچ و سمجھ پر مبنی تاویل کے علاوہ کسی دوسری تاویل کا پابند نہیں کر سکتی ہے اور اس طرح وہ دینی پابندیوں کے دائرے میں رہ کر اپنے ضمیر سے مطمئن رہتا ہے۔ اسی طرح وہ فریقین کی نسبت سے بھی آزاد ہوتا ہے وہ حادثات وواقعات کی طرف فریقین میں سے کسی کی شخصیت میں تفریق کے بغیر وہ مسائل کو سامنے رکھ کر فیصلے کرتا ہے اور (انصاف کی بحالی و سربلندی) کے عمومی قاعدہ کے مطابق ایک ممتاز کیفیت کے ساتھ تطبیق احکام کی کوشش کرتا ہے۔ وہ دعوی دائر کرنے والوں کی شکایات کا فیصلہ کرنے کا پابند ہے اور ان پر بھی لازم ہے کہ وہ اس کے فیصلہ کو قبول کریں' عدالتی اعمال کے نتائج کی اس سے بازپرس نہیں ہو سکتی اور نہ ہی احکام کے نتائج اس کی ذمہ داری میں آتے ہیں جب تک وہ صحیح اجتہاد پر مبنی احکام دے وہ ان باتوں کا جواب دہ نہیں تاہم اس آزادی سے مراد لا قانونیت نہیں ہے اور نہ ہی اس آزادی سے مراد کسی حدود سے نکل جانا ہے۔ قاضی تو اپنے تصرفات میں قوانین اسلامی قانونی ضابطوں اور ھدایات کا پابند ہوتا ہے اور اس پر نگرانی عدالتوں کی درجہ بندی نظام عدالت کی مجلس اعلی کے اختیار اور اس کو دیئے جانے والے اختیارات سے ہوتی ہے بس ضروری ہے کہ اس تفصیل میں آزادئ عدالت کو سمجھا جائے کہ اس میں عدالتی اختیارات کے باقی قوتوں سے علیحدگی کا راز پوشیدہ ہے۔

عدالتی اختیارات اور تنفیذی اختیارات کے درمیان تعاون کی جو عمل شکل ہے اسے سعودی نظام عدالت کے مقام کو اور مضبوط کیا ہے۔

- ۳ -

وحدت عدل وانصاف کا اصول

پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ بنیادی بات یہ ہے کہ عدالت کی باگ ڈور ایک ایسے شخص کے پاس ہو جو انصاف کے تقاضے پورا کرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں یہی تھا جبکہ مسلمانوں کے درمیان صرف وہی قاضی کے فرائض انجام دیتے تھے مگر پھر جوں جوں اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہروں پر والی مقرر کرنے لگے اور ان میں سے بعض کو منصب عدل وانصاف بھی عطا فرمانے لگے۔

ایک عمدہ عدالتی طرز عمل بھی اسی بات کا متقاضی ہے کہ جب حکومت وسیع ہو جائے اور آبادی بڑھ جائے لوگوں کی مشکلات و وسائل گوناگوں ہو جائیں جن کی وجہ سے مخصوص نوعیت کے مقدمات یا مملکت کے الگ الگ علاقوں کے لئے یا کسی خاص گروہ اور متعین لوگوں کے لئے ایک سے زیادہ قاضیوں کی ضرورت محسوس ہو تو اس کو پورا کیا جائے اور یہی وہ بات ہے جس کی طرف فقہاء اپنے قول سے اشارہ کر چکے ہیں (کہ قضاء' مکان' زمانہ اور موضوع کے اعتبار سے خاص ہو جاتا ہے) اور یہی بات اپنے ایک اور قول سے یوں بیان کرتے ہیں (کہ امام کے لئے جائز ہے کہ وہ ایسا قاضی مقرر کرے جو عموم عمل میں عموم نظر کا مالک ہو یا خصوص عمل میں عموم نظر کا مالک ہو یا عموم عمل میں خصوص نظر کا مالک ہو یا خصوی عمل میں خصوص نظر کا مالک ہو)۔(۱)

ان اختصاصات کے متعلق ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں کہ ایسی چیزوں کے وجود سے وحدت عدل وانصاف متاثر نہیں ہوتی ہے جب تک کہ ایک ہی سرچشمہ Source سے احکام لئے جائیں اور جب تک یہ عدالتیں ایک عدالت عالیہ مثلاً (سپریم کورٹ) کے زیر اثر رہیں گی۔ وحدت عدالت قائم رہے

۱۔ دیکھئے کشاف القناع عن متن الاقناع جلد ۱۶ صفحہ ۲۹۱

گی یہ دونوں امر سعودی عدالتیں تنظیم کی فوجداری عدالتوں اور عام عدالتوں میں پائے جاتے ہیں۔ وہاں مثلاً کسی قسم کی خاندانی' قبائلی رسم ورواج پر مبنی نظام عدالت موجود نہیں جس طرح کہ بعض عرب ممالک میں پایا جاتا ہے اور اسی طرح ایسی کوئی چیز بھی نہیں پائی جاتی جس کو ہنگامی حالات کے قوانین کہا جاتا ہے۔ یا جسے مارشل لاء کا نام دیا جاسکے۔ جس طرح کہ بعض ممالک کا حال ہے پس ہر انسان اور ہر مقدمہ عدالت عامہ Regular کے تابع ہے۔ اس میں حاکم یا عام عالم شخص کے درمیان کوئی فرق نہیں اور نہ ہی حکومتی امن کے متعلقہ مقدمہ اور عام جرائم کے مقدمات میں کوئی فرق ہے۔ اس صفت سے عدالت کو یکجا کرنے کا مقصد فراہمی انصاف اور احکام کے باقاعدگی اور مساوی طور سے رواں دواں رہنے کی ضمانت فراہم کرنا ہے۔ مملکت میں عام معنوں میں کوئی فوجی عدالت نہیں ہے جس کے اپنے قوانین ہوں صرف ایک تادیبی عدالت پائی جاتی ہے جو فوجیوں کے تنازعات نبٹانے تک محدود ہے' لہٰذا قضاء عادی Regular سے اس کی اس آزادی سے کوئی بنیادی اثر نہیں پڑتا ہے۔ اس کا معاملہ انتظامیہ عدالت کے لئے مخصوص عدالت کا سا ہے کہ وہ عام عدالت سے مستقل اور الگ تو ہے اور محکمہ عالیہ اور اپیل کورٹ سے بھی الگ ہے مگر نہ صرف تنظیمی حد تک ہے۔ تقریباً یہی اسلوب غیر ممالک میں بھی متعارف ہے مثلاً فرانس میں انتظامی عدالت کو ایک مستقل عدالتی جہت تصور کیا جاتا ہے جو عام قضاء سے کلی طور پر جدا ہے۔

اسلامی عہد حکومت میں قضاء مظالم کا نظام قائم تھا جسے آج کل انتظامی قضاء کہا جاتا ہے جو قضاء عادی کی نسبت بالا تر تصور کیا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات عدالتی طرز عمل میں عدم مقصدیت کی صورت میں یہ عام قضاء کے احکام کی نگرانی بھی کرتا ہے۔

یہ درست ہے کہ مملکت کی عدالتی تنظیم میں عدالت ہائے عامہ اور جزئی نوعیت کی عدالتوں کے ساتھ دوسری عدالتی تنظیمیں بھی موجود ہیں جن کے فیصلوں کو سیشن کورٹ میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جیسے ادارہ برائے انسداد تجارتی تنازعات جس کی شاخیں جدہ' ریاض' دمام میں واقع ہیں اور اسی

طرح دوسرے ادارے ہیں مثلا ادارہ برائے تنازعات ملازمین اور ادارہ برائے تنازعات کسٹم۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح کے اداروں کے وجود سے کئی طرح عدالتیں سامنے آتی ہیں جو وحدت عدالت کے لئے خطرہ کی علامت بنتی ہیں اور اسکی طرف ہم پہلے بھی اشارہ کرچکے ہیں' اور اس میدان میں حدبندی کے لئے عدالت سے منسلک افراد اپنی رائے پیش کرچکے ہیں تاکہ اس کی وحدت قائم رہے ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے آخر کار مجلس وزراء کی قرار داد نمبر۱۶۷ مورخہ ۱۴۔۹۔۱۴۰۱ ہجری صادر ہوئی جس میں ان تمام اداروں کو ایک جهت میں یکجا کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا جس کے مطابق تجارتی ملازمین سے متعلق اور ٹریفک کے تنازعات کے لئے خصوصی عدالتوں کو تشکیل دیا جائے گااور ان خصوصی عدالتوں کے صادر شدہ احکام کی تمیز کے لئے سیشن کورٹ ریاض میں دو اداروں کو مخصوص کیا جائے گا۔ قرارداد میں ایک ایسی کمیٹی کی تشکیل کی طرف بھی اشارہ ہے جو وزیر عدل کی زیر نگراں میں اس قرار داد کے نفاذ کا جائزہ لے گی۔ اور اس سلسلے میں ضروری اقدامات کرے گی۔ چنانچہ ماہ صفر۱۴۰۲ ہجری بمطابق ماہ دسمبر۱۹۸۱ عیسوی سے کمیٹی نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔

جہاں تک اس کے علاوہ دوسری حالت کی بات کا تعلق ہے تو عدالتی جہات کا علاقائیت اور نوعیت کے اعتبار سے متعدد ہو جانا' زمان و مکان اور موضوع کے لحاظ سے تخصیص عدالت کے دائرہ میں آجاتا ہے' اور یہ عدالتی نظام کی وحدت سے ٹکراتا نہیں ہے۔ اوراسی طرح عدالتوں میں قاضی صاحبان اور عدالتوں سے منسلک ادارہ کا متعدد ہو جانا بھی وحدت عدالت سے نہیں ٹکراتا ہے نہ ہی عدالتی تنظیم پر اس سے منفی اثر پڑتا ہے۔

نظام عدالت چاہے مملکت سعودیہ میں ہو یا عرب ممالک میں ہو بلکہ عصر حاضر کے تمام ممالک میں وہ ہر جگہ اسی بنیاد پر قائم ہے اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جب تک وہ ایک عدالتی جہت کے تابع ہو۔ کیونکہ اس کا ایک مرجع کے تابع ہونا نظام عدل کی وحدت کا مظہر ہے اور متعدد خصوصی نوعیت کی عدالتوں کے ساتھ اس طرح آج وحدت نظام قضاء ممکن ہے۔

- ۴ -

عدالت کی صوبائیت و علاقائیت کا اصول یا عدالت کا ملکی روپ

عدالت کا ملکی روپ یا عدالت صوبائی و علاقائی شناخت سے مراد ملک کے تمام صوبوں اور علاقوں پر ایک قومی نظام عدالت کی حاکیت قائم کرنا ہے۔ وہ اسی طور کہ تمام اضلاع حکومت میں تنہا ایک قومی نظام عدالت تسلیم شدہ اور تمام صوبوں میں اس کے مطابق فیصلے کئے جائیں ۔ صوبائی و علاقائی نظام عدالت صوبائی تشریح سازی سے مرتبط ہوگی۔ اس اصول کی تطبیق سے مندرجہ ذیل نتائج مرتب ہونگے۔

اول۔ اختصاص عدالت تمام اشخاص پر ہمہ اقسام کے تصرفات پر اور حکومت کے پاس موجودہ تمام مال و دولت پر محیط ہوگا۔

دوم۔ تمام صوبوں اور علاقوں پر تنہا قومی عدالت کا حکم نافذ ہوگا۔ شریعت اسلامیہ میں عدالت کی نسبت سے اقلیمی دائرہ تک وسعت کا تصور موجود تھا۔ فقہاء نے دارالاسلام میں کسی اجنبی عدالتی احکام کے اثر کو تسلیم نہیں کیا ہے سوائے اس کے کہ شریعت اسلامیہ نے غیر مسلم مذہبی گروہوں کے لئے مسلمان قاضی کی شرط نہیں رکھی ہے اور نہ شریعت کے احکام کو ان پر لاگو کیا ہے۔ اگر فریقین الگ الگ مذہب کے ہوں یا ان میں اس فیصلہ پر اختلاف ہو تو اس وقت مسلم قاضی ہی آخری مرجع ہوگا۔ عدالت کا ملکی حدود کے ساتھ موثر ہونے کا اصول اسلامی عہد حکومت میں عثمانی حکومت تک برقرار تھا۔ اور پھر جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں اس عہد میں سیاسی انحطاط کا اثر عدالتی دائرہ کار پر پڑا یہاں تک کہ سامراجی حکومتوں میں اسلامی ریاستوں پر غلبہ پانے کی طمع پیدا ہوئی اور غیر ملکیوں کے لئے امتیازی حقوق منوا کر عدالتی ملکی حدود کو پامال کرنے کا ان میں حوصلہ ہوا اور عثمانی دائرہ نفوذ عدالتی دائرہ پر نہ رہا جہاں غیر ملکی قوانین کا دور دورہ تھا اور عثمانی ریاست کے اندر رہنے والے گروہوں کو بھی

اس دائرے سے باہر کیا گیا اور حکومت کے اقتدار کو بالکل ہی محدود کر دیا گیا اور پرسنل لاء کے ساتھ ملکی قوانین سے بھی ان کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔

جدید عربی حکومتوں کو حکومت عثمانیہ سے ورثہ میں جو عدالتی نظام ملا وہ مغربی تشریعات سے بھرا پڑا تھا۔ اس میں حقوق و جرائم کی عدالتیں غیر ملکی قانون کے مطابق فیصلے کرتی تھیں[1]۔ گروہی اور جماعتی قوانین موثر سمجھے جاتے تھے۔ غیر ملکی سفارت خانوں سے مداخلت بلکہ باقاعدہ فیصلے صادر ہوتے تھے اور شرعی عدالتیں صرف پرسنل لا تک محدود کر کے رکھ دی گئی تھیں۔ اور پھر ان عرب ملکوں کی مزید بدقسمتی یہ ہوئی کہ وہ حکومت عثمانیہ کے اقتدار سے نکل کر پوری طرح سامراج کی مختلف صورتوں کی شکار بن گئیں جس کا ایک اثر قانون سازی اور عدلیہ پر پڑا اور ان ملکوں میں گروہوں اور فرقوں کو خوب نوازا گیا جس کی وجہ سے اسلامی دینی دعوت پارہ پارہ ہو گئی اور عدالتی حسن کارکردگی تعصبات میں دب گئی۔

یہ بات محتاج تعارف نہیں کہ مملکت سعودیہ پر کسی غیر ملکی طاقت کا غلبہ نہیں ہوا۔ لہٰذا اس کا نظام عدالت ان تضادات اور خرابیوں سے پاک رہا اور وہاں کسی قسم کی کوئی بیرونی نظام عدالت کا عمل دخل نہیں ہوا اسی طرح شخصی احوال میں عدالتی جہات کی کثرت اس میں پائی گئی جب کہ دیگر عرب ممالک میں حال خاصا مختلف ہے۔ ان ممالک میں الگ الگ فرقوں کی عدالتیں ابھی تک قائم ہیں اور شرعی عدالتوں کے ساتھ ساتھ اپنے شخصی احوال کے دائرہ کار کے اندر کام کر رہی ہیں اور ان کی وجہ سے قانون شخصی (پرسنل لاء) کی نسبت سے عام عدالتوں کا دائرہ محدود ہے۔

بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ نسلی عدالتیں عدالت عالیہ کے دائرہ اختیار سے بھی خارج ہیں جو یقیناً وحدت عدالت کے منافی ہے کیونکہ جب قانون قسم قسم کے ہونگے۔ وحدت عدالت بھی نہ رہے گی اور وحدت تشریع بھی نہ رہے گی۔ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے مملکت سعودیہ میں ایک ہی

۱۔ دیکھئے ڈاکٹر توفیق الشاوی کا محاضرات فی المبادی الاساسیہ للتنظیم القضائی فی البلاد العربیہ صفحہ ۸۱ ۔ ۸۲

نظام جاری ہے اس لئے یہاں بھانت بھانت کے نظریات پر مبنی عدالتیں نہیں ہیں وللہ الحمد و المنہ علی ماانعم بہ علینا۔

آج بین الاقوامی تعاون کا ایک تقاضہ یہ ہو گیا ہے کہ علاقائی نظام عدالت کے قاعدہ کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ مملکت سعودی عرب نے بھی دوسرے عرب اور غیر عرب ممالک کی روش کو ایک حد تک اپناتے ہوئے اجنبی نظام عدالت کے لئے یہ حق تسلیم کیا ہے کہ غیر سعودی باشندے مخصوص امور میں اپنے قانون کے مطابق فیصلہ لے سکتے ہیں کیونکہ اجنبی ممالک بھی ایسے ملتے جلتے اختیار کو ہمارے لئے تسلیم کرتے ہیں یہ اختیارات' مندرجہ ذیل باتوں میں سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ اگر فریقین میں اتفاق رائے سے یہ بات طے پا جائے کہ کسی معینہ ملک کی عدالت میں ان کا مقدمہ منتقل کر دیا جائے۔

۲۔ یا تنازعہ کا تعلق کسی ایسے تعمیراتی کام سے ہے جو اس ملک میں نہیں ہے جس میں سے مقدمہ دائر کرنے والا مقیم ہو۔

۳۔ اسی طرح ہرجانے کے وہ اخراجات کے مقدمات ہیں (جو سعودی باشندہ اور غیر ملکی افراد یا کمپنیوں کے درمیان ہوں ان میں بھی دوسرے قانون سے رجوع کیا جا سکتا ہے)

ایسی بات بیرونی عدالتوں سے صادر شدہ احکام کی تنفیذ کی تو یہ طے ہے کہ ایک تو وہ دائرہ اختصاص میں ہوں دوسرے جس حکومت سے تنفیذ مطلوب ہو اس کے حکومتی قانون کے قواعد عامہ سے متعارض نہ ہوں اور حکومتی قانون کے مطابق ان کی تنفیذ باہمی یکساں سلوک کی بنیاد پر کی جائے گی یعنی ہم غیر ملکی احکام کی تنفیذ کو اسی وقت اور رکھیں گے جب کہ وہ شریعت اسلامیہ سے متصادم نہ ہوتی ہوں۔ اور وہ ملک بھی ہمارے فیصلوں کو اپنے ملک میں جائز قرار دیتا ہو۔ ہماری عدالتوں سے صادر شدہ شرائط احکام اس حکومت کے مقرر کردہ قانون کی طے شدہ شرائط کے ساتھ عمل میں آئینگے چنانچہ اس سلسلہ میں بعض عرب ممالک کے دعوی دائر کرنے کے قانون میں غیر ملکی

احکام کی شروط تنفیذ کیا ہونگی ان کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ علاقائی عدالت کے احکام نافذ کرنے میں باہمی تعاون کی ضرورت اس لئے ہے کہ افراد کے حقوق معطل نہ ہوں اور ساتھ ساتھ بدنیت افراد فیصلوں سے بچنے کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوں بھی تو قانون سے نہ بچ سکیں۔ اسی اصول تعاون کو سامنے رکھ کر عرب لیگ کے ممبران میں سنہ ۱۹۵۲ء میں متفقہ طور پر تنفیذ احکام کا فیصلہ طے پایا' اور مؤرخہ ۵-۴-۱۹۵۴ء کو عرب لیگ کے سیکریٹریٹ جنرل کے روبرو اس فیصلہ پر مملکت سعودیہ نے موافقت کے ساتھ توثیق کرکے معاہدہ پر دستخط کئے۔(۱)

۱۔ عرب لیگ کے ممالک کے درمیان جدید اتفاق کے تحت ایک مکمل پروگرام طے کیا گیا ہے جس میں عدالتی نیابت تنفیذ احکام' مطلوب ملزمان کا اس کے ملک کو سپرد کرنا' محکوم علیہ کا تبادلہ وغیرہ شامل ہیں کاتب سطور کو بھی اس سات رکنی ماہرین کی کمیٹی میں شمولیت کا شرف حاصل رہا ہے۔ جس میں بعض عرب ممالک کے ماہرین قانون بھی شامل تھے۔ اس کمیٹی کا اہتمام عرب وزراء عدل کی جانب سے کیا گیا تھا تاکہ اس پروگرام کا مطالعہ کیا جائے اور اس کی تیاری کو آخری شکل دے کر اسے عرب وزراء عدل کی کانفرنس جو ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۹۸۲ء میں منعقد ہو گئی اس میں پیش کیا جائے۔

- ۵ -

مقدمات کی ایک سے زائد درجہ تک سماعت کا اصول

مقدمات کی سماعت کا اصول عدالتوں کہ دو یا دو سے زائد پر استوار کرتا ہے تا کہ مدعی کو ابتدائی سماعت کے بعد جاری کردہ فیصلوں کے خلاف دوسری مرتبہ نظر ثانی کے لئے مقدمہ پیش کرنے کا حق حاصل ہو اور یہ دوسری عدالت نظر ثانی کے بعد پہلے فیصلے کو برقرار رکھے یا معطل کرنے کا فیصلہ جاری کرے۔ اس اصول کی غرض و غایت یہ ہے کہ قاضی کے جاری کردہ احکام و تصرفات پر ایک اعلیٰ تفتیش و نگرانی کا قیام بنا رہے۔

یہ بات چھپی نہیں ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے قیام سے قبل سلطنت اسلامیہ میں نظام عدل و انصاف اپنی تنظیمی ساخت کے اعتبار سے محدود تھا جس میں تمام عدالتوں کا ایک جیسا درجہ تھا اور وہ اپنے جاری کردہ فیصلوں پر خود اعتراض کو اس وقت قبول کرتی تھیں جب نص یا اجماع کی دلیل قطعی کی خلاف ورزی کے ساتھ فیصلہ ہوتا تھا۔ ورنہ ان کا فیصلہ قطعی و آخری ہوتا۔ تاہم فقہائے مسلمین کے نزدیک عدالتی نظام کے بنیادی اصول وضوابط جانے پہچانے تھے جو انہوں نے اپنی کتابوں میں بیان کئے تھے۔ اصول شریعت اسلامیہ کو سامنے رکھ کر ہی انہوں نے بنیادی ظوابط طے کیے تھے۔ غرض فقہ اسلامی میں کسی صادر شدہ فیصلہ میں نظر ثانی کرنا کوئی نیا مسئلہ نہ تھا پہلے باب میں ہم اس طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا زبیہ کے متعلق فیصلہ پیش کیا گیا تو آپ نے جو فیصلہ کیا اس نے اس اصول کو سند فراہم کر دی فقہاء نے موضوع "فسخ حکم" "یا فسخ اجتہاد" میں اس پر تحقیق کی ہے۔ اور اس مسئلے میں ان میں تین فریق ہیں۔

۱۔ سخت رائے رکھنے والے ۲۔ نرم رائے رکھنے والے ۳۔ تفصیل کے قائل

۱۔ پہلے قول کے مطابق غلطی ظاہر ہو جانے کی صورت میں فسخ حکم کا مطلق جواز ہے چاہے وہ فیصلہ اسی قاضی کا ہو یا کسی دوسرے کا ہو۔ یہ ابو ثور اور داؤد ظاہری کا قول ہے۔ ان کا استدلال بخاری و مسلم کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ہے کہ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو عورتیں تھیں جن کے ساتھ ان کا ایک ایک بچہ بھی تھا یہ دونوں بیٹھیں تھیں کہ اچانک ایک بھیڑیا آیا اور ایک کا بچہ اٹھا کر لے گیا۔ دوسری بولی یہ تو میرا ہے تیرا بچہ تو بھیڑیا لے گیا' تو جس عورت کا بچہ بھیڑیا لے گیا تھا اس نے دوسری سے کہا کہ یہ بچہ تو میرا ہے تیرا بچہ تو بھیڑیا لے گیا تھا۔ بس دونوں نے اپنا مقدمہ داؤد علیہ اسلام پر پیش کیا جنھوں نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ دیا اس کے بعد دونوں سلیمان علیہ اسلام کی طرف گئیں اور ان کے ساری بات بتلائی انہوں نے کہا کہ مجھے چھری دی جائے تاکہ میں اس بچہ کے دو ٹکڑے کر کے آدھا آدھا دونوں کے درمیاں تقسیم کر دوں۔ یہ کہنا تھا کہ جھوٹی عورت چلائی کہ خدا کے لئے ایسا مت کیجئے یہ میرا نہیں اسی کا بچہ ہے پس آپ نے جھوٹی عورت کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ (۱)

محدثین احادیث کے جو عنوان باندھتے ہیں ان سے حدیث کے معنی پر استدلال میں بہت مدد ملتی ہے اس حدیث کا جو عنوان عبدالرحمٰن نسائی نے اپنی سنن میں باندھا ہے وہ یہ کہ حاکم کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ چیز جو وہ نہیں کرے گا اس کے بارے میں کہے کہ "میں کرونگا" تاکہ اس طرح کے مغالطے سے حق کھل کر سامنے آجائے ایک اور جگہ وہ اور بہتر عنوان قائم کرتے ہیں کہ جب حاکم پر حق واضح ہو جائے تو پھر وہ محکوم علیہ کے اعتراف کے باوجود وہ فیصلہ دے جس کا اعتراف اس نے نہ کیا ہو۔ پھر اس کی ایک تیسری تشریح بھی کرتے ہیں اور جس کے ہم بھی قائل ہیں کہتے ہیں کہ (حاکم کا اس فیصلہ کو منسوخ کرنا چاہے وہ فیصلہ اس کے ہم رتبہ یا اس سے بلند مرتبہ شخصیت

۱۔ اسے بخاری و مسلم ونسائی نے روایت کیا ہے اور الفاظ مسلم کے ہیں دیکھئے فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۵۵۔ صحیح مسلم باب بیان اختلاف المجتہدین جلد ۵ صفحہ ۱۳۳ اور سنن نسائی جلد ۸۔ ۲۳۴۔ ۲۴۶

سے صادر ہوا ہو) ابن قیم رحمہ اللہ ان تشریعات پر تعلیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہی وہ علم ہے جو استنباط و دلیل سے حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے آگاہی کے لئے فہم کے دروازے کھلتے ہیں(۱)۔

جو تحریر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجی تھی اس سے بھی اس استدلال کو تقویت ملتی ہے اس کے الفاظ یوں ہیں کہ "تم کو اس معاملہ میں کوئی رکاوٹ نہ محسوس ہو کہ تمہیں یہ عقل ایک درست و صحیح فیصلہ سے آگاہ کرتی ہے تو تمہیں چاہئے کہ سابقہ فیصلہ سے ہٹ کر حق کی طرف لوٹ جاؤ۔ اس لئے کہ حق لازوال ہے اور باطل میں ٹھوکریں کھانے سے کہیں بہتر ہے کہ حق کی طرف مراجعت کرلی جائے۔

دوسرا قول۔ فسخ حکم کے مطلقاً عدم جواز کا ہے۔ شیعہ علماء کا اس طرف میلان ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب قاضی کوئی فیصلہ سنا دے تو پھر وہ نافذ العمل ہو جائے گا نہ تو وہ اسے اپنے تئیں رد کر سکے گا اور نہ ہی کوئی دوسرا قاضی اسے منسوخ کر سکتا ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ (اگر وہ کوئی غلط فیصلہ بھی کر جائے تو اس کے لئے ایک اجر و ثواب ہے)۔

علامہ صنعانی اس قول سے استدلال کرنے والوں کے رد میں کہتے ہیں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ اس میں کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ یہاں غلطی سے مراد وہ ہے جو اللہ کے نزدیک غلط ہے اور نفس حقیقت کے خلاف ہے اور اس غلطی کا علم یا تو روز قیامت میں ہو سکتا ہے یا پھر اللہ عزوجل بذریعہ وحی اس سے آگاہ کرے جب کہ یہاں غلطی سے مراد ہے کہ فیصلہ میں پوری شرائط و پابندیوں کی کمی کے باعث غلط فیصلہ کا صادر ہو جائے۔ (۲)

۱۔ دیکھئے اعلان الموقعین جلد ۴ صفحہ ۲۴۴ اور الطرق الحکمیہ صفحہ ۹

۲۔ دیکھئے سبل السلام جلد ۴ صفحہ ۱۷۶ ایہ کہ فقہ جعفریہ میں باب فسخ کو بالکل ہی بند نہیں کر دیا گیا ہے اس لئے کہ قاضی کے لئے یہ جائز قرار دیا گیا ہے کہ وہ فاش غلطی کا تدارک کرے اس طرح دوسرے مجتہد کے لئے جائز ہے کہ وہ اگر حکم قاضی میں واضح غلطی سے مطلع ہوتا ہو تو وہ اس فیصلہ کو فسخ کر دے مگر اختلافی نقطۂ نظر کی وجہ سے فسخ جائز نہیں۔ دیکھئے "سلطۃ القضاء فی الشریعۃ الاسلامیہ" محمد صادق الصدر مجلّہ القضاء البغدادیہ

تیسرا قول۔ قول ائمہ اربعہ اور جمہور علماء جو مندرجہ ذیل تفصیل کے ساتھ ہے۔

اول۔: اگر حاکم کسی واقعہ میں نص کی دلیل قطعی یا اجماع پر اعتماد کرتے ہوئے فیصلہ صادر کرتا ہے تو ایسا فیصلہ قابل فسخ نہ ہوگا یعنی نہ تو حاکم خود فسخ کرے گا اور نہ ہی کوئی دوسرا قاضی یا مجتہد کیونکہ ایسا فسخ اجتہاد سے دلیل قطعی کا رد کرتا ہے جو بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد جائز نہیں ہے۔

دوم۔: اگر حاکم کسی واقعہ میں فیصلہ صادر کرتا ہے پھر بعد میں اسے پتہ چلتا ہے کہ فیصلہ کتاب' سنت یا اجماع کے خلاف تھا تو ایسا فیصلہ یا تو وہ خود فسخ کر سکتا ہے یا کوئی دوسرا مجتہد اسے فسخ کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسا فیصلہ ہے جو دلیل کی مخالفت کی وجہ سے فیصلہ ہی نہ کہلائے گا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک بھی ہے کہ جو ایسی بات ایجاد کرے جو ہمارے امر کے خلاف ہو تو وہ رد کر دیا جائے گا۔

عمر رضی اللہ عنہ انگلیوں کی دیت میں اس کی منفعت کے لحاظ سے زیادتی کے قائل تھے۔ یہاں تک کہ جب انہیں کسی فیصلہ میں ساری انگلیوں کی دیت میں برابری کی خبر دی گئی تو انہوں نے اپنا فیصلہ فسخ کر دیا۔ اسی طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دادی کے وراثت کے انکاری تھے مگر جب انہیں حدیث صحیح کی آگاہی ہوئی تو انہوں نے اس کو وارث قرار دیا۔ لہذا فسخ احکام میں وہ تمام دلائل و اقوال جو علی رضی اللہ عنہ۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور دوسرے قضاۃ مجتہدین سے ثابت ہیں ان کو بھی رائے پر محمول کیا جائے گا۔

سوم:۔ اگر کسی فیصلہ میں دلیل قطعی پر اعتماد نہ کیا گیا ہو بلکہ وہ بر بنائے اجتہاد کیا گیا ہو تو سابقہ فیصلہ فسخ کرنا جائز ہوگا کیونکہ یہاں فسخ کے لئے کوئی جواز نہیں ہے اس لئے کہ پہلے اور دوسرے فیصلے دونوں کی اساس اجتہاد پر ہے اور اجتہاد کو اجتہاد سے فسخ نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ اجتہاد اول کے ساتھ تو فیصلہ بھی شامل ہو چکا ہے جس کی وجہ سے اختلاف کی گنجائش بھی ختم ہو گئی۔

اور پھر اگر اجتہاد سے اجتہاد کو ختم کیا جاتا رہے تو احکام میں استقرار ممکن نہیں رہے گا۔ اور اس سے شدید مشکلات پیدا ہونگیں کیونکہ اگر وہ یہ حکم فسخ کرتا ہے تو دوسرا اس کے نقض کے حکم کو فسخ کرے گا اور پھر اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہے گا پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسی پر اجماع ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بے شمار ایسے مسائل میں اجتہاد کیا کہ جن کی مخالفت عمر رضی اللہ عنہ نے کی لیکن یہ احکام فسخ نہ کیے گئے اور اس طرح علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں صحابہ کی مخالفت کی لیکن ان کے احکام فسخ نہ کیے(۱)۔

اور یہی معاملہ اجتہاد حاکم کے متغیر ہو جانے کا ہے یعنی خود فیصلہ دینے والا فیصلہ بدل دے کہ اس سے سابقہ فیصلے متاثرہ نہ ہونگے اور اس سلسلہ میں عمر رضی اللہ عنہ کا قول موجود ہے کہ انہوں نے کسی واقعہ میں فیصلہ کر دیا۔ لیکن نظر ثانی کرنے کے بعد ان کا اجتہاد تبدیل ہو گیا چنانچہ پہلے فیصلہ کو ترک کر کے دوسرا اپنایا اور جب ان سے اس بابت پوچھا گیا تو آپ وہ مشہور قول کہا "وہ ہمارا پہلا فیصلہ تھا مگر اب ہم یہ فیصلہ دیتے ہیں" (۲) اور یہی وہ اصول ہے جس پر آج کل تمیز کورٹ عمل پیرا ہے۔ بہرکیف تمیز کورٹ کے سابقہ صادر شدہ حتمی فیصلوں میں بعد کا عدالتی اجتہاد یا کسی قانونی آرٹیکل (دفعہ) میں نئے رخ سے سوچ بچار سے یہ فیصلے تبدیل نہ ہونگے۔ وہ صرف جدید مقدمات میں اپنے لئے اجتہادی عمل کو بروئے کار لائے گی۔ (۳)

جمہور فقہاء کے پیش کردہ خیالات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ مقدمات دائر کرنے کے لئے فی الجملہ درجہ بندی جائز ہے لہٰذا عدالت درجۂ اول یا ابتدائی سماعت کی عدالت کا کام مقدمات کی چھان بین اور تنازعات میں فیصلہ کرنا ہے۔ درجہ دوم جسے عدالت برائے اپیل کیا جاتا ہے جن کا کام

---

۱ - المغنی ابن قدامہ ۹/۵۶-۵۷، الاشباہ والنظائر السیوطی صفحہ ۱۱۳

۲ - دیکھئے تلخیص الحبیر ۴-۱۹۶ اور مفتی دار قطنی کے حواشی ۴-۸۸

۳ - دیکھئے مصطفیٰ احمد الزرقاء کی کتاب المدخل الفقہی العام ۲-۵۰۰ ف ۶۲۴

مقدمات کی چھان بین کرنا ہے اور اپیل سننا ہے درجہ سوم میں اعلی عدالتیں یا سپریم کورٹ آتی ہیں جن کا کام عدالتی اجتہاد کی نگرانی اور احکام و نصوص کی تطبیق ہے' خصاف جو تیسری صدی ہجری کے حنفی علماء میں سے ہیں انہوں نے جو اپنی کتاب "شرح ادب القاضی" میں ذکر کیا ہے اس سے اس رائے کو تقویت ملتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ: یہ بات جان لینی چاہیئے کہ قاضی صاحبان کے صادر کردہ فیصلوں کے خلاف کسی دوسرے قاضی کی طرف ان مقدمات کا پیش کرنا تین وجوہات سے خالی نہیں یا تو فیصلہ کتاب یا سنت کے خلاف ہوگا یا اجماع علماء کے خلاف یا علماء کے اجتہاد کی بنا پر ہوگا یا شاذ قول کی بنا پر ہوگا۔ بس پہلی صورت میں جس قاضی کی طرف مقدمہ پیش کیا گیا ہو وہ اسے فسخ کردیتا ہے تو اس کے بعد اسے کسی تیسرا قاضی کی طرف پیش کردیا جاتا ہے اور پھر تیسرا قاضی اسے فسخ کردیتا ہے تو اگر وہ اپنے فیصلہ میں کتاب و سنت یا اجماع کی مخالفت کرجاتا ہے تو اس کا فیصلہ باطل و گمراہ کن ہوگا اور باطل اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔

لہٰذا قاضی ثانی کو چاہیئے کہ وہ اسے فسخ قرار دے۔ دوسری صورت میں اگر قاضی کسی کے قول سے فیصلہ کردیتا ہے پھر یہ مقدمہ کسی دوسرے قاضی کو پیش کردیا جاتا ہے اور اس کی رائے اس فیصلہ کے متعلق مختلف ہو تو بھی اسے چاہیئے کہ وہ اس مقدمہ کو منظوری دیدے یہاں تک کہ اگر وہ اس کے ابطال یا فسخ کا حکم صادر کربھی دے تو یہی مقدمہ ایک تیسرے قاضی کی طرف پیش کردیا جائے گا اور یہ تیسرا قاضی پہلے فیصلہ کو نافذ کرے گا۔ اور دوسرے فیصلہ کو باطل قرار دے گا۔ اس لئے کہ پہلا فیصلہ بربنائے اجتہاد تھا اور اجتہادی اعمال میں فیصلہ بالاجماع نافذ العمل ہوتا ہے لہٰذا قاضی دوم کا پہلے فیصلہ کے متعلق بطلان حکم کا اجماع کے خلاف بات ہوگی اور اجماع کی مخالفت سراسر گمراہی ہے۔ جس پر اعتماد جائز نہیں ہے۔ اس قاضی سوم کو چاہے کہ اسے فسخ کرکے باطل قرار دے چاہے اس کی رائے اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور صرف اس امر کو سامنے رکھے جو اس کی طرف پیش کیا گیا ہو۔

تیسری صورت میں دوسرا قاضی اسے فسخ کردے گا اس لئے کہ جمہور کے مقابلہ میں شاذ قول نا قابل اعتبار ہے (۱)

پس جو کچھ گزرا وہ ظاہر کرتا ہے کہ جسے آج کل اپیل کورٹ کہا جاتا ہے اس کے بنیادی اصول و ضوابط پہلی صدی ہجری ہی سے فقہ اسلامی میں موجود تھے پھر بعد میں آنے والوں نے اس میں جو اضافہ کیا ہے وہ صرف اس کی عدالتی تنظیم ہے جس کے مطابق یہ طے کیا گیا کہ نظر ثانی کس میں ہو سکتی ہے' کس میں نہیں' کس مقدمہ کو درجہ دوم کی عدالتوں کے سامنے نظر ثانی کے لئے پیش کیا جاسکتا ہے اور کن مقدمات میں تمیز کورٹ تک معاملہ جاسکتا ہے اور ساتھ ساتھ ان کارروائوں کی حد بندی کردی گئی کہ جن کا حالات و واقعات تقاضا کرتے ہوں جو باعتبار جگہ اور شہر مختلف نوعیت کے ہوتے ہوں۔

اس سلسلہ میں حکومت عثمانیہ نے عدالتی ڈھانچہ میں تبدیلی کرکے درجۂ دوم (اپیل کورٹ) اور تیسرے درجہ کی عدالتوں (عدالت عالیہ) کا نظام پیش کیا۔ اور یہی وہ ترتیب ہے جس پر موجودہ عدالتی ڈھانچہ عمل پیرا ہے۔ حکومت سعودیہ نے مقدمات کے فیصلوں میں تاخیر کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے عدالتی ڈھانچہ میں محکمۂ اپیل کے نظام کو اختیار نہیں کیا ہے۔ کہ اس سے عدالتی اخراجات بھی بڑھ جاتے ہیں اور اس کے لئے ایک پورا عدالتی عملہ الگ سے رکھنا ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ ملک جن کے یہاں یہ نظام موجود ہے وہ بھی اس کے بدلنے پر غور کررہے ہیں حکومت سعودیہ میں عدالتی ڈھانچہ میں تیسرا درجہ مجلس قضاء کو دیا گیا ہے جو دوسرے عدالتی نظاموں میں ہائی کورٹ کے مرتبے سے بلند مقام رکھتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اسے تمیز کورٹ کے جاری کردہ احکامات و فیصلوں پر بھی نظر ثانی کا حق حاصل ہے۔ وہ چاہے تو اس کی تائید کردے' دوبارہ غورو فکر کے لئے کہے' یا اسے کالعدم قرار دے کر نئے سرے سے مقدمہ سنے۔ ظاہر ہے کہ اپیل کورٹ کے جاری کردہ احکامات کی نسبت ایسا

۱۔ خصاف کی شرح ادب القاضی ۳۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰

اختیار عدالت عالیہ کو حاصل نہیں ہے۔

قانون کی دستوری حیثیت پر عدالتی نگرانی میں یہ طے شدہ اصول ہے کہ عدلیہ ہر اس قانون کو رد کر سکتی ہے جو شریعت اسلامیہ سے متعارض ہو۔

اس طرح عدلیہ کا دائرہ اختیار قانون سازی' تنظیمی امور' تنفیذی امور سب پر محیط ہے اور اس طرح مملکت میں عدلیہ کے اختیارات کی بھی جدید نظام عدلیہ سے کہیں زیادہ ہیں خاص طور سے شریعت میں جو حق و انصاف کو مقام دیا گیا ہے عدلیہ اس کی اولین محافظ ہے۔ (۱)

۱۔ پیرس کے پہلے سمینار سنہ ۱۹۷۴ء میں پیش کردہ سعودی رپورٹ

- ٦ -

جیوری میں ایک قاضی یا کئی قاضیوں کا اصول

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک اور اس کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور خلفاء بنی امیہ کے ابتدائی دور میں عدالت کا معاملہ کچھ ایسا تھا کہ تمام احکام ایک ہی قاضی کی طرف سے صادر ہوتے تھے۔ اس کے بعد عدلیہ کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس میں فردی عدالت کے ساتھ اجتماعی قضاء کی شکل بھی ملتی ہے مگر وہ نادر ہے' اس سلسلہ میں ابن جوزی کہتے ہیں کہ سوائے عدالت بصرہ کے جو عبداللہ بن حسن العنبری اور عمر بن عامر کے درمیان مشترک تھی' کبھی بھی عدالت دو اشخاص کے درمیان مشترک نہ ہوئی مذکورہ بالا حضرات ایک مجلس میں اکٹھے ہو کر لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے۔ (۱)

کتاب "مسالک الابصار فی ممالک الامصار" کے مصنف ابن فضل اللہ العمری نے ذکر کیا ہے کہ بعض بڑے مقدمات چار قاضی صاحبان کی موجودگی میں سنے جاتے تھے۔ (بظاہر اس کثرت کا سبب تعداد مذاہب ہوگا) اور لگتا ہے کہ وہ نائب سلطان کے حکم کے مطابق مسجد دمشق میں اکٹھے ہوتے تھے اور ان پیچیدہ مسائل میں تبادلۂ خیالات کرتے تھے جو ایک تنہا قاضی کے بس کا روگ نہ تھا۔ یا ایک قاضی کی رائے کافی نہ تھی تو وہ ایک متفقہ حکم صادر کرتے۔ (۲)

عہد عثمانیہ کی تاریخ عدالت میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس زمانہ میں احکام پر بحث و تمحیص اور مقدمات میں غور و فکر کے لئے فوجداری عدالت اور عدالت حقوق کے سربراہ و ممبران اکٹھے ہوا کرتے تھے' علماء کے اس مسئلے کی تحقیق کے مطابق اس مسئلہ میں کتب فقہ میں اختلافات بیان کئے گئے ہیں چنانچہ مالکی شافعی اور حنبلی مذہب کے نزدیک ایک سے زائد قاضی کا مقدمہ میں غور و فکر اور

۱۔ دیکھئے کتاب الاذکیاء صفحہ ۸۱ ۔ ۸۲

۲۔ دیکھئے محمود عرنوس کی کتاب تاریخ القضاء فی الاسلام صفحہ ۹۲

فیصلہ کرنا ممنوع ہے' ان کا کہنا ہے کہ اگر حاکم ایک شہر میں دو قاضی مقرر کرتا ہے اور ہر ایک کے لئے علیحدہ جگہ وقت اور نوعیت طے کرتا ہے تو یہ تو جائز ہے کہ اس میں دونوں کی رائے میں نزاع کا امکان نہیں ہے۔ لیکن اگر ایک فیصلہ میں ان کو یکجا کیا گیا ہو تو پھر جائز نہیں ہے اس لئے کہ جب محل اجتہاد میں دونوں کے درمیان اختلاف واقع ہوگا تو لازمی ہے کہ دعوی موقوف ہو جائے اور اس طرح عام مصلحت معطل ہو کر رہ جائے گی۔

مالکی مذہب کے مطابق دو قاضیوں کے سامنے ایک ہی مقدمہ پیش کرنا صحیح نہیں ہے کہ ہر ایک کے نقطۂ کے مطابق حق الگ الگ ہو سکتا ہے اس طرح ان کا ایک رائے پر متفق ہونا مشکل ہے اور اس طرح سے حکم ہی باطل ہو جائے گا۔ (۱)

جبکہ احناف حنابلہ۔ ایک روایت میں۔ اور شافعیہ۔ ایک قول میں عدالت میں عدالت کو وکالت پر قیاس کرتے ہوئے ایک جگہ ایک زمانہ اور ایک ہی مقدمہ میں ایک سے زیادہ قاضی صاحبان کی شرکت کو جائز جس طرح موکل کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی طرف سے بہت سے وکیل مقرر کرے بغیر اس کے کہ ان میں سے کوئی تنہا تصرف کا مالک ہو تو بالکل اسی طرح اگر حاکم اسی ایک مقدمہ میں غور کرنے کے لئے تین یا پانچ قاضی صاحبان مقرر کرتا ہے تو یہ درست ہوگا جس طرح کہ عباسی خلیفہ مہدی نے منصب عدالت کو دو شخصوں کو ایک ساتھ سونپ دیا تھا(۲)۔ شافعی عالم خطیب الشربینی نے دونوں اقوال کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دو مجتہد قاضیوں کا اکٹھا ہونا جائز نہیں' لیکن اگر حاکم کسی ایک امام کے دو مقلد قاضی مقرر کرتا ہے تو پھر جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ کہ دونوں حضرات اس مسئلہ میں صحیح ترین فیصلہ دیں گے۔ اسی طرح اگر دونوں میں سے کسی ایک سے قول کے ترجیح کی تصریح کر دے تو اس سے دونوں قاضی حضرات کے درمیان اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں

۱۔ تبصرۃ الحکام جلد ۱۔ مقدمہ اور حاشیہ الدسوقی جلد ۴ صفحہ ۱۳۴ المرقبہ العلیا صفحہ ۴ اور دیکھئے ابن العربی کی احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۱۳۶۶

۲۔ موفق الدین ابن قدامہ المقدسی کی کتاب الکافی جلد ۳ صفحہ ۴۳۷

رہتی ہے۔ ان باتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایک سے زائد قاضی کا تقرر جائز ہے اگر حاکم دونوں قاضی صاحبان کو ایک متفق فیصلہ کے لئے شروط کرتا ہے تو پھر حاکم کی رائے پر انصاف کرتے ہوئے نزاع نکل جایں گے۔ (۱)

اور یہ صاف عیاں حقیقت ہے جس کی علت ہمارے وقت میں ثابت ہو چکی ہے ممنوع قرار دینے والوں کے نزدیک اس کا اگر کوئی سبب ہے تو وہ خوف اختلاف ہے اور یہ اس وقت زائل ہو سکتا ہے جب قاضیوں کی تعداد طاق ہو گئی مثلاً تین یا پانچ تاکہ بصورت اختلاف اکثریت کی رائے کا حصول ہو سکے بس جب حاکم اکثریت کی رائے کو اپنائے گا تو اس سے اختلاف کا خوف کو خود بخود دور ہو جائے گا۔ (۲)

رہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک کہ وہ ایک قاضی فرد کا نمونہ پیش کرتا ہے تو یہ اس لئے تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے امام تھے' بس جو کچھ ان سے صادر ہوا وہ معاشرہ اور وقت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے حالات کی ضرورت تھا۔ اس طرح وہ عام تشریحی حکم نہ تھا جس کی مخالفت صحیح نہ ہو۔ (۳) جدید بشری قوانین میں تعداد قاضی کے متعلق بے شمار مباحثات ہو چکے ہیں۔ اور اس پر اختلاف رائے ہے کہ کون سا نظام زیادہ بہتر ہے یہ اختلاف اصول کے درمیان

۱۔ مغنی المحتاج مجلد ۴۔ صفحہ ۳۸۰ اور القضاء فی الاسلام صفحہ ۵۶

۲۔ اکثریت کی رائے کے التزام کا جواز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فصل مبارک سے لیا جا سکتا ہے کہ جب انہوں نے مدینہ سے باہر جنگ لڑنے کے متعلق صحابہ کرام کی اکثریت کا مشورہ قبول کیا تھا اس سے ثابت ہوا کہ چاہے اکثریت کے رائے سربراہ کی رائے سے مختلف ہو پھر بھی اکثریت کی رائے ہی قابل قبول ہوگی بسا اوقات اکثریت کی رائے بھی غلط ہو سکتی ہے اور اقلیت کی درست لیکن چونکہ یہ نادر ہے اور نادر کا کوئی حکم نہیں۔ اس لئے شرعاً تسلیم شدہ بات یہ ہے کہ اکثریت کی رائے ہی درست ہے۔ جب کہ تمام رائے رکھنے والوں میں بغیر کسی تعصب مذہبی کے بحث ہو چکی ہو اور اکثریت سامنے آ گئی ہو اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہو سکتی اور ایک روایت میں کہ میں نے اللہ جل شانہ سے سوال کیا کہ میری امت گمراہی پر اکٹھی نہ ہو اور اللہ نے میری دعا قبول فرمائی۔

۳۔ دیکھئے امام قرافی کی کتاب الفروق جلد ۱ صفحہ ۲۰۶ اور ان کی دوسری کتاب الاحکام فی تمیز الفتاوی عن الاحکام صفحہ ۶

ترجیح پر نہیں ہے کیونکہ یہ تو ہر ملک کے طریقے کار سے متعلق ہے اختلاف اس پر ہے کہ ان دونوں کا دائرہ کار کیا ہے۔ بشری قوانین اس پر متفق ہو چکے ہیں کہ ان دونوں نظاموں کو ساتھ ساتھ برقرار رکھا جائے۔ وہ اس طرح کہ چھوٹی عدالتوں میں قاضی فرد کا نظام منطبق ہو جب کہ کثرت قاضی کا نظام اعلی عدالتوں میں رائج ہو۔(۱)

بس یہی نظام حکومت سعودیہ میں اپنایا گیا ہے جہاں چھوٹی عدالتوں میں قاضی فرد کا نظام رائج ہے مگر قتل، رجم اور قطع ید وغیرہ میں کثرت قاضی کا نظام اپنایا گیا ہے اس طرح یہ فیصلے تین قاضی صاحبان سے صادر ہوتے ہیں۔

اسی طرح تمییز کورٹ میں بھی جماعت قاضی کا نظام اپنایا گیا ہے چنانچہ قانون میں یہ بات طے شدہ ہے کہ قتل رجم اور قطع کے فیصلے پانچ قاضی صاحبان کے اتفاق سے صادر ہونگے، اس طرح کثرت قاضی صاحبان کا نظام مجلس اعلی برائے قضاء کے فیصلہ جات میں بھی رائج ہے۔

یہ اجتماعی فیصلے کا طریق کار مملکت کے نظام عدل میں کوئی نئی بات نہیں ہے یہ قاعدہ مملکت کے نظام برائے عدل سنہ ۱۳۴۶ ہجری مطابق ۱۹۲۷ء میں شامل تھا جس کا اشارہ پہلے گزر چکا ہے۔ آغاز میں اجتماعی نظام عدل نچلی درجہ کی تمام عدالتوں میں تمام مقدمات کے لئے اپنایا گیا مگر اس کے بعد سنہ ۱۳۵۰ ہجری بمطابق ۱۹۳۰ عیسوی میں عدالتوں کے طریقہ کار پر صادر نظام کے آرٹیکل نمبر ۱۹ کے مطابق یہ قتل رجم اور قطع جیسے اہم مقدمات تک محدود کر دیا گیا۔ وہ اس طور کہ اگر عدالت میں دو یا دو سے زائد قاضی موجود ہوں تو ان میں سے ہر ایک انفرادی طور پر اس تنازعہ میں غور و فکر کرے گا اور اپنی رائے کے مطابق فیصلہ صادر کرے گا۔ (۲)

اس طرح مملکت میں اجتماعی یہ طریقہ سابقہ عدالتی ڈھانچہ کے مطابق ادارۂ برائے عدالتی تحقیق و تفتیش کے احکام میں اپنایا جاتا تھا۔ (جسے آج کل جدید عدالتی ڈھانچے میں محکمہ التمییز کہا جاتا ہے)۔

۱۔ دیکھئے محاضرات فی التنظیم القضائی صفحہ ۱۹۱ از ڈاکٹر توفیق الشاوی

۲۔ دیکھئے دفعہ نمبر ۹، ۱۳، ۲۳، ۳۵، برائے نظام القضاء سن ۱۳۹۰ ہجری

- ۷ -

کھلی کچہریوں اور زبانی سماعت کا اصول

تمام عدالتی نظاموں میں کھلی کچہریوں کے نظام کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے نظام عدالت نے احکام سے متعلق دفعات نمبر ۳۳-۳۶ میں جو اہم و بنیادی اصول و ضوابط شامل کئے ہیں ان میں مقدمات کی سماعت اور نشست کے بارے میں بھی بحث کی ہے۔ قانون عدالت میں یہ بات طے کی گئی ہے کہ سوائے خصوصی حالات کے جن میں عدالت کسی کاروائی کو مخفی رکھنا چاہتی ہو یا کسی فریق کی طرف سے مقدمہ کو خفیہ رکھنے کی درخواست کی گئی ہو۔ اور اس کا مقصد صرف نظام عامہ کی حفاظت آداب عامہ کا احترام' خاندانی عزت و وقار وغیرہ وغیرہ کا مسئلہ ہو جو بند کمرہ میں مقدمات کی سماعت کا تقاضہ کرتا ہے اس کے علاوہ تمام مقدمات کی سماعت کھلے عام ہوگی۔

اس اصول سے یہ مراد ہے کہ ایسی تمام کارروائیاں جو عدالت مقدمہ کے فیصلہ سے قبل سر انجام دیتی ہے۔ جن کا تعلق تحقیق دعوی سے یا محل تنازعہ کا جاکر دیکھنا ہو تو یہ تمام کاروائی کھلی ہوگی جس کے بعد فیصلہ دیا جائے گا' نظام میں یہ بات مقرر کر دی گئی ہے کہ ہر حالت میں مقدمہ کا فیصلہ فریقین کی موجودگی میں سنایا جائے گا۔ کھلی سماعت کو عدل و انصاف کی گارنٹی شمار کیا جاتا ہے' اس لئے کہ یہ عوام الناس کو عدالتی کاروائی کا جائزہ لینے کا موقع میسر کرتی ہے۔ جس سے قاضی اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں مزید محتاط ہو جاتا ہے اور اپنے عہدہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے پورا وقار و رعب سے سماعت کرتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ کسی غلط فیصلہ سے کسی سے ظلم یا رعایت سے بچا رہتا ہے اور اسی طرح فریقین بھی اپنے سامنے کاروائی کا مشاہدہ کرکے اطمینان میں رہیں گے اور قاضی کے فیصلہ پر انہیں اعتراض نہ ہوگا۔

بلاشبہ کھلی سماعت کا اصول شریعت اسلامی میں ثابت شدہ ہے چاہے اس پر نص نہ بھی ہو۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں مقدمات مساجد میں پیش کئے جاتے تھے' اور اس میں کوئی شک کی بات

نہیں مسجد ایک ایسا مقام ہے جس میں چھوٹے بڑے آتے جاتے رہتے ہیں اور جو مسلمانوں کی جائے پناہ اور ایک ایسی جگہ ہے جہاں وہ اکٹھے ہوتے ہیں فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ قاضی کے لئے یہ بات بہت پسندیدہ ہے کہ اس کی مجلس میں اہل علم وفقہ موجود رہیں تاکہ کسی مشکل صورت میں ان سے مشورہ طلب کر سکے' اس کا مطلب ہوا کہ یہ کھلی سماعت ہوگی تاہم انہوں نے اسے نظام عدل اور اسکی بقا کے لئے اس طرح ضروری قرار نہیں دیا' جس طرح آج کل بشری قانون میں اسے لازمی حیثیت حاصل ہے اور یہی انداز منصب قاضی کے احترام کے زیادہ قریب ہے مدعیان کے حق کو مارے بغیر۔ کیونکہ نظام عدل مدعیان کو یہ حق فراہم کرتا ہے کہ وہ قاضی صاحبان کے کسی ایسے طرز عمل سے کہ جس سے عدم اطمینان یا کسی دوسرے فریق کی طرف رجحان ظاہر ہو اس پر ہرگز خاموشی اختیار نہ کریں تو اس کے بعد کھلی سماعت ایک اضافی چیز جو تمام حکومت سعودیہ میں رائج قانون کے ایک درمیانی راستہ اختیار کر رکھا ہے اس کے قانون میں اس اصول کو نظرانداز نہیں کیا گیا ہے مگر اسے واجب بھی نہیں قرار دیا ہے کہ اگر ایسا نہ ہو سکے تو عدالتی نظام ہی نہ چلے گا۔ اور اس کے ساتھ مملکت میں کھلا عدالتی نظام ہی نافذ العمل ہے۔ اس لئے کہ نظام عدل زبانی سماعت پر قائم ہے اور زبانی سماعت کھلی سماعت کے ساتھ مربوط ہے۔ بلکہ زبانی مقدمات اس کھلم کھلا کاروائی کو بدرجۂ اتم تحقیق کرنے کی بنیادی شرط ہے اور جب مقدمات کی کاروائیاں تحریری کاغذات تک محدود ہو کر رہ جائیگی جن کو صرف فریقین ہی دیکھیں گے تو پھر کھلی عدالت کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور کھلم کھلا کاروائی کی اہمیت باقی نہ رہیگی بلاشبہ زبانی سماعت میں قاضی مدعیان پر جرح و بحث کرکے پوشیدہ پہلو سے آگاہی حاصل کرتا ہے اور فریقین کی طرف سے پیش کردہ ثبوت و دستاویزات پر اس طرح غور و فکر کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ تمام کچھ عوام الناس کو قاضی صاحبان کی کارکردگی پر نگاہ کا موقع دیتا ہے جس کے نتیجہ میں قاضی صاحبان کی حسن کارکردگی واضح ہو جاتی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ زبانی مقدمات کا طرز عدالت عامہ اور فوری سماعت کی عدالتوں میں

رائج ہے۔ رہی بات اپیل تمییز کورٹ کی۔ تو وہاں صرف تحریری بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے یہاں ہم زبانی مقدمات سے متعلق بات کر رہے ہیں تو میں چاہوں گا کہ یہاں ایک سوال کا جواب بھی سامنے آ جائے کہ اگر فیصلہ دیتے وقت دوسرا قاضی جگہ سنبھال لے تو کیا اس سے کھلی سماعت کا نظام متاثر نہ ہوگا؟

سعودی مملکت کے نظام عدالت کی دفعہ ۳۴ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ تنازعہ میں کاروائی کرنے اور پھر فیصلہ کے وقت قاضی صاحبان کی ایک مقررہ لازمی تعداد کا موجود ہونا ضروری ہے اور اگر یہ مقررہ تعداد میسر نہیں آتی تو کسی کو نامزد کیا جائے گا اور پھر فیصلہ جات متفقہ طور پر یا اغلب رائے سے صادر کیے جائیں گے۔

زبانی مقدمات دائر کرنے کا قاعدہ اس بات کا متقاضی ہے کہ قاضی مقدمہ کے تمام واقعات خود سنے لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ قاضی تبدیل ہونے کی صورت میں مقدمہ کی کاروائی کو پھر سے سنا جائے گا یا اس کے لئے لازم ہے کہ وہ مقدمہ کی تحقیق جہاں تک پہنچی ہو اس کے آگے سے شروع کرے۔

عدالت کے بعض نظام تو اس قاعدہ سے نکل چکے ہیں اور چند اس بارے میں خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ انہیں میں سے کویت کا قانون برائے کاروائی مقدمات ہے جو وقت بچانے کے لئے نفس مقدمہ کے لئے ایک قاضی کی جگہ دوسرے قاضی کی تقرری کو قبول کر چکا ہے۔ اور شامی نظام فوجداری عدالتوں کے قانون کے باوجود اس تبادلہ کو نہیں مانتا ہے اور اس طور صادر شدہ فیصلہ جات کو فسخ کر دیتا ہے۔ (۱)

رہی بات مملکت سعودیہ کے نظام عدالت کی تو شرعی اداروں کے انتظامی امور کے نظام کی دفعہ نمبر ۱ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ وہ معاملات جن میں قطعی فیصلہ صادر ہونے سے قبل قاضی معزول یا

۱۔ دیکھئے مجموعہ قوانین ا لنقض نمبر ۱۳۲ قانون برائے حقی تاوان مورخہ ۳۱/۳/۱۹۶۶ء

فوت ہو جاتا ہے تو اس کی جگہ سنبھالنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس مقدمہ کا پوری احتیاط اور درستگی سے مطالعہ کرے اگر اس مقدمے کے فیصلے پر مدعیان اور گواہوں کے دستخطوں پر پہلے قاضی کے دستخط ہو چکے ہوں تو بعد میں آنے والے قاضی کو چاہیئے کہ وہ اسے جاری کر دے۔

بے شک یہ شرط زبانی مقدمات اور مصلحت فریقین دونوں کو شامل کئے ہوئے ہے اور اس طرح سے تنازعات جلد ختم ہو جاتے ہیں اور زیادہ طول نہیں کھینچتے ہیں۔

- ۸ -

مفت حصول انصاف کا قاعدہ

مفت انصاف مہیا کرنے کا مقصد فریقین میں سے کسی کو بھی عدالتی فیس ادا کیے بغیر انصاف دلانا ہوتا ہے اس میں مقدمہ کے فیصلے کے لئے نہ قاضی صاحبان کو بھاری رقوم ادا کی جاتی ہیں اور نہ مقدمہ دائر کرنے کے سلسلہ میں سرکاری فیس جمع ہوتی ہے۔

مفت انصاف کا قاعدہ اسلام کے ابتدائی ایام سے ہی مقرر تھا قاضی صاحبان کی تنخواہ یا معاوضہ مسلمانوں کے بیت المال سے دیا جاتا تھا۔ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ قاضی صاحبان کی مالی حالت بہتر بنانے کے لئے ان کو معقول تنخواہ دی جائے تاکہ ان کے ہاتھ لوگوں کے مال و متاع کی طرف دراز نہ ہو سکیں' اور نہ انہیں رشوت و تحائف کی ضرورت باقی رہے۔ اس طرح مقدمات کے خرچ و اخراجات کے نام سے جو مد ہے اس کی نسبت ہمیں کسی اسلامی حکومت میں کوئی مثال نہیں ملتی ہے سوائے اس بات کے کہ خلفائے بنی عباس کے آخری ایام میں مقدمات کے دائر کرنے میں کچھ فیس Fees مقرر کی گئی تھی ورنہ اسلام کا اصل طرز عمل یہی تھا کہ تمام صورت حال میں انصاف مفت فراہم کیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات اپنے صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کرتے تھے جس کے معنی یوں ہیں یا اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں ٹیکس وصول کرنے والے بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے تمہیں تو اللہ جل شانہ نے داعیان اسلام بنا کر بھیجا ہے۔

بس اسلامی حکومت قاضی صاحبان کی مالی کفالت کرتی تھی تاکہ قاضی اپنی زندگی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دے اور یہ فرانس اور چند یورپی ممالک میں فرانسیسی انقلاب سے قبل تک رائج قانون کے بالکل برخلاف تھا کہ ان ممالک میں جج انصاف کے عوض فریقین سے مال طلب کرتا تھا اور یہ نظام رشوت لینے کا ایک ذریعہ بنا ہوا تھا جس سے جج کی پاکدامنی اور غیر جانبداری بری

طرح متاثر ہوتی تھی۔

آج کے نظام حکومت میں قاضی کو ایک سرکاری تنخواہ دار کی حیثیت حاصل ہے جو اپنی تنخواہ خزانہ عامہ سے وصول کرتا ہے مگر دوسری سمت سے موجودہ حکومت میں مفت انصاف کا وہ قاعدہ ترک کر دیا گیا ہے۔ جس کا تعلق مقدمہ کے اخراجات سے تھا اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے ایک طرف تو مقدمہ کی سنجیدگی ظاہر ہو سکے گی اور دوسری طرف اہل وطن بھی اس بوجھ میں کچھ شرکت کرتے ہیں جو حکومت انصاف کے لئے برداشت کرتی ہے۔

دنیا کے تمام ممالک میں یہی طریقہ رائج ہے لیکن مملکت سعودیہ کو جس کا مقصد اعلیٰ عوام میں عدل و انصاف کی عام فراہمی ہے اور عوام کی مفت تعلیم و تربیت اور مفت طبی امداد کی طرح یہ بھی فرض اولین ہے اس حکومت کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ ان تمام امور کو اپنے اخراجات سے چلاتی ہے مملکت نے اس غرض کے لئے مفت مقدمہ دائر کرنے کا اصول اپنایا ہے اور عدالتی کارروائی کے مختلف مراحل میں کسی قسم کی کوئی فیس نہ لیتے ہوئے قاضی صاحبان اور عدالتی امور سے منسلک تمام عہدیداروں کی تنخواہیں سرکاری ذمہ داری میں شامل ہیں اور اس یقین کے ساتھ کہ عدلیہ کا وجود نہ صرف فریقین کے فائدہ کے لئے ہے بلکہ ملک کے تمام افراد کے لئے برابری کی سطح پر اس کے فوائد موجود ہیں کیونکہ یہ عدالتیں تمام افراد کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتی ہیں اور وہاں صرف کسی دعوی کرنے والے کے حقوق کی حفاظت بھی کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مطلوبہ صورت میں افراد جو اپنے معاہدات پورا کرنے کے لئے تنازعات کے لیئے فیصلوں میں آسانی پیدا کرتی ہے۔ تاکہ انہیں مقدمات سے دور رکھا جائے جس سے قاضی صاحبان پر ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور ساتھ ساتھ عدالتوں پر دباؤ میں بھی کمی واقع ہوگی۔

مفت مقدمہ دائر کرنے کا اصول جس طرح کہ ہم وضاحت سے بیان کر چکے ہیں ایک ایسی خوبی ہے جس میں دوسری خوبیاں خود بخود شامل ہو جاتی ہیں اور یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ مملکت سعودیہ اس

معاملہ میں اقوام عالم سے منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ اور مقدمہ دائر کرنے کے مفت اصول کے ساتھ ساتھ شرعی احکام کا التزام اور عدل کے یک رنگ نظام کی خوبیوں میں مملکت کا کوئی شریک نہیں ہے اور پھر اس میں وہ خوبیاں بھی موجود ہیں جو دوسرے نظامہائے عدالت میں پائی جاتی ہے۔

- ۹ -

فریقین کے درمیان اصول ثالثی

ثالثی ایک طرح کی رضا کارانہ عدالت ہے جس کی جڑیں عوام کے اختیارات میں ہوتی ہیں۔ یہ ایک ایسا عدالتی شعبہ ہے جس کا تعلق حدود و قصاص کے مقدمات چھوڑ کر باقی مالی مقدمات وغیرہ سے ہے جس کے بارے میں اس کتاب میں ہم آگاہی حاصل کریں گے۔

ثالثی کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ ایک ابتدائی نوعیت کا انصاف ہے جو بہت کم مدت میں ترقی کر گیا یہ قول حقیقت سے خالی بھی نہیں ہے۔ ابتدائی معاشرہ میں قبائلی و خاندانی رشتے مظلوم کو اس بات پر ابھارتے تھے کہ وہ دشمن سے اپنا معاملہ اپنے ہاتھ سے صاف کرے کہ اپنا انتقام خود لیکر اپنا حق وصول کرے یا اپنے خاندان والوں کو شامل کر کے یہ کام انجام دے۔ ایسے معاشرہ میں ثالثی کا ظہور عدل و انصاف کو تحقیق کرنے کی طرف ایک بڑا قدم تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ فریقین کو ایک دوسرے سے براہ راست انتقام لینے سے روکا جائے اور انہیں ایک ایسے شخص کے سپرد کر دیا جائے جسے معاشرہ میں معتبر سمجھا جاتا ہو تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر سکے اور اس طرح تاریخ میں انتقام یا انفرادی خود ساختہ عدل کے بجائے ثالثی کا نظام ظہور پذیر ہوا۔ اور پر امن عدالتی طریق کار شروع ہوا۔ اس میدان میں جس قدر بھی انسانی کوششیں کی گئیں ہیں نظام ثالثی کو ان سب پر سبقت حاصل ہے۔ موجودہ زمانہ میں تجارتی و مالی معاملات کے بڑھنے اور پھیلنے سے متعلقہ امور کی نشو و نما کے باعث تنازعے بھی بڑھے ہیں۔ ان کے حل کے لئے تنازعات کو ختم کرنے کے لئے ثالثی کا اصول ایک قابل ستائش وسیلہ ہے اس نظام کو (انصاف برائے نجی شعبہ) کا نام بھی دیا گیا ہے۔ اور یہ نام اس مغربی نظریہ سے بھی ہم آہنگی رکھتا ہے جو ثالثی کے نظام کو حکومتی و خاندانی امور کو چھوڑ کر صرف اموال تک محدود رکھتا ہے۔ مگر اسلام کا نظریہ ثالثی اس نظریہ سے زیادہ جامع ہے۔

اسلام نے تو عائلی امور اور حکومتی امور دونوں کو ثالثی کے سپرد کیا ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ہر ملک میں تجارتی معاملات کی نشو و نما کے سبب سے بین الاقوامی تجارتی تعلقات کی نشو و نما بھی کمپنیوں اور تجارتی منصوبوں کی زیادہ تعداد کی شکل میں ہوئی اور جب ان میں تنازعات سامنے آئے تو بین الاقوامی تنازعات کے حل کے لئے نظام ثالثی کی طرف رجحان بڑھا اور یہ نظام علاقائی ثالثی کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی نظام ثالثی سے بھی متعارف ہوا۔ اس میں یہ بات طے شدہ ہے کہ داخلی نظام ثالثی مقامی یا ملکی قوانین ہی کے تحت آئے گا جب کہ بین الاقوامی تنازعات میں کئی جہت سے دیکھا جاتا ہے مثلاً کسی فریق کا کسی ملک سے تعلق ہے وہ کہاں مقیم ہے اور معاہدہ کس ملک میں طے پایا اور ادائیگی کس سکے میں ہوگی اور معاہدہ کس ملک میں نافذ العمل ہوگا۔ ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر ہی طے ہوگا کہ معاہدہ کس ملک کے قانون کے تحت آتا ہے۔

اسلام میں ثالثی کی مشروعیت

قرآن کریم میں جو اسلامی قانون سازی کا مصدر اول ہے' اس میں میاں بیوی کے درمیان تنازعہ میں ثالثی کے ذریعہ فیصلہ کو بیان کیا گیا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَٱبْعَثُوا۟ حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِۦ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَآ إِن يُرِيدَآ إِصْلَـٰحًا يُوَفِّقِ ٱللَّهُ بَيْنَهُمَآ ﴾ [النساء : ٣٥]

"اور اگر تم لوگوں کو کہیں میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا۔"

احرام کی حالت میں شکار کرنے کے متعلق ثالثی کے تعلق سے فرمان باری تعالیٰ ہے:۔

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْتُلُوا۟ ٱلصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُۥ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ ٱلنَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِۦ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ ﴾ [المائدة: ۹۵]

"اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو اور اگر تم میں سے کوئی جان بوجھ کر ایسا کر گزرے تو جو جانور اس نے مارا ہو اسی کے ہم پلہ ایک جانور اسے مویشیوں میں سے نذر دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے۔"

ان آیتوں میں محل استدلال یہ ہے کہ جب حقوق زوجین اور جزائے صید میں حکم (ثالث) کو طے کر دیا گیا تو اس طرح تمام حقوق و مقدمات میں ثالثی کے جواز پر دلیل مل گئی۔ اس لئے کہ جب زیادہ اہم بات کہدی گئی تو اس سے کم اہم بات اس میں خود شامل ہو گئی۔ رہی سنت سے دلیل تو ابو شریح نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ حکم تو اللہ ہے اور حکم اس کی طرف لوٹتا ہے تو پھر تو نے کس لئے اپنی کنیت ابو حکم رکھی ہے؟ میں نے کہا کہ میری قوم میں جب کسی بات پہ اختلاف ہو جاتا تو وہ میرے پاس آتے اور میں ان کے درمیان ایسا فیصلہ کر دیتا جس سے دونوں فریق راضی ہو جاتے یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کتنی اچھی چیز ہے۔(۱)

اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے یہود کے لئے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ثالثی پر رضامندی ظاہر کی اور ان کے فیصلہ پر عمل کیا۔(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب کے درمیان کھجوروں کے درخت کے مسئلہ پر تنازعہ ہوا تو ان کے درمیان زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ثالثی کی اور اسی طرح عثمان و طلحہ اپنا تنازعہ جبیر بن مطعم کے پاس لے گئے۔ اور یہ سب کچھ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا۔ اس لئے کہا جائے گا کہ اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ جو اسلام میں ثالثی کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرے رخ

۱۔ دیکھئے سنن نسائی (اذا حکموا رجلا فقضی بینھم) جلد ۴ صفحہ ۲۲۶

۲۔ دیکھئے صحیح البخاری باب اذا نزل العدو علی حکم رجل جلد ۴ صفحہ ۸۱

سے چونکہ ثالث مقرر کرنے والے اپنے تئیں خود فیصلہ کے مالک ہوتے ہیں لہٰذا نظام ثالثی بھی جائز ہوا کیونکہ وہ ایک قسم کا ذاتی فیصلہ ہے۔(جو وہ خود نہ کر کے ثالث سے کرواتے ہیں)۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مملکت میں سنہ ۱۳۵۰ھ بمطابق ۱۹۳۱ء میں محکمۂ تجارت (تجارتی عدالت) نے تجارتی کونسل کے نام سے ادارہ برائے انسداد تجارتی تنازعات قائم کیا تھا۔ اس کی ۴۹۳ اور اس سے آگے کی دفعات میں طے کیا گیا ہے کہ ان مذکورہ کمیٹیوں کو ثالثوں کے ان فیصلوں میں نظرثانی کرتے۔ اور ان امور میں فیصلہ کرنے کا حق ہے جن میں متعلقہ افراد تنازعہ اٹھانے سے قبل یا بعد میں ثالثی پر متفق ہو چکے ہوں۔ اسی طرح نظام عمل و عمال نے بالتفصیل ثالث کی طرف رجوع کرنے کا حق دے رکھا ہے اسی طرح سنہ ۱۳۶۵ ہجری بمطابق ۱۹۴۵ عیسوی کے منسوخ شدہ قانون برائے ایوان تجارت و صنعت اور موجودہ نظام جاری شدہ ۱۴۰۰ ہجری بمطابق ۱۹۸۰ عیسوی نے چیمبر آف کامرس و صنعت کو تاجر حضرات کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کو نپٹانے کا حق دے رکھا ہے اور اسکو ایک ثالث تسلیم کیا ہے جس کی طرف باہمی اتفاق سے رجوع کیا جا سکتا ہے اور اس صورت میں چیمبر تحکیم کے فرائض انجام دے گا۔(۱)

مورخہ ۲۲-۵-۱۴۰۱ ہجری میں ۱۸۷۱ کے نمبر سے ایوان تجارت و صفت کے نظام کے تعلق سے وزیر تجارت کا سرکلر صادر ہوا اس میں چیمبر آف کامرس کے لئے خالی دفعہ ۴۰ کے تحت اس کا دائرہ عمل طے کر دیا گیا ہے۔ اور جس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ اس مذکورہ نظام کو قابل عمل بنانے کے لئے وزیر تجارت اور وزیر صنعت و بجلی کے باہمی اتفاق سے ضروری فیصلہ جات اور تنفیذی منشور صادر کیا جائے۔ اس منشور میں دفعات نمبر(۴۹-۵۴) بھی ہیں جو ان بعض تنفیذی قواعد سے متعلق ہیں جو ایوان کی ثالثی کے وقت سامنے رکھے جائینگے۔

پھر آخر میں سنہ ۱۴۰۳ ہجری بمطابق ۱۹۸۳ عیسوی میں فرمان نمبر ۴۶ کے ذریعے مملکت سعودیہ

۱۔ نظام برائے ایوان تجارت سنہ ۱۳۸۰ھ بمطابق ۱۹۵۶ء - ۱۹۶۰ء

میں نظام ثالثی صادر ہوا جس میں تجارتی اور غیر تجارتی تنازعات کے لئے نظام ثالثی کو منظم کیا گیا اور اس طرح نظام نے محکمۂ تجارت (تجارتی عدالت) کے منشور برائے داخلی تحکیم کو منسوخ کر دیا۔

غرض اس طرح ثالثی کو ایک انفرادی قسم کے نظام عدل کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے جو اپنی قوت عامہ الناس سے حاصل کرتا ہے اور وہ عدل وانصاف کا ایک ایسا شعبہ ہے جس کا تعلق حدود قصاص کے مقدمات کو چھوڑ کر تمام مالی مقدمات سے ہے۔

ثالثی کے فوائد اور نقصانات

ثالثی کا طریقہ کار وساطت سے مختلف ہے۔ وہ اس طرح کہ فیصلہ ثالثی فریقین کے لئے لازم ہوتا ہے۔ وساطت کا مقصد فریقین میں صلح کرانا ہوتا ہے اور صلح اسی وقت ہو سکتی ہے جب متعلقہ فریقین اس پر رضامند ہوں۔ ثالثی کے لئے بنیادی صفت یہ ہے کہ تنازعہ میں ملوث افراد خود قاضی مقرر کرتے ہیں اور ان کے اختیار کو طے کرنے کے لئے خود قواعد وضوابط وضع کرتے ہیں۔

دنیا کے بیشتر ممالک میں اس نوعیت کا طریقہ کار موجود ہے جس میں بعض افراد اس طرح کی تحکیم سرانجام دیتے ہیں جب کہ عام حالات میں انہیں اس بات کا اختیار ہرگز حاصل نہیں ہوتا ہے نہ وہ مستقل قاضی شمار ہوتے ہیں بہر حال یہ عمل جس طرح اختیاری ہوا ہے' اسی طرح بعض اوقات اسے زبردستی منوایا بھی جاتا ہے۔ تحکیم اختیاری ایک خاص معاہدہ کی بنیادوں پر کی جاتی ہے جس کو معاہدۂ ثالثی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ معاہدہ تنازعہ پیدا ہونے کی بعد بھی ہو سکتا ہے اور پہلے سے بھی ہو سکتا ہے۔ رہی جبری ثالثی تو بعض حکومتیں خصوصی تنازعات میں اس پر عمل کرتی ہیں اور وہ اس طرح تمام تنازعہ ثالثی کمیٹیوں کے روبرو تنازعہ اطراف کی طلب کے بغیر ہی مطالعہ کے لئے پیش کر دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ تنازعے کو دور کیا جا سکے اور خصوصاً اس وقت کہ جب اس کا تعلق صنعت یا پبلک سیکٹر کے کاموں سے ہو اور یہ فلسفۂ جبر اس بات پر استوار ہے کہ یہ تمام تنازعات اور خصوصاً جن کا

تعلق عمل و عمال سے ہے صرف تنازعہ اطراف کے لئے خاص نہیں بلکہ عوام الناس کی فلاح و بہبود بھی اس میں مضمر ہے۔

ثالثی میں طریقہ جبر سے یہ معنی ہر گز نہیں کہ اسے تحکیم میں فریقین کو بہر حال اختیار ہے کہ وہ اپنی مرضی کے ثالث منتخب کر سکیں گے۔

نظام تحکیم یا ثالثی کا یہ فائدہ تو ہو کہ اس میں فریقین بہت سے خرچ و اخراجات سے بچ جاتے ہیں۔ (خصوصا ان ممالک میں جہاں مقدمات کے لے بہت سے خرچ و اخراجات لازمی ہیں) اور اس کا یہ بھی فائدہ ہے کہ بہت کم مدت میں تنازعات کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ عدالتی کارروائیوں کی قید سے آزاد ہے۔ اور اس میں نہ نشستوں کی کثرت ہوتی ہے نہ ہر سماعت کے بیچ کی مدت زیادہ ہوتی ہے اور مختصر مدت میں فیصلہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ جب کہ عدالتوں کے لئے یہ ممکن نہیں پھر تحکیم میں فریقین اگر چاہیں تو اپنے راز کو پوشیدہ رکھ سکتے ہیں کیونکہ اس میں کھلے عام اجلاس کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ اور طریقہ ثالثی کے ذریعہ عدالتوں کا بوجھ بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ ایک پر خطر نظام ہے اور اس کے بعض نقصانات ایسے بھی ہیں جو اس کے فوائد پر غالب آسکتے ہیں مثلا فریقین ایک ایمان دار ثالث مقرر کرتے ہیں لیکن ان کا ارتباط کسی معینہ قانون یا کسی معینہ عدالتی اصول سے نہیں ہوتا ہے اور مذہبی عدالتوں سے وابستہ افراد جیسی قابلیت کے مالک ہوتے ہیں لہٰذا اس سبب وہ غلطی کر سکتے ہیں۔ بس جب فریقین اس غلطی کا تدارک کرنا چاہیں گے تو لازما انہیں عدالت ہی کی طرف رخ کرنا ہوگا۔ اور جن لمبی چوڑی کارروائیوں سے بچنا چاہتے تھے پھر اسی سے واسطہ ہوگا۔

طریقہ ثالثی کی اس پر خطر نوعیت کو سامنے رکھ کر اس کی جو بھی شکل ہو اس کو عدالتی نگرانی کے زیر اثر رکھا گیا ہے تاکہ عدالت اس طریقہ تحکیم کو قواعد کا پابند بنائے اور اس کے فیصلوں کے نفاذ کو یقینی بنائے۔

شرائط حکم (ثالثی کونسل)

جو بات فقہاء نے یہاں بیان کی ہے وہ اس شرط کی وضاحت کرتی ہے کہ ثالثی کا اختیار اسے حاصل ہونا چاہئے جو فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یعنی منصب عدالت پر فائز ہونے کی تمام شرائط اس میں پائی جاتی ہوں مجتہد ہو یعنی احکام شرعیہ کے استنباط کے طریقہ کار سے باخبر ہو بہر حال یہ شرط دوسری شرائط کی طرح اختلافی ہے۔ یہاں تک کہ احناف عام آدمی کے حکم بنانے کو جائز کہتے ہیں۔ عام آدمی کی اصطلاح سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس سے مراد شریعت سے ناواقف عام آدمی مراد ہے بلکہ فقہاء کی اصطلاح میں عامی وہ ہے جو مجتہد سے کم رتبہ کا علم رکھتا ہو اور کسی امام کی رائے کا متبع ہو اور اس کی دلیل سے واقف ہو کیونکہ احناف کے نزدیک اجتہاد کی صفت پسندیدہ تو ہے مگر لازمی نہیں ہے۔

علماء کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ اجتہاد منقسم ہو سکتا ہے۔ یعنی جزئی مسائل میں بھی بعض میں اجتہاد ہو سکتا ہے اور بعض میں نہیں۔ مثلاً اگر کوئی نکاح یا اس کے فسخ پر مامور ہوتا ہے تو اس کے لئے صرف نکاح کے دائرے میں حکم کا جاننا کافی ہے۔

ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے کہ تفریق زوجین کے فیصلہ میں حکم کا زوجین کو جوڑنے اور علیحدہ کرنے کا علم رکھنا کافی ہے۔ ہاں اس کے ساتھ اس کے اندر ایمانداری اور کامل اہلیت کی شرائط پائی جانی ضروری ہے۔

امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ وہ دس صفات جن کا ذکر فقہاء نے قاضی کے متعلق کیا ہے ان کا فریقین کے مقرر کردہ ثالث میں اسی شکل میں پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ (۱)

ابن عقیل حنبلی اپنی کتاب "عمد الادلہ" میں تحکیم یعنی ثالثی کے ذکر میں کہتے ہیں اور اس طرح

۱۔ الاختیارات الفقہیہ صفحہ ۳۳۶

یہ جائز ہے کہ بوقت دشمنی و رنجش صلح کے لئے بازار و مساجد کے نمائندگان مقرر کئے جائیں۔[1]

اس سے ثابت ہوا کہ ثالث کا اہل اجتہاد میں سے ہونا مطلق طور پر زیر بحث ہے ہی نہیں بلکہ جس معاملہ میں ثالثی کا ارادہ ہو اس میں ثالث کا علم و معرفت والا ہونا کافی ہے اس لئے کہ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو لوگوں میں تحکیم انجام دے سکتا ہو۔ اس کے کئے گئے فیصلے جائز ہیں سوائے ان امور کے جن کو اجماع نے ولایت عام سے مخصوص کردیا ہے تحکیم میں تو صرف مذکور ہونے کی شرط آتی ہے۔ جزاء صید کے متعلق ارشاد باری تعالی ہے:۔

﴿ يَحْكُمُ بِهِۦ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ ﴾ [المائدة : ٩٥]

"جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے۔"

اس طرح یہ بات سامنے آگئی کہ نزاعی مسئلہ کی سماعت صرف قاضی صاحبان اور ان کے ہم پلہ صاحب فقہ و قانون تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ان سے ہٹ کر کسی کو بھی ثالثی کے لئے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور سے جہاں کسی ماہر کی ضرورت ہو مثلاً تاجر حضرات تجارتی تنازعہ میں حکم شمار ہونگے۔ طبی تنازعہ میں ڈاکٹر حضرات کی رائے مانی جائے گی اور صحافی حضرات صحافت میں حکم بنیں گے یہاں تک کہ کسی بھی تنازعہ میں کسی ماہر کی باہر سے نمائندگی کی ضرورت ہی باقی نہ رہے جس طرح کہ عام طور پر عدالتوں میں ان کو بلایا جاتا ہے۔ اور یہ وہ تمام باتیں ہیں جو ثالثی کونسل کو اپنے فرائض کی بجاآوری میں سہولت و آسانی فراہم کرتی ہیں۔ ثالثین (محکمین) بھی ایک طرح کے قاضی ہوتے ہیں اسی لئے قاضی کے بنیادی واجبات کا التزام کرتے ہیں یعنی استقامت ایمانداری اور غیر جانبداری سے متصف ہوتے ہیں۔ لیکن یہ حضرات مخاصمت قاضی اور ان کی تادیب کے قواعد کے تحت نہیں آتے ہیں اس لئے کہ وہ عام آدمی ہوتے ہیں نہ کہ تنخواہ دار۔ ہاں دوسری طرف ان کو انہیں اسباب کی بنا پر دیکھا جا سکتا ہے جن پر قاضی کا رد ہوتا ہے۔

١۔ کشاف القناع جلد ٦ صفحہ ٣٠٩

ثالثی کا دائرہ کار

ثالثی کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر مغربی نظریہ سے زیادہ عام و شامل ہے کیونکہ وہ مالی امور کے ساتھ ساتھ خاندانی اور حکومتی امور کو بھی شامل کئے ہوئے ہے۔ خاندانی امور کی بات تو قرآن کی نص سے ثابت شدہ ہے۔ رہے امور حکومت تو ہم سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بنی قریظہ کے لئے ثالثی کا ذکر کر چکے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کیا تھا یہ وہ لوگ تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنے کے لئے باوجود غزوہ خندق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمن کی مدد کر رہے تھے۔ ثالث بن کر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کے بالغ افراد کو قتل کرنے، عورتوں بچوں کو اسیر بنانے اور ان کے مال و متاع کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کا حکم سنایا۔ اس فیصلہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے مطابق ہے۔

ایک دوسرا تاریخی واقعہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں اہل سمرقند کے ساتھ پیش آیا جس کی تفصیل یوں ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ مقرر ہوئے تو اہل سمرقند میں سے کچھ لوگ وفد کی صورت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ اسلامی لشکر کے کمانڈر قتیبہ نے اسلامی طریقہ جنگ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے (یعنی قاعدے سے پہلے اسلام پیش کرتے پھر صلح کی پیش کش کرتے پھر اعلان جنگ کرتے اس کے بجائے) انہوں نے اچانک حملہ کر کے ان کا علاقہ فتح کر لیا اور مسلمانوں کو وہاں آباد کر دیا۔ یہ سن کر عمر بن عبد العزیز نے اپنے مقرر کردہ عامل کو خط لکھا کہ خصوصی طور پر ان کیلئے ایک ثالث مقرر کرے جو ان کے ذکر کردہ حال کا جائزہ لے۔ اگر وہ مسلمانوں کے نکلنے کا فیصلہ دے تو وہ نکل جائیں چنانچہ اس عامل نے ان کے لئے جمع بن حاضر الباجی کو ثالث مقرر کیا جس نے ان کی شکایت سننے کے بعد مسلمانوں کو سمرقند سے نکلنے کا حکم سنایا تاکہ اہل سمرقند اپنے قلعوں کی طرف لوٹ جائیں لیکن اہل سمرقند نے جنگ کو ناپسند کیا اور مسلمانوں کی شرائط تسلیم کر کے ان کے ساتھ

قیام کیا۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ عدلیہ کے فیصلے کو کس طرح قبول کیا جاتا تھا۔ اور تحکیم یا ثالثی کو انفرادی معاملات و داخلی معاملات سے آگے حکومتی تعلقات تک رسائی حاصل تھی بلکہ واقعات نے نئے افق کھول دیے ہیں اور بین الاقوامی تعلقات کو بھی عدلیہ کے فیصلے کے تابع بنانے کی راہ دکھائی ہے۔ فقہ اسلامی نے تحکیم کو تفصیلاً بیان کیا ہے اور اس بارے میں قرآن کریم کی وسعت بیان کی ہے۔ فقہاء اسلام نے ان تمام مسائل کو بیان کیا ہے جن میں ثالثی جائز اور جس میں جائز نہیں ہے۔ جمہور فقہاء کا مسلک ہے کہ تحکیم یا ثالثی اموال یا اس کے زمرہ میں شامل تمام چیزوں میں جائز ہے۔ نکاح قذف زوجین کے درمیان ملاعنت اور قصاص میں ثالث مقرر کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایسے حقوق ہیں کہ جن کی بنیاد احتیاط پر ہے تو اس میں حکم صرف قاضی ہوگا جس طرح کہ حدود میں ہوتا ہے۔ پھر اس لئے بھی تحکیم صحیح نہ ہوگی کہ طرفین کا اپنے درمیان ثالث مقرر کرنے کا معاہدہ صلح کے مترادف ہے اور ان تمام اشیاء میں حقوق اللہ شامل ہیں اور ایسی چیزوں میں سے کسی چیز کو ختم کرنے یا جائز قرار دینے پر مصلحت جائز نہیں ہے۔(۱) اور اس لئے بھی کہ فوجداری نوعیت کی سزائیں کوئی عام آدمی نہیں جاری کر سکتا ہے چاہے وہ ثالث ہی کیوں نہ ہو اور اس بات کے علاوہ کوئی اور بات کہنے سے فتنہ و فساد پیدا ہونے کا اندیشہ بھی ہے۔

ثالثی کا طریقہ کار

ثالثی پر اتفاق سے دو بنیادی صورتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ جھگڑا پیدا ہونے کے بعد ثالثی پر متعلقہ اطراف کا اتفاق۔ اس حالت میں اتفاق کو عقد تحکیم یا معاہدہ ثالثی یا وثیقہ ثالثی کا نام دیا جاتا ہے۔

۱۔ دیکھئے المغنی لابن قدامہ جلد ۹ صفحہ ۱۰۸ اور کتاب المجموع شرح المہذب جلد ۱۹ صفحہ ۱۱۹ اور ابن عابدین جلد ۴ صفحہ ۳۸۳ اور ابن فرحون تبصرہ الاحکام جلد اول صفحہ ۴۶

۲۔ معاہدے میں ہی ایسی شرط طے کرنا کہ آئندہ نزاع اٹھنے کی صورت میں ثالثی سے فیصلہ ہوگا اور اس اتفاق کو شرط تحکیم یا ثالثی کہا جاتا ہے۔ یہ بات ضروری ہے کہ ایسے اتفاق تحکیم میں ایک یا دو اشخاص کے نام بطور ثالث شامل ہوں اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی تعداد طاق ہو تاکہ رائے کے مساوی ہوکر تقسیم ہونے سے بچا جائے اور یہ کہ اتفاق میں ثالثی کس موضوع پر ہوگی اس کی اچھی طرح وضاحت کردی گئی ہو اور بھی ہو سکتا کہ ثالثی میں تنازعہ کو پیش کرتے وقت اس کی وضاحت کر دی جائے اس طرح اس قانون میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر معاہدہ عالمی طور پر ہو تو کسی قانون کے تحت تحکیم ہوگی۔ اگر متعلقہ افراد اپنی مرضی معین کئے بغیر کسی بھی صلح پر رضامند ہو جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ثالث کو یہ بات سونپ دی گئی ہے کہ وہ موضوع قانون کا پابند ہوئے بغیر حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ ثالث کے لئے یہ بات واجب ہوگی کہ وہ فریقین کی خواہش جاننے کی کوشش کرے اور اس کو ممکن حد تک پورا کرے۔ ثالث حضرات عدالتوں کے اصول وضوابط کے پابند نہیں ہوتے ہیں وہ جو بھی مناسب طریقہ کار پسند کریں اسی کے مطابق کاروائی کرسکتے ہیں۔ اسی طرح ان کو کسی خاص جگہ یا وقت کی ضرورت نہیں ہے۔ کاروائی کھلی بھی ہو سکتی ہے۔ اور پوشیدہ بھی ۔ نظام ثالثی میں عدالتی طریقہ کار کی طرح کئی منشی یا سکریٹری کی ضرورت بھی نہیں ہوتی ہے۔

ثالثی کی عدالتی نوعیت

ثالث حضرات ایک طرح سے قاضی ہی ہوتے ہیں نہ کہ وکلاء جو فریقین کے نمائندے ہوتے ہیں اس لئے کہ شریعت میں وکیل کا نام اور صفات موجود ہیں اور اسی طرح شریعت میں ثالث کا نام وصفات موجود ہیں اس بنیاد پر انہیں اجازت ہے کہ وہ اپنی رائے کے مطابق ازدواجی مسائل میں صلح یا جدائی (تفریق) کا عمل عوض یا بغیر عوض کے انجام دیں۔(۱) اس کے علاوہ وہ دوسرے مسائل میں

۱۔ احکام القرآن لابن العربی جلد ۵ صفحہ ۱۴۶ اور اس کے بعد

بھی اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ فریقین کی خواہش کے پابند ہوئے بغیر اس طرح اس کا مزاج عدالتی ہے۔ ثالث حضرات کے احکام کو ایسے احکام سے تعبیر کیا جاتا ہے جو ایک فیصلہ پذیر چیز کو بدل کر رکھ دیتے ہیں چاہے وہ قاضی شہر کے فیصلہ سے موافقت رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو۔

مگر اس صورت میں جب کہ یہ عام قانون یعنی کتاب و سنت اور اجماع کے مخالف نہ ہو اس کے حق میں امر تنفیذ حاصل ہو جانے کے بعد اسے جبراً لاگو کیا جائے گا اور اس بنیاد پر ثالثی' عدالتی نگرانی میں آتی ہے کیونکہ اس کے صادر شدہ فیصلہ جات کو عدالت میں تنفیذی درجہ دیا جاتا ہے اور بغیر عدالتی قوت کے ثالثی تنفیذی لحاظ بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔

تو جس طرح قاضی صاحبان کے فیصلہ جات پر اعتراض جائز ہے اسی طرح ثالث صاحبان کے احکام میں بھی گنجائش ہے بغیر یہ مانتے ہوئے کہ اس طرح سے ان کی عدالتی حیثیت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی عدالتی حیثیت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک کے ان کے بطلان کا حکم صادر نہ ہو جائے۔

تحکیم یا ثالثی کو ایک طرح سے عدل کا مقام حاصل ہے' جس کا حکم اللہ رب العزت نے ہر حال میں دیا ہے۔ اس لئے کہ ثالثی کی طرف رجوع اللہ کے امر کی طرف رجوع کرنا ہے اور خواہش نفس اور نمائش سے انکار کرنا ہے اور اس طرح کوتاہی بھی نہیں ہوگی بس ہلاکت ہے اس کے لئے جو سیدھے راستہ سے ہٹ جائے اور اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتا پھرے ۔

خاتمہ

تو اس طرح ہم اپنے موضوع (التنظیم القضائی فی المملکۃ العربیہ السعودیہ فی ضوء الشریعہ الاسلامیہ و نظام السلطۃ القضائیہ) کے اختتام پر پہنچتے ہیں۔ آخر میں ہم خلاصہ موضوع' اس کی اہم معلومات اور نتائج کا ذکر کریں گے' جو مندرجہ ذیل ہیں :

اول :- آغاز میں ہم موضوع کی اہمیت کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ ایک طرف تو انسانی زندگی کی کئی جہات سے اس کا تعلق ہے۔ ان کی آزادی مال و عزت کے پہلوں سے اس کی اہمیت ہے اور دوسری طرف عدل و انصاف وہ کام ہے جو انبیاء و رسل انجام دیتے تھے اور میں اس طرف بھی اشارہ کر چکا ہوں کہ اس کا دوسرے علوم سے کس قدر تعلق ہے اور میں اس تحقیق کی غرض و غایت بھی واضح کر چکا ہوں۔

دوم :- کتاب کے موضوع کو ہم نے پانچ فصلوں میں تقسیم کیا ہے :

پہلا باب۔ آغاز حکومت میں عدالتی تنظیم

دوسرا باب۔ جدید عدالتی تنظیم

تیسرا باب۔ دوسری عدالتی مجالس اور ادارے

چوتھا باب۔ انتظامی عدالتی تنظیم

پانچواں باب۔ عدالتی تنظیم کے لئے اسلامی اصول و ضوابط

پہلے باب کے تحت یہ نکات زیر بحث آئے ہیں :-

۱۔ حجاز صوبہ عسیر اور مملکت کے مشرقی ساحل میں نظام عدل و انصاف

۲۔ نجد اور اس کے گرد و نواح میں نظام عدل و انصاف

۳۔ دونوں ایوانوں کا اتحاد' وزارت عدل کا قیام عدالت اور اس کی نشو و نما میں اس کا کردار

۴۔ عدالتی نظام کار اور ہدایات یا مصلحتی امور میں قانون سازی کا نشو و نما۔

دوسرے باب میں جدید عدالتی تنظیم کے ان موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔

اول 'آزادی عدالت اور اس کی گارنٹی۔ انتخاب جج کی کیفیت کے متعلق گفتگو اور کس کے لئے دو طریقہ کار قوم کی طرف سے انتخاب

۲۔۔ حاکم یا اس کے نائب کی طرف سے تعیناتی۔ قاضی صاحبان کے انتخاب کا طریقہ کار تعین۔ قاضی میں شروط عامہ میں متفق علیہ اور اختلافی شرطیں ان میں ترجیح کے ساتھ انتخاب مذکر ہونے کی شرط کے دوران ہم ایک ہی وقت میں قدیم و جدید موضوع کی طرف اشارہ کر چکے ہیں جو عورت سے متعلق ہے نظام عدالت کے تعلق سے اس موضوع کا گاہے بگاہے ذکر رہتا ہے بلکہ موجودہ وقت میں آواز اٹھائی جاتی ہے کہ عورت کو منصب عدل و انصاف پر فائز ہونا چاہئے اور اس کے ذریعے عورتوں کے مقدمات میں فیصلہ کروایا جانا چاہئے۔ ہماری گفتگو میں مختصراً اس کا ذکر آگیا ہے جس سے ہم یہ خلاصہ نکالتے ہیں کہ عورت کے منصب عدالت پر فائز ہونے کے عدم جواز پر اجماع ہے اور جو بعض علماء اس کے جواز کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کی رائے قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ انعقاد اجماع کے بعد اس کی مخالفت کالعدم شمار ہوتی ہے۔ پھر ان کے استدلال میں عدم معقولیت بھی پائی جاتی ہے' اس کے علاوہ حدود قصاص کے مسئلہ میں بھی عورت کی قضاء جائز نہ ہونے پر بھی اجماع ہے حدود و قصاص کے علاوہ میں احناف ضرور جواز کے قائل ہیں مگر جمہور کے نزدیک ان میں بھی عورت کی قضاء صحیح نہیں ہے اور راجح جمہور کا ہی قول ہے۔

شروط عام کے متعلق گفتگو کے بعد عدالتی کیڈر کے تعلق سے خاص شروط پیش کی گئی ہیں اور اس کے بعد ہم نے عدالتی درجہ بندی اور ملازمت کے تعلق سے بعض شرائط پر تبصرہ کیا ہے۔

اس کے بعد قاضی صاحبان کے فرائض' ان کے مسائل اور ان پر الزامات سے ان کو آگاہی کا

موضوع لیا گیا ہے جو تأدیب قاضی اور اس کو منصب سے ہٹانے کی گفتگو سے اختتام پذیر ہوتا ہے۔ پھر ایک اور موضوع موجودہ طریقہ کار میں قاضی صاحبان کے معاونین کے متعلق ہے' اور فقہ اسلامی میں کا تبین' پیش کار' ماہرین' مترجمین اور وکلاء سے متعلق جو باتیں ہیں ان کا ذکر ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم مترجمین کے مسئلہ کے متعلق بحث کر آئے ہیں کہ کیا ایک مترجم کافی ہے یا ایک سے زیادہ۔ اور ہم اس میں علماء کا اختلاف بھی بیان کر چکے ہیں کہ کیا ترجمہ یعنی خبر رسانی ہے یا وہ شہادت ہے اس میں علماء کے دو اقوال ہیں۔ اور ہمارا خیال ہے کہ دونوں کے درمیان یکسانیت ہے حقیقتاً جس کا طریقہ خبر رسانی ہو جس سے کہ دعوی تو اس میں ایک ہی کافی ہے اور جس کا طریقہ گواہی ہو اس میں نصاب کا پورا کرنا ضروری ہے۔

اور آخر میں ہم عدالتوں کے اختیارات و حدود و مدت دعوی دائر کرنے کے درجات' خصوصی عدالتیں' عدم اختصاص اور اختصاص میں اختلاف اور اجراءات فیصلہ کے متعلق گفتگو ہوئی ہے۔

رہا تیسرا باب تو اس کا تعلق خاص طور پر دوسرے عدالتی اداروں سے ہے۔ مثلا ادارہ برائے انسداد تجارتی تنازعات پیشہ ورانہ' جھگڑوں کے طے کرنے کا ادارہ اور کسٹم کمیٹی وغیرہ اور ہم نے بتایا ہے کہ ان مذکورہ اداروں کو عدالتی صفت حاصل ہے کیونکہ ان کے فیصلہ جات کو قوت نفاذ حاصل ہے ۔ لہٰذا یہ عدالتی ادارے ہیں نہ کہ عدالت سے قریب کے ادارے جیسے کہ بعض کا تبین کہتے ہیں ہم نے ان کو دوسری نوعیت کے ادارے اس لئے کہا ہے کہ ان کے فیصلے تمیز کورٹ کے ماتحت نہیں ہیں۔

ہم اس طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ ایسی مجالس عدل کا وجود عدالتی نظام میں ایک نقص ہے کیونکہ ان سے عدالتوں کے اختیارات سکڑ جاتے ہیں جس طرح کہ ہم کتاب کے آخر میں اس طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ قانون کے ذریعہ اب اس کمی کو دور کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ ان تمام اداروں کو ایک جہت میں اکٹھا کرنے کا امر صادر ہو چکا ہے۔ خصوصی عدالتوں کے

قیام کے ذریعے جس سے نظام احتساب مستثنیٰ ہے۔ فوجی عدالتی کونسل بھی اس میں شامل نہیں ہے کیونکہ ان کے اختیارات عام عدالتوں سے مختلف ہیں۔

چوتھے باب میں ہم مملکت سعودیہ میں تنظیمی نوعیت کے نظام عدل کا ذکر کرتے ہیں جس کے ساتھ نظام کونسل' اس کی تشکیل اہم اقسام اور اختیارات مصری اسٹیٹ کونسل سے اس کی مماثلت اور ان کے درمیان اختلاف کا ذکر شامل ہے اس طرح عدالتی کونسل کے مرکز کے متعلق بھی ہم کہتے ہیں کہ اس کے اختیارات کا جائزہ لینے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ مظالم کونسل کی وہی حیثیت ہے جو اس کی خلافت اسلامیہ میں تھی کہ وہ انتظامی نظام عدل سے لے کر عدل عامہ اور استشارات عامہ کے فرائض سرانجام دیتی ہے تاہم وہ سابقہ قانون میں مذکور مظالم کونسل سے کم اختیارات و اقتدار رکھتی ہے۔ دیوان مظالم اپیل کورٹ نہ تھا اس لئے کہ اپیل کورٹ پہلی مرتبہ مقدمہ پر نظر نہیں کرتی ہے بلکہ اس کا کردار تب ادا ہوتا ہے جب کسی مقدمہ کی ابتدائی درجہ کی عدالت میں سماعت ہو چکی ہو اور اس پر اعتراض ہو جبکہ مظالم کونسل اداری تنازعات میں بھی سماعت کا حق ہے اس طرح وہ اعلیٰ انتظامی عدالت یا اعلیٰ انتظامی کمیٹی سے زیادہ قریب ہے جبکہ اس کی عدالتی مرکزی حیثیت جیسی ہونی چاہئے تھی ویسی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ حاکم کے حکم کے مطابق ہی عمل کرتا ہے اور کونسل کا یہ مرکز عدالت بہت حد تک فرانس کے ابتدائی دور انتظامی عدالت سے ملتا جلتا ہے جہاں وہ کسی مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرتی تھی بلکہ اپنی تجاویز کو انتظامی سربراہ کے سامنے حل کے لئے پیش کرتی تھی جس کی منظوری سے فیصلہ نافذ ہوتا تھا تاریخ میں اس مرحلہ کو پابند فیصلہ "القضاء المحجوز" کا نام دیا جاتا ہے۔

اگرچہ ایوان یا کونسل کو اسلامی نقطۂ نظر سے ایک ایسی عدالتی جہت اعتبار کیا جاتا ہے جو ولی الامر امام' خلیفہ' بادشاہ یا رئیس کو فیصلہ کرنے کی اجازت دیتی ہے بشرطیکہ وہ عالم بھی ہو تاہم ہماری خواہش ہے کہ کونسل کی قانونی حیثیت کے مطابق اس کو اس کا جائز مقام دیا جائے اس طرح کہ اس

سے ایسا محکمہ بنایا جائے جو خود سے احکام کو صادر کرنے کا اختیار رکھے نہ کہ وہ پابند عدالت کی حیثیت میں باقی رہے۔ موجودہ دور میں ادارہ برائے نگرانی و تحقیق یا انتظامی وکالت اور عدالتوں پر بھی بات کی گئی ہے۔

ہمارا کہنا ہے کہ جو کچھ کوششیں تادیبی کمیٹیاں برائے ملازمین کو ایک مستقل ادارہ تحقیق و تادیب کے نام سے یکجا کرنے کے لئے کی گئی ہیں وہ بلا شبہ اچھی ہیں کہ اس طرح ان مجالس کو آزادی کی ضمانت ملتی ہے اور ان کو انتظامیہ کی بالا دستی سے نکلنے کا موقع ملتا ہے اور اس طرح یہ صورتحال نہیں بنتی ہے کہ انتظامیہ خود مدعی ہو اور خود قاضی بھی ہو۔ تاہم ہماری نظر میں اس کی ضرورت ہے کہ ان تمام انتظامی عدالتوں کو ایک اعلیٰ انتظامی عدالت کے تحت یکجا کیا جائے جو ان میں رابطہ پیدا کرے اور ان پر نگرانی رکھے اور اس کام کے لئے سب سے بہتر ادارہ دیوان مظالم ہو سکتا ہے۔

باب پنجم میں مملکت سعودیہ کی عدالتی تنظیم کے بنیادی اصولوں کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تمام عالم میں مروجہ تمام عدالتی تنظیموں کے درمیان سعودیہ حکومت ان میں منفرد حیثیت رکھتی ہے اور اس کی امتیازی حیثیت میں ایک تو بالکل مفت انصاف کی فراہمی ہے دوسری احکام شرعیہ کا التزام ہے۔ اس کے علاوہ وحدت عدل ہے اور ساتھ ساتھ دوسرے عدالتی نظاموں کی خوبیوں میں بھی سعودی نظام شریک ہے۔

سعودی نظام عدل و انصاف امتیازی حیثیت اختیار کر چکا ہے' بالکل اس طرح جس طرح اسلامی عدل و انصاف امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں عدالتی کاروائیوں کو آسان بنا دیا گیا ہے مقدمات میں رکاوٹ یا تاخیر سے کنارہ کشی کرتے ہوئے جلد فیصلہ کا اہتمام ہے تاکہ نظام عدل کو عوام کے لئے آسان اور ان کے ہم پہلو کر دیا جائے۔

آخر میں اپنے اساتذہ' دوستوں اور ان ذمہ دار افراد کا شکر ادا کرنا نہ بھولوں گا جنہوں نے میری کاوش کو کامیابی کے ساتھ اختتام تک پہنچانے میں کسی بھی صورت میں دست تعاون دراز کیا۔

والحمد لله الذي بنعمه تتم الصالحات وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً.

کتابیات

- آمدی۔ سیف الدین ابوالحسن علی

الاحکام فی اصول الاحکام۔ طبع مؤسسہ النور۔ ترتیب شیخ عبدالرزاق عفیفی

- البخاری' ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل

صحیح البخاری تین جلد طبع مطابع الشعب مصر ۱۳۷۸ ہجری

- البعلی۔ علاء الدین ابوالحسن علی بن محمد بن عباس

الاختیارات الفقہیہ۔ محقق محمد حامد الفقی طبع مطبعہ السنہ المحمدیہ۔ ۱۳۶۹ ہجری

- بک۔ الشیخ احمد ابراھیم

الالتزامات فی الشرع الاسلامی۔ دارالانصار قاہرہ

- بک۔ محمد فرید وجدی

تاریخ الدولہ العلیہ العثمانیہ۔ دوسرا ایڈیشن طبع مطبعہ محمد افندی مصر ۱۳۱۴ھ۔ ۱۸۹۶ء

- البھوتی۔ شیخ منصور بن یونس

شرح منتھی الارادات۔ تین جلد۔ ادارہ البحوث العلمیہ والافتاء سعودی عرب

کشاف القناع عن متن الاقناع۔ ۶ جلد مکتبہ النصرالحدیثیہ۔ ریاض سعودی عرب

- البیھقی۔ امام حافظ ابوبکر احمد بن الحسین

السنن الکبریٰ ۱۰ جلد۔ پہلا ایڈیشن' متن کے ساتھ الجوہرالنقی للترکمانی

مطبعہ دارالمعارف المعارف العامہ۔ ط۔ حیدر آباد الدکن ۱۳۵۵

- الترمذی۔ الامام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ

سنن الترمذی۔ ۵ جلد۔ تیسرا ایڈیشن ۱۳۸۹ دارالفکر

ترتیب اور تصحیح عبدالرحمن محمد عثمان

- ابن تیمیہ - احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام الحسبتہ فی الاسلام - تحقیق عبدالعزیز رباح ط مکتبہ دارلبنان ۱۳۸۷ ہجری

السیاسیہ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ - ط - دارالکتب العربیہ بیروت لبنان

- ابن الجوزی - ابو الفرج جمال الدین عبدالرحمن بن علی محمد

تاریخ عمر بن خطاب - ترتیب و تحقیق اسامہ عبدالکریم الرفاعی - ط - داراحیاء علوم الدین ۱۳۹۴ ہجری

کتاب الاذکیاء - ترتیب و تصحیح محمد محمود - ط - المکتبہ الفیصلیہ ریاض

المطبعہ العربیہ درب الجمامیز القاہرہ

- جیبون مصنف (احمد نجیب زکی مترجم)

اضمحلال وانہیار الامبراطوریہ الرومانیہ ط - القاہرہ

- ابن حجر - احمد بن علی العسقلانی

تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر

۲ جلد تصحیح و تعلیق عبداللہ ہاشم الیمانی المدنی ط - شرکہ الطباعہ الفنیہ

الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ - ط مطبعہ الفجالتہ الجدیدۃ ۱۳۸۴ھ - ۱۹۶۴ء

فتح الباری شرح صحیح البخاری - ۱۳ جلد ط المطبعہ السلفیہ

- ابن حزم - ابو محمد علی بن احمد بن سعید

المحلی ۱۳ جلد - تصحیح حسن زیدان طلبہ - ط دارالاتحاد العربی ۱۳۹۲ھ - ۱۹۷۲ء

- الحصینی - ابوبکر بن عمر الحسینی الشافعی

کفایہ الاخیار فی حل غیار الاختصار

ابن حیان، وسیع بن خلف

اخبار القضاۃ۔ ط اول ۱۳۶۶ھ۔ ۱۹۴۷ء مطبعہ الاستقامہ۔ قاھرہ

الحطاب' ابو عبداللہ بن محمد المغربی

مواھب الجلیل شرح مختصر خلیل ۶ جلد

اس کے متن کے ساتھ التاج والاکیل لمختصر خلیل۔ دوسرا ایڈیشن۔ سن ۱۳۹۸ھ۔ ۱۹۷۸ء

الحموی۔ ابراھیم بن عبداللہ المعروف ابن ابی الدم الھمدان الشافعی (وفات سن ۶۴۲)

ادب القضاء قلمی نسخہ۔ اس کا نام.. الدرا لمنظومات فی الا قضیتہ والحکومات۔ اسکی کتابت ۷ شوال ۸۴۶ ہجری میں ہوئی کتاب کا ایک نسخہ دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔

- ابن حنبل' الامام احمد

المسند ۶ جلد۔ اس کے متن کے ساتھ منتخب کنزا لعمال درج ہے۔

ط۔ المکتب الاسلامی لطباعتہ والنشر بیروت

- خطاب۔ ضیاء شیت۔

مبادئی التنظیم القضائی فی العراق۔ ط۔ معہد الدراسات العربیہ ۱۹۶۸ء

- الدار قطنی۔ الامام علی بن عمر

سنن الدار قطنی۔ تحقیق و تصحیح عبداللہ ہاشم یمانی۔ ط۔ دارالمحاسن ۱۳۸۶ ہجری

- الدرامی۔ الامام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن

سنن الدارمی' ۲ جلد۔ ط۔ داراحیاء السنہ المصریہ

- الدردیر ابو البرکات سیدی احمد

الشرح الکبیر فی فقہ الما لکیہ (اس کے ساتھ حاشیہ الدسوقی)۔ تحقیق محمد علیش

- الدسوقی۔ الشیخ محمد عرفہ

حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر۔ تحقیق محمد علیش

- رقاق۔ دکتور عمر
منعطف التاریخ
- الزرقاء۔ مصطفیٰ احمد
المدخل الفقہی العام۔ دو جلد۔ آٹھواں ایڈیشن مطبعہ الحیاۃ دمشق ۱۳۸۳ھ۔ ۱۹۶۴ء
- الزرکلی، خیرالدین
الاعلام، قاموس التراجم تیسرا ایڈیشن۔
شبہ الجزیرہ العربیہ فی عہد الملک عبدالعزیز۔ پہلا ایڈیشن ۴ جلد ۱۳۹۰ھ۔ ۱۹۷۰ء بیروت
- الزیلعی۔ جمال الدین ابو محمد عبداللہ الحنفی
نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ
۔ الجستانی۔ الامام الحافظ ابو داؤد و سلیمان بن الاشعث
- سنن ابی داؤدا۔ ۴ جلد دار احیاء السنہ المصریہ
- سعد، احمد صادق
تاریخ مصر الاجتماعی۔ ط القاہرہ
- السلیم، ڈاکٹر سلیمان
محاضرات عن التنظیم القضائی فی المملکہ العربیہ السعودیہ۔ ط معہد الادارہ ریاض
- السیوطی۔ الامام جلال الدین عبدالرحمن
الاشباہ والنظائر فی قواعد و فروع الشافعیہ۔ ط۔ دار احیاء الکتب العربیہ، عیس البابی الحلبی مصر
- الشاوی۔ ڈاکٹر توفیق
محاضرات فی استانی المبادئی الاساسیتہ للتنظیم القضائی فی البلاد العربیہ۔ طبع مطبعہ الرسالہ ۱۹۵۷ء
- الشوکانی، الشیخ محمد بن علی بن محمد

نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار تیسرا ایڈیشن ۱۳۸۰ھ - ۱۹۶۱ عیسوی
- آل الشیخ 'عبدالرحمٰن بن عبداللطیف بن عبداللہ
مشاہیر علماء نجد و غیرھم۔ پہلا ایڈیشن ۱۳۹۲ھ - ۱۹۷۲ء ریاض
- صادق محمد توفیق
تطور نظام الحکم و الادارۃ فی المملکۃ العربیہ السعودیہ - ط - معھد الادارہ العامہ ۱۳۸۵ھ - ۱۹۶۵ء
- الصدر الشہید' حسام الدین عمر بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری
شرح کتاب ادب القاضی للخصاف' تحقیق یحیٰ ھلال السرحان ۴ جلد۔ پہلا ایڈیشن - مطبعہ الارشاد بغداد ۱۳۹۷ھ
- الصنعانی۔ محمد بن اسماعیل
سبل السلام ۴ جلد۔ طبع چہارم - المکتبہ التجاریہ
- ارسطو مصنف طہ حسین مترجم
نظام الاثینیین ط القاھرہ
الطرابلسی - علاء الدین ابو الحسن علی بن خلیل
معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام۔ طبع دوم ۱۳۹۳ھ - ۱۹۷۴ء طبع مصطفیٰ البابی الحلبی مصر
- الطحاوی - ڈاکٹر سلیمان محمد
السلطات الثلاث فی الدساتیر العربیہ دار الفکر الاسلامی (تقابلی مطالعہ)۔ طبع سوم ۱۹۷۴ء ط دار الفکر العربی۔
عمر بن الخطاب و اصول السیاسۃ والادارہ الحدیثہ' (تقابلی مطالعہ)۔ طبع دوم - ط - دار الفکر العربی
القضاء الاداری - (پہلی کتاب) قضاء الالغاء۔ طبع پنجم ۱۹۷۶ء ط دار الفکر العربی

عابدین - محمد امین الشیر بابن عابدین

حاشیہ ردالمختار علی الدرالمختار مع شرح تنویر الابصار- ۸ جلد ط ۱۳۹۶ھ - ۱۹۶۶ء ط - مصطفیٰ البابی الحلبی مصر

- العبدلاوی ' ڈاکٹر ادریس العلوی

التنظیم القضائی المغربی الجدید- ط اول ۱۳۹۵ھ - ۱۹۷۵عیسوی

- العربی ابو بکر محمد بن عبداللہ بن (العربی)

احکام القرآن- ترتیب علی محمد البجاوی - چار جلد- ط دار العرفہ بیروت

العواصم من القواصم ط الدار السعودیہ للنشر جدہ طبع دوم ۱۳۸۷ھ

- عرنوس - الشیخ محمود بن محمد

تاریخ القضاء- ط المطبعہ المصریہ الاھلیہ الحدیثہ القاھرہ- ۱۳۵۲ھ - ۱۹۳۴ء

- عساکر- علی بن الحسن بن ھبتہ اللہ

التاریخ الکبیر المعروف بتاریخ دمشق - ط اول ۱۳۴۶ھ ط- مطبعتہ الشرق دمشق

- عتہ - احمد

معجزۃ فوق الرمال- ط دوم ۱۳۹۲ھ - ۱۹۷۱ء - ۱۹۷۲ ط المطابع الاھلیہ لبنان

عطوۃ - ڈاکٹر عبدالعال احمد

محاضرات فی تاریخ القضاء فی الاسلام - ط - المعہد العالی للقضاء

محاضرات فی نظام الحکم فی الاسلام - ط - المعہد العالی للقضاء

العشماویان- محمود عبدالوھاب

قواعد المرافعات فی التشریع المصری والمقارن - ط المطبعہ النموذجیہ ۱۳۷۶ھ - ۱۹۵۷ء

محمد بن عبدالوھاب

علماء دعوۃ التوحید ،نجد

الرسائل و المسائل النجدیہ ۔ الدرا السنیہ فی الاجوبہ النجدیہ ۔ پہلا اڈیشن مطبعہ المنار مصر۔ دوسرا اڈیشن ط ام القری۔ تیسرا اڈیشن جس کا نام الدارا لسنیہ ہے ط بیروت ایک اور ایڈیشن (ط مطابع الریاض) دارا للقضاء کی طرف سے مرحوم شاہ فیصل بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے خرچ پر شایع ہوا

– عمر۔ ڈاکٹر محمد عبدالخالق

التنظام القضائی المدنی۔ جلد اول المبادئی العامہ ط اول ۱۹۷۶ء دارا لنھضتہ العربیہ مصر

– عمیرہ ' شہاب الدین احمد البرلیس

حاشیہ علی شرح جلال الدین المحلی للمنہاج کتاب حاشیہ قلیوبی کے ساتھ شائع ہوئی

– الغزالی ۔ ابو حامد محمد بن محمد

المستصفی من علم الاصول ۔ دو جزء ایک جلد میں ط مطبعہ مصطفیٰ محمد ۱۳۵۶ھ ۔ ۱۹۳۷ء

– الفراء ۔ ابو یعلی محمد بن الحسن

الاحکام السلطانیہ ترتیب محمد حامد الفقی طبع دوم ۱۳۸۶ھ ۔ ۱۹۶۶ء مطبعہ الحلبی القاھرہ

العمدۃ فی اصول الفقہ

تحقیق احمد بن علی سید المبارکی طبع اول ۱۴۰۰ھ ۔ ۱۹۸۰ء طبع مؤستہ الرسالتہ بیروت

– ابن فرحون ۔ برھان الدین ابراھیم بن علی

تبصرہ الحکام فی اصول الا قضیتہ ومناھج الاحکام دو جلد ۱۳۵۵ ہجری مطبعہ مصطفیٰ الحلبی قاھرہ

– قدامتہ ۔ ابو الفرج عبدالرحمن بن ابن عمر

الشرح الکبیر علی ھامش کتاب المغنی ط المطبعہ المنیریہ (ایک کاپی)

– قدامتہ ۔ موفق الدین عبداللہ بن قدامتہ المقدسی

المغنی علی مختصر الخرقی ۔ مکتبہ ریاض الحدیثہ

- القرافی ' شہاب الدین ابو العباس الصنہاجی

الاحکام فی تمیز الفتاوی عن الاحکام ط اول ۱۳۵۷ھ – ۱۹۳۸ء مطبعۃ الانوار

الفروق

(اس کے متن کے ساتھ ایک اور کتاب جس کا نام ادرار الشروق علی انواء الفروق ہے ایک اور کتاب ان دونوں کے متن کے ساتھ اس کا نام تہذیب الفروق والقواعد السنیہ فی الاسرار الفقہیہ) ط دار المعرفہ بیروت

- القلیوبی ۔ شہاب الدین احمد بن احمد بن سلامہ منہاج الطالبین کے متن پر ایک حاشیہ ہے اور اس کے ساتھ ایک عمرہ کے حاشیہ ۔ ط دار احیاء الکتب العربیہ قاھرہ

- ابن القیم ' شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر

اعلام الموقعین عن رب العالمین ۱-۴ جلد

ترتیب طہ عبدالرؤوف سعد ط شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المتحدۃ ۱۳۸۸ھ – ۱۹۶۸ء

زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ا تا ۴ جلد

تحقیق محمد حامد الفقی ط مطبعۃ السنۃ المحمدیہ

الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ ۔ ترتیب محمد حامد الفقی

ط مطبعۃ السنۃ المحمدیہ ۱۳۷۲ھ – ۱۹۵۳ء

- الکاسانی ۔ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الحنفی

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱-۷ جلد

طبع دوم ط دار الکتاب العربی ' بیروت لبنان ۱۳۹۴ھ – ۱۹۷۴ء

- الکندی ' ابو عمر محمد بن یوسف

الولاۃ وکتاب القضاۃ ۔ ط مطبعۃ الیسوعیین بیروت ۱۹۰۸ء

- ابن ماجہ ۔ الحافظ ابو عبداللہ بن محمد بن محمد بن یزید القزوینی

سنن ابن ماجہ دو جلد ترتیب محمد فؤاد عبدالباقی ط دار احیاء التراث العربی

- الماوردی 'ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب

الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیہ ط دوم ۱۹۶۶ء ۔ ۱۳۸۶ البابی الحلبی مصر

ادب قاضی 'تحقیق محی الدین ھلال السرحان ط مطبعہ العانی بغداد ۱۹۷۲ء ۔ ۱۳۹۲ھ

- المحمصانی ڈاکٹر صبحی

الاوضاع التشریعیہ والقضائیہ فی الدول العربیہ

ماضیھا و حاضرھا ط سوم

- مذکور ۔ محمد سلام

القضاء فی الاسلام دار النہضتہ العربیتہ ۔ قاھرہ

- المرتضی ۔ احمد بن یحیی

البحر الزخار الجامع لمذہب علماء الامصار ۔ ط دوم ط موسسہ الرسالتہ بیروت ۱۳۹۴ھ ۔ ۱۹۷۵ء

- مسلم 'ڈاکٹر احمد

اصول المرافعات ۔ التنظیم القضائی ط ۔ دار الفکر العربی ۱۹۷۹ قاھرہ

- النباھی ۔ ابو الحسن بن عبداللہ بن الحسن

تاریخ قضاء الاندلس یا المرقبۃ العلیا فیمن یستحق القضاء والفتیا

ط المکتب التجاری للطبع والتوزیع

- نجیم الشیخ زین العابدین بن ابراھیم

الاشباہ والنظائر ترتیب عبدالرحمن الوکیل ط موسسہ الحلبی ۱۹۶۸ء ۔ ۱۳۸۷ھ

- النسائی ۔ الحافظ ابو عبدالرحمن بن شعیب

سنن النسائی بشرح الحافظ جلال الدین السیوطی ۔اس کے ساتھ حاشیہ امام السندی ط داراحیاء التراث العربی

- النواوی ۔ڈاکٹر عبدالخالق

العلاقات الدویتہ والتنظم القضائیہ ط اول ۱۳۹۴ھ ۔ ۱۹۷۴ء

- النووی ۔ محی الدین ابوزکریا یحیی بن شرف

شرح صحیح مسلم ۱ ۔ ۹ جلد ط ۔المطبعہ المصریہ و مکتبتہ

المجموع شرح المہذب ۲۰ جلد ط اول

- ھبیرۃ ۔الوزیر یحیی بن محمد

الافصاح عن معانی الصحاح ۔ دو جلد مطبعتہ الکیلانی قاھرہ ۱۳۹۸ھ

- ہشام ۔ ابو عبداللہ

السیرۃ النبویہ ترتیب مصطفیٰ السقا۔ ابراھیم الابیاری' عبدالحفیظ شلبی ط مطبعہ الحلبی قاھرہ ۱۳۵۵ھ

- وھبہ ۔ حافظ

جزیرہ العرب فی القرن العشرین ط ۔ چہارم ۱۳۸۱ھ ۔ ۱۹۶۱ء ط ۔ مطبعہ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر

قوانین اور انظمہ

قانون التنظیم القضائی العراقی ۱۹۷۹ء

قانون التنظیم القضائی الکویتی ۱۹۵۹ء

قانون السلطتہ القضائیہ السودی ۱۹۵۳ء

قانون نظام القضاء اللیبی ۱۹۵۸ء

قانون السلطہ القضائیہ المصری ۱۹۷۲ء

نظام استثمار رائس المال الاجنبی الصادر بالمرسوم

الملکی نمبر ۳۵ مئورخہ ۱۱-۱۰-۱۳۸۳ھ

نظام امانہ العاصمہ والبلدیات - سرکاری مطبعہ

نظام تادیب المو ظفین ۱۳۹۱ھ

نظام ترکیز مسئولیات القضاء الشرعی ۱۳۷۲ھ سرکاری مطبعہ

نظام تنظیم الاعمال الاداریتہ فی الدوائر الشرعیہ سرکاری مطبعہ

نظام الجمارک واللائحہ التنفیذیہ ۱۳۷۲ھ

نظام دیوان المظالم - المرسوم الملکی نمبر ۲-۱۳-۸۷۵۹ھ مئورخہ ۱۷-۹-۱۳۷۴ھ

نظام الشرکات ۱۳۸۵ھ

نظام الضمان الاجتماعی - ۱۳۸۲ھ

نظام العقوبات للجیش العربی السعودی

نظام القضاء ۱۳۹۵ھ

نظام کتاب العدل ۱۳۶۴ھ

نظام مجلس الوکلاء ۱۳۵۰ھ

مجموعہ الانظمہ قسم القضاء الشرعی - معہد الادارہ

مجموعہ نظم ولوائح وتعلیمات وزارۃ العدل ۱۴۰۰ھ

نظام محاکمتہ الوزراء

نظام المحکمتہ التجاریہ' سعودی عرب ۱۳۵۰ھ

نظام المرور - مرسوم ملکی نمبر م - ۴۹ مئورخہ ۱۶-۱-۱۳۹۱ھ

نظام المقاییس والمعایرہ ۱۳۹۲ھ

نظام مکافحہ الرشوۃ ۱۳۸۲ھ مطبعئہ سرکاری

نظام مکافحۃ الغش التجاری ۱۳۸۱ھ مطبعہ سرکاری

نظام الموظفین العام ۱۳۷۸ھ

نظام ھیئۃ الامر بالمعروف ۱۴۰۰ھ

اخبار اور رسالے

۱ - الادارہ العامہ - ط معہد الادارۃ العامہ ریاض

۲ - اسبوع الفقہ الاسلامی - ط القاہرہ ۱۳۸۲ھ

۳ - اخبار ام القری - سعودی عرب

۴ - اخبار "البلاد" ریاض

۵ - اخبار "المدینہ" - سعودی عرب

۶ - مجلۃ - البحوث الاسلامیہ الرئاسہ العامہ للبحوث العلمیہ ولافتاء والدعوۃ والارشاد: ریاض

۷ - مجلۃ مکتبۃ الادارۃ مرکز الوثائق معہ الادارہ العامہ ریاض

۸ - اسلامی شریعت اور انسانی حقوق' ایک سیمنار ط دار الکتاب اللبنانی بیروت ۱۹۷۳ء

فہرست مضامین

مضمون | صفحہ نمبر

موضوع چہارم

تیسرا باب

مطابع الجامعة

مطابع الجامعة

ردمك : ٩٩٦٠ - ٠٤ - ١٨٣ - ٢